خطباتِ آسان دین

جلد اوّل

تالیف

مولوی آصف صاحب مظاہری حفظہ اللہ ورعاہ

خادم التدریس دار العلوم اشرفیہ راندیر ضلع سورت، گجرات، انڈیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ

(البقرة : ۱۸۵)

وقال النبي ﷺ : إن الدين يسر

(البخاري:۳۹)

خطبات آسان دین

جلد اوّل

تالیف

مولوی آصف صاحب مظاہری حفظہ اللہ ورعاہ

خادم التدریس

دار العلوم اشرفیہ راندیر، ضلع سورت، گجرات، انڈیا

تفصیلات

نام کتاب : خطباتِ آسان دین

مؤلفہ : مولوی آصف بن اسماعیل مظاہری
(خادم التدریس دار العلوم اَشرفیہ راندیر)

مرتب : حافظ محمد لقمان راندیری
(متعلّم دار العلوم اَشرفیہ راندیر)

کمپیوٹر کتابت : رشید احمد آچھودی 89113 94286 91+

طباعت : **فلاحی پرنٹرس**، مالیگاؤں
8980826160 91+

طبع اوّل : ۱۴۴۳ھ مطابق : ۲۰۲۲ء

تعدادِ صفحات : ۴۳۲

کتاب مندرجۂ ذیل جگہوں پر دستیاب ہے۔

(۱) حافظ یمان راندیری (متعلّم دار العلوم اَشرفیہ راندیر 72956 90331 91+

(۲) مولوی آصف صاحب مظاہری (دار العلوم اَشرفیہ راندیر 56060 62622 91+

اجمالی فہرستِ مضامین

عناوین .... صفحہ

تفصیلی فہرستِ مضامین

عناوین .... صفحہ

(۱) معراج کاتحفہ: نماز

(۲) محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(۳) روزے کے دینی ودُنیوی فوائد

(۴) دُعا اَنمول عبادت ہے

(۵) عقیدۂ آخرت کی اَہمیت

(۶) سنتوں کا اہتمام اور ڈاڑھی

(۷) نکاح اسلام کی نظر میں

(۸) سود کی تباہ کاریاں

(۹) نماز قضائے عمری کا ثبوت

(۱۰) حقیقی آزادی اور جنگ آزادی میں مسلمانوں کے کردار کے دلائل

(۱۱) ہماری مساجد اور صفائی کا اہتمام

(۱۲) حسد کی آگ سے بچو

(۱۳) سوشیل میڈیا کا مُثبت استعمال اور ماہِ صفر کے کچھ توہمات

(۱۴) موبائل فون پر بات چیت کے چودہ (۱۴) آداب

(۱۵) قیلولہ سنت بھی آرام بھی

کلماتِ بابرکت

از

حضرت الاستاذ شیخ الحدیث مولانا محمد عاقل صاحب مَتَّعنا اللهُ بِطُولِ بَقَائِه

(شیخ الحدیث و مہتمم مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور)

بِاسمِه سُبْحَانَه وَتَعَالٰی

دین کی تبلیغ و اشاعت کی کوشش اور معاشرے کی اصلاح و تربیت کی فکر علما و دُعاۃ کے فرائض منصبی میں سے ہے، جس کا بہترین اور کامیاب ذریعہ تقریر و خطابت ہے۔

عزیزم مولوی محمد آصف گجراتی سلّمہٗ (اُستاذ دار العلوم اَشرفیہ راندیر، گجرات) جامعہ مظاہر علوم کے ایک نوجوان اور ہونہار فاضل ہیں، تقریر و خطابت کا خاص ذوق رکھتے ہیں۔ اِس وقت مختلف موضوعات اور مختلف مناسبتوں سے کیے گئے اپنے بیانات کا ایک مجموعہ شائع کرنا چاہتے ہیں۔

اُن کے مرسلہ بیانات کو جستہ جستہ مقامات سے دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ ماشاء اللہ سلامتیٔ فکر کے ساتھ ساتھ علمی لطائف اور نکات پر بھی موصوف کی نظر ہے، معاشرے کی دینی ضروریات اور تقاضوں سے بھی واقف ہیں، اور پھر اپنی بات پیش کرنے کا اچھا سلیقہ بھی ہے۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیزم سلّمہٗ کی اس کاوِش کو شرفِ قبول عطا فرما کر ترقیٔ دارین کا ذریعہ بنائیں اور اُن کے بیانات کو معاشرے کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں۔ آمین۔

وَصَلَّى اللهُ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ، وَعَلٰى آلِهِ وَأَصْحَابِه أَجْمَعِيْنَ. وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِين.

محمد عاقل غفرلہٗ

۲ / جمادی الاولیٰ / ۱۴۴۳ھ

قیمتی سرمایۂ حیات دُعائیہ کلمات

از

حضرت اَقدس مفتی احمد صاحب خان پوری دامت برکاتہم العالیہ

(شیخ الحدیث جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل وخلیفۂ اجل حضرت مفتی محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محبِّ مکرّم جناب مولانا محمد آصف صاحب زید مجدہٗ (مدرّسِ عربی دار العلوم اشرفیہ راندیر) کے خطبات کے مجموعے میں سے چند خطبات کا مطالعہ کیا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو دینی موضوعات پر گفتگو کرنے کا عمدہ سلیقہ عطا فرمایا ہے اور آپ اُس کو دین کی نشر و اشاعت نیز بندگانِ خدا کو دین سے قریب کرنے میں استعمال فرما رہے ہیں، جس پر میں اُن کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مولانا موصوف کی ان وقیع اور عظیم خدمات کو حُسن قبول عطا فرما کر اپنی رضا وقرب کا ذریعہ بنائیں اور بندگانِ خدا کو خدا سے جوڑنے کی اہم خدمت اُن سے لیں۔ آمین یارب العالمین۔

أملاہ

العبد احمد عفی عنہٗ خان پوری

۸/ جمادی الثانیہ/ ۱۴۴۳ھ

مطابق: ۱۲/ جنوری/ ۲۰۲۲ء

تقریظ وقیمتی ارشادات

از

رفیق محترم، صدیق مکرّم حضرت مفتی عبید اللہ صاحب دامت برکاتہم

(اُستاذِ حدیث جامعہ اشاعت العلوم اکّل کوا)

باسمہ تعالیٰ

خالق کائنات نے اپنی بے شمار مخلوقات میں سے انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر قابل تعظیم وتکریم قرار دیا: ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ﴾ (الإسراء : ۷۰) نیز ایک مقام پر فرمایا: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْٓ أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾ (التين:٤) احسن تقویم میں جہاں اعضائے ظاہریہ کا تناسب و اعتدال اور قد وقامت کی میانہ روی و ہیئت شامل ہے وہیں کمالاتِ باطنیہ اور صفاتِ معنویہ بھی شامل وداخل ہیں۔

جن اوصاف وکمالات سے باری تعالیٰ نے اپنے سب سے عظیم شاہکار کو خصوصیت سے نوازا ہے ان میں بہت نمایاں وصف نطق اور گویائی بھی ہے۔ یہی وہ وصف ہے جو انسان کو دیگر حیوانات سے ممتاز وجدا کرتا ہے، کیونکہ دیگر اوصاف میں باقی حیوانات بھی کمی زیادتی کے ساتھ شریک ہیں، یہی وجہ ہے کہ قدیم علوم عقلیہ اور علم منطق وغیرہ میں انسان کی تعریف و ماہیت حیوانِ ناطق سے کی گئی ہے، نیز سورۂ رحمٰن کی ابتدائی آیات میں مقام امتنان ونعمت میں تعلیم بیان کا خصوصیت سے ذکر ہے، اس لیے کہ نطق و بیان وہ منفرد نعمت ہے جو انسان کے ساتھ مخصوص ہے۔

اندازہ لگائیے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس چھوٹے سے عضو زبان میں قوت گویائی کی تخلیق نہ فرمائی ہوتی تو بندہ اپنے خالق و مالک کا ذکر لسانی، اس کے آخری پیغام کی تلاوت، اس کے حضور دست بدعا ہوکر اپنی حاجت وضروریات کیسے عرض کرتا؟ اپنے خویش واَقارب دوست احباب وغیرہ کے سامنے مافی ضمیر کیسے پیش کرتا؟ اہل وعیال اور اولاد سے بات چیت کرکے اپنے دل کے لیے سکون وتسکین کا سامان کیسے مہیا کرتا؟ لہٰذا یہ خدائے بزرگ و برتر کی بہت عظیم نعمت ہے۔

اس کی اہمیت کے پیش نظر شریعت نے گویائی اور زبان کو استعمال کرنے کے اصول وضوابط مقرر کیے ہیں۔ اس کے بجا استعمال پر ثواب واجر کا جہاں وعدہ کیا گیا ہے وہیں اس کے غلط استعمال پر وعید کا بھی ذکر ہے، جب اس عظیم نعمت کو صرف اپنے حق میں مفید بنایا جائے تو اس نعمت سے استفادہ لازم ہوجاتا ہے۔ اور اُسے دیگر افرادِ اُمت کی اصلاح وفلاح اور بہبود کے لیے استعمال کرکے اس کے فوائد کو متعدی بھی بنایا جاسکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ علمائے اُمت نے اس نعمت کو اپنی ذات تک محدود رکھنے کے بجائے اُسے امت کی اصلاح و ہدایت میں استعمال کیا، جس کو خطابت، بیان وتقریر کہا جاتا ہے۔

خطابت نہایت اہم دینی ضرورت اور حاملِ اہمیت شعبہ ہے، بلکہ آیت قرآنی ﴿وَذَكِّرْ فَإِنَّ ٱلذِّكْرَىٰ تَنفَعُ ٱلْمُؤْمِنِينَ۝﴾ (الذّٰریٰت : ۵۵) اور حدیث پاک "بَلِّغُوْا عَنِّيْ، وَلَوْ آيَةً." (بخاري : ٣٤٦١) اور اس جیسی اور بہت سی نصوصِ شرعیہ کی روشنی میں یہ بات ظاہر وباہر ہے کہ تبلیغ دین، ونشر واشاعت، توضیح وتبیین ماموراتِ شرعیہ میں سے ایک اہم ترین مامور بہ ہے، جس کی مختلف صورتوں میں سے ایک نہایت ہی نافع، اہم اور مؤثر صورت تقریر وخطابت ہے، اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ حضرات انبیا علیہم السلام

نے اپنے اپنے زمانے میں اپنی اپنی قوم میں تبلیغ دین اور قوم کی رہبری اور رہنمائی کے لیے جس ذریعے کا انتخاب کیا تھا وہ خطابت وتقریر تھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مدین سے مصر کی جانب واپسی کے موقع پر کوہِ طور پر بلا کر نبوت ورسالت سے جب سرفراز فرمایا اور فرمایا کہ آپ فرعون اور اس کے متبعین کو دعوتِ حق پیش کرو، اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے برادرِ کبیر حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا معاون اور وزیر بنانے کی درخواست کی تھی، وجہ اس کی یہ بھی تھی کہ حضرت ہارون علیہ السلام فصیح اللسان تھے۔ ﴿وَ أَخِي هٰرُوْنُ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا﴾ (القصص : ٣٤) فرمایا، کیوں کہ تبلیغ دین کے لیے خطابت کی ضرورت تھی۔

سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشرکین وکفارِ مکہ نے ساحر کے لقب سے ملقب کیا تھا، اس کی اصل وجہ اعجازِ قرآنی ہے، وہیں خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خطابت کا عمدہ اور فصیح وبلیغ ہونا بھی تھا، اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلا کی فصاحت لسانی اور کمال درجے کا خطابی ملکہ عطا فرمایا تھا۔ جب تعبیر کرنے کے لیے دشمنانِ رسول کے پاس جادو، شعر اور کہانت کے سوا کوئی الفاظ ہی نہیں تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افصح العرب قرار دیے گئے، چنانچہ فرمایا: "أَنَا أَفْصَحُ الْعَرَبِ." (شرح السنة للبغوي) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جوامع الکلم (مسلم، حدیث نمبر: ۵۲۳) کا معجزہ بخشا گیا کہ آپ کی لسانِ نبوت سے نکلے ہوئے ایک ایک کلمے میں علوم ومعارف اور مفاہیم ومطالب کا سمندر موجیں مارتا ہوا نظر آتا ہے، آپ کے جوشِ تکلم کی تاثیر سے مخاطبین کے قلوب میں ایک انقلاب برپا ہوجاتا، چنانچہ جمعہ وعیدین کے خطاب کے علاوہ بے شمار مواقع میں آپ نے ایسے ایسے بے مثال اور بے نظیر، نہایت فصیح وبلیغ خطبات اور مؤثر مواعظ ارشاد فرمائے ہیں کہ خود فصحائے عرب حیران وششدر رہ گئے، بڑے بڑے سنگدل پانی پانی ہوگئے اور دم

زدن میں ان کے دل کی کائنات بدل گئی۔

کتب مدینہ مقدسہ میں روایات کے ذیل میں ان خطبات کا ذکر ملتا ہے، سب سے مشہور خطبہ حجۃ الوداع، خطبۃ الحاجہ، کوہِ صفا پر خطبہ، خطبۂ کسوف وخسوف، احوالِ قیامت واشراطِ ساعہ کے سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ترغیبی وترہیبی فرامین وغیرہ۔ علمائے اُمت نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطبات کی اہمیت کے پیشِ نظر مستقل تالیفات میں بھی اس کو جمع فرمایا ہے، چنانچہ "خُطَبُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ": علی بن محمد المدائنی رحمۃ اللہ علیہ (م:۲۲۴ھ) اور شیخ عبد اللہ بن محمد اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ (م:۳۶۹ھ) کی، اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی: "مَوْعِظَةُ الحَبِيْبِ وَتُحْفَةُ الخَطِيْبِ" کے نام سے کتابیں پائی جاتی ہیں۔

اور یہ ایک حقیقت ہے کہ علمائے کرام اَنبیا کے وارث ہوتے ہیں، "العُلَماءُ وَرَثَةُ الأَنْبِيَاءِ" (أبوداود : ٣٦٤١) اس لیے علمائے کرام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کو اپنانے اور اختیار کرنے کی حتی الامکان کوشش کرتے ہیں، ان میں سے ایک وعظ ونصیحت اور خطابت بھی ہے۔ اور جس طرح اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کو دائرۂ اسلام میں داخل کرنے کے بعد ان میں بقائے اسلام وایمان کے لیے کوشاں رہتے تھے، ایسے ہی علما کو بھی افرادِ اُمت میں دین اپنی حقیقت اور سنت نبوی سے مزین ہو کر باقی رہے اس کی فکر دامن گیر رہتی ہے، جس کے تحت ان کی خیر خواہی میں اُنھیں نصیحت کرتے رہتے ہیں۔

خدمت دین کے حوالے سے خطابت کے تین بڑے دائرے ہیں:

پہلا دائرہ دعوت کا ہے۔ دنیا بھر کے جمیع انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت ونبوت اور قرآن مجید کی حقانیت پہنچانا یہ تمام مسلمانوں کی ذمے داری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس زمین پر تقریباً پانچ اَرب انسانوں کا جتھا اُمت دعوت ہے، ظاہر ہے

کہ ان تک پیغام پہنچانا ضروری ہے، جس کا بنیادی ذریعہ خطابت ہے۔

دوسرا دائرہ دفاع عن الاسلام ہے۔ دینِ حق پر وارد ہونے والے نت نئے اعتراضات کا دنداں شکن جواب دینا اور شکوک وشبہات کا علمی وعقلی انداز میں اِزالہ بغیر خطابت کے ممکن نہیں ہے۔

تیسرا دائرہ ہے اصلاحِ امت۔ یہ دائرہ سب سے وسیع، اہم اور قابل توجہ ہے، امت عقائد حقہ کے ساتھ اعمالِ صالحہ پر قائم اور باقی رہے، اس کے لیے بھی خطابت، وعظ اور نصیحت امر لابدی ہے، ان مقاصد کا حصول محض تحریروں سے نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقع پر فرمایا کہ ''تحریر کے مقابلے میں تقریر میں مہارت پیدا کرنے کی زیادہ ضرورت ہے۔ کیوں کہ تحریر کا نفع خاص اور تقریر کا عام ہوتا ہے۔'' ایک مقام پر علما کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ''دو باتیں خیال میں آتی ہیں: یا تو درس وتدریس شروع کریں، یا وعظ کہیں، اور دونوں میں سے وعظ ہی زیادہ مفید معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ اس کا نفع عام ہوتا ہے، جس چیز کی زیادہ ضرورت دیکھی جائے وہی بیان کردی جائے۔ لیکن وعظ گوئی بڑی محنت کا کام ہے، ضرورت دونوں کی ہے، مناسب ہے کہ مستقل درس کا شغل جاری رہے اور کبھی کبھی وعظ بھی ہوا کرے۔''

چنانچہ اکابر علمائے اُمت قدیم زمانے سے آج تک اس مہتم بالشان امر میں اخلاصِ نیت اور للّٰہیت کی ساتھ منہمک ہیں۔ اس سلسلے میں کئی مواعظ کے مجموعے بھی شائع ہو کر اُمت کے ہاتھوں میں آچکے ہیں، خطباتِ حکیم الامت، خطباتِ حکیم الاسلام، مفکر اسلام مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خطبات، اصلاحی خطبات وغیرہ۔

پیش نظر کتاب مفتی محمد آصف صاحب بمبوی اُستاذِ تفسیر وفقہ دار العلوم اشرفیہ

راندیر، سورت کی اُن تقاریر ومواعظ کا مجموعہ ہے جو آپ نے اطراف وجوانب اور دور دراز کے اسفار کر کے بغرضِ اصلاحِ اُمت وعظ ونصیحت فرمائی ہے، اس موقع پر دل میں بے حد خوشی اور مسرّت کے جذبات کے ساتھ ساتھ مولانا محترم کی خدمت میں مبارک باد پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اس عظیم خدمت کو شرف قبولیت سے نوازیں۔

مولانا محترم سے میری شناسائی وتعلق بہت پرانا ہے، جب آپ نے جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ تعلیم وتربیت کی غرض سے اپنے نام کا اندراج کرایا اس وقت سے آج تک باہمی دوستی سے بڑھ کر برادرانہ تعلق ہے، آپ نے بہت محنت سے پڑھا، ہر شعبے میں اپنے دیگر ساتھیوں سے ہمیشہ فائق وممتاز رہے، کتب درسیہ کا امتحان ہو یا تقریری مسابقات، مختلف موضوعات پر منعقد ہونے والے مناظرے یا مناقشے میں مولانا محترم کی پوزیشن نمایاں ہوتی تھی، درس وتکرار کی پابندی، اساتذہ کا ادب واحترام، محسنین کے احسان کا احساس، کتب بینی اور مطالعے کا ذوق وغیرہ ممتاز اوصاف کی وجہ سے اپنے اساتذہ کے منظورِ نظر رہ کر خوب دعائیں سمیٹیں، جن کا مشاہدہ کھلی آنکھوں سے کیا جارہا ہے، ربِ کریم نے آپ کو اِفہام وتفہیم کا غضب کا ملکہ عطا فرمایا ہے۔ طلاقت لسانی، اسلوبِ بیانی، زبان کی پاکیزگی وصفائی، فکر ونظر کی بالیدگی، بیدار مغزی، طہارتِ قلبی، ہمدردی اور غم خواری، مظلوموں کی طرفداری، حوصلہ وہمت کی بلندی، معاملہ فہمی، اخلاق کی بلندی، طبیعت کی سادگی، تواضع، عجز وانکسار وغیرہ آپ کے وہ اوصاف ہیں جن کا علم ہی نہیں بلکہ تجربہ بھی ہے۔

فی الحال صوبۂ گجرات کی ایک عظیم دینی درسگاہ دار العلوم اشرفیہ راندیر کی مسند درس وتدریس پر جلوہ گر ہو کر درسی انہاک وہماہمی کے ساتھ مولانا کا خاص مشغلہ قریب وبعید کے اسفار طے کر کے اصلاحِ اُمت کے مخلصانہ جذبے سے سرشار ہو کر ان کو وعظ ونصیحت کرنا

بھی ہے۔ اور اس میدان میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو قبولیت ومقبولیت سے نوازا ہے، مولانا کا اندازِ خطابت بھی بہت عمدہ ہے، نہایت آسانی اور سہولت کے ساتھ مجمع کے دل میں اپنی بات اُتارنے کا سلیقہ موصوفِ محترم کو وافر مقدار میں حاصل ہے، مدارس کا ایک بڑا طبقہ آپ کے خطبات سے مستفید ہو کر اپنی ذہنی تشنگی سے سیرابی حاصل کر رہا ہے، درسی مشغولیت و ہما ہمی اور نہایت اہم اسباق ہونے کے باوجود ان اسباق کا کامل حق ادا کرتے ہوئے آپ وعظ ونصیحت اور خطابت و بیانات کے فرائض بھی علی وجہ الکمال ادا فرما رہے ہیں۔ صوبۂ گجرات کی حدود سے باہر ملک کے طول وعرض میں آپ کے دینی واصلاحی پروگرام تو اکثر ہوتے رہتے ہیں، اللہ رب العزت قبول فرمائیں۔

یہ کتاب آپ کی ان تقاریر کا مجموعہ ہے جو نہایت کارآمد اور مفید مضامین پر مشتمل ہے، آیاتِ قرآنیہ واحادیث نبویہ سے بھرپور، جدید تعلیم یافتہ طبقے اور نوجوان نسل کے اذہان کے خیالات کی پوری رعایت کے ساتھ عقلی ونقلی دلائل کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہے، موضوعات کا انتخاب بالکل زمانے سے ہم آہنگ، نیز مناسب مقامات پر واقعات، سیرتِ رسول ﷺ، حکایاتِ صحابہ واولیا، ملفوظاتِ اکابر کا خاص اہتمام، سب سے ممتاز خصوصیت یہ کہ احادیث مبارکہ کی تخریج وحوالہ جات سے کتاب کو محقق بنایا گیا ہے، جا بجا عمدہ اشعار، جملے اور فقرے بھی ہیں، بغور دیکھا جائے تو مخلوق کو معبود سے، امت کو رسول ﷺ سے اور آخرین کو اوّلین سے مربوط رکھنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے، غرض یہ کہ معاشرے کی خرابیوں وکوتاہیوں کو سامنے رکھ کر امراضِ باطنہ کی تشخیص کر کے ان کا مکمل علاج پیش کیا گیا ہے، کتاب اپنے ظاہر وباطن، الفاظ ومعانی ہر دو اعتبار سے نہایت کارآمد اور سودمند ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی ان مساعئ جمیلہ کو قبول فرما کر مزید ترقیات سے نوازیں۔ آمین۔

اس موقع پر جب کہ بے انتہا خوشی اور مسرّت محسوس ہو رہی ہے اور سر سجدۂ تشکر کے لیے بے تاب ہے، مولانا موصوف برادرِ محترم کی تقاریر کا مجموعہ منظر عام پر آیا چاہتا ہے، وہیں بڑے افسوس اور رنج والم کے ساتھ کپکپاتے ہاتھوں سے یہ بھی تحریر کرنا پڑ رہا ہے کہ اگر آج ہمارے محسن مربیان، رہنما، رہبر اور والد بزرگوار رحمۃ اللہ علیہما (حضرت مفتی عبد اللہ پٹیل مظاہری، بانی، مہتمم وشیخ الحدیث جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ اور نہایت مشفق عمِ محترم مولانا عبدالرحیم صاحب فلاحی استاذِ تفسیر وحدیث جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا) ہمارے مابین موجود ہوتے تو مولانا کی اس کاوش وکوشش کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے، آپ کی حوصلہ افزائی فرماتے، بہت سراہتے اور سینے سے لگا کر ڈھیر ساری دعاؤں سے نوازتے۔ اور پھر یہ کہنا بھی غلط نہ ہوگا کہ ان کے دُعائیہ کلماتِ بابرکت کی تحریریں بھی اس کتاب کے آغاز پر ضرور بالضرور ہوتیں۔

والد بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے افراد سازی کے ملکے کے ساتھ اس بات کی فکر سے نوازا تھا کہ آپ ہمیشہ طلبہ کی خوابیدہ صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کے لیے، اُن میں نکھار لاکر اُنھیں بامِ عروج تک پہنچانے کے لیے کوشاں رہتے تھے، آپ ملک کے باکمال اہل علم وفن حضرات کو وقتاً فوقتاً مدعو فرما کر جہاں جامعہ ہانسوٹ میں ان کے محاضرات، مذاکرات اور اسباق کا اہتمام فرماتے تھے وہیں تعطیلات میں طلبہ کو ان کی خدمت میں بھیجنے کا بھی اہتمام فرماتے تھے، یہی ذوق وجذبہ عمِ محترم کو بھی اللہ تعالیٰ نے ودیعت فرمایا تھا۔

چنانچہ عمِ محترم جب جب بھی جامعہ ہانسوٹ تشریف لاتے باذوق ومحنتی طلبہ سے خوب والہانہ انداز میں ملتے، ان کی حوصلہ افزائی فرماتے، عموماً کوئی نہ کوئی مفید کتاب یا کبھی کوئی اور چیز عطا فرماتے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک موقع پر صاحب مجموعہ مولانا محترم نے مجھے سلسلۂ گفتگو کے دوران یہ کہا تھا کہ مولانا عبد الرحیم صاحب مجھ سے بہت محبت

فرماتے تھے، میدانِ تقریر وخطابت میں بڑی رہنمائی فرمائی اور اس حوالے سے اللہ تعالیٰ مجھ سے جو کچھ کام لے رہے ہیں اس میں مولانا مرحوم کی فکر وتوجہ، رہبری ورہنمائی کا بڑا حصّہ ہے۔ پھر کہا کہ جب میں عربی ششم مشکوۃ شریف میں تھا تو قبل رمضان المبارک ہانسوٹ تشریف لائے اور حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ میں رمضان المبارک نواپور میں گزارنے والا ہوں اور محمد آصف سلّمہٗ کو آپ اجازت دیں، میں ان کو اپنے ساتھ وہاں لے جانا چاہتا ہوں، چنانچہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اجازت سے اس سال رمضان المبارک مولانا عبدالرحیم صاحب فلاحی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ نواپور میں گزارنے کا موقع ملا اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے وہاں کی مختلف مساجد میں مختلف نمازوں کے بعد درسِ قرآن اور بیانات کروا کر میری بڑی رہنمائی وحوصلہ افزائی فرمائی، حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا والہانہ اور مخلصانہ تعلق میں کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔

اللہ رب العالمین ہمارے ان دونوں بزرگوں کی محنتوں کو قبول فرما کر اُنھیں اعلیٰ علیین میں جگہ نصیب فرمائیں، ہماری چھوٹی موٹی دینی خدمات کو ان کے حق میں ذخیرۂ آخرت بنائیں۔آمین۔

اخیر میں پھر ایک مرتبہ صاحب کتاب مولانا موصوف کی خدمت میں خوشی اور مسرّت کے جذبات کے ساتھ اس عظیم کارنامے پر اُنھیں صد ہا صد مبارک باد پیش کرتے ہوئے دعا گو ہوں کہ ربِ کریم آپ کی اس خدمت کو قبول فرمائیں، اس کتاب کو ہر فردِ اُمت کے لیے مفید وسودمند بنائیں، آپ کو مزید ترقیات سے نوازیں اور آپ کے والدین و مرحومین کے لیے صدقہ جاریہ بنائیں۔آمین۔

عبیداللہ سعادتی غفرلہٗ

۹/ جمادی الثانیہ/ ۱۴۴۳ھ

مطابق: ۱۳/ جنوری/ ۲۰۲۲ء

حوصلہ اَفزا اِرشادات

از

حضرت الاستاذ مولانا احمد صاحب ٹنکاروی دامت برکاتہم العالیہ

(اُستاذِ حدیث دار العلوم فلاحِ دارین ترکیسر)

بِاسمِهِ العَلَّامِ

نَحْمَدُه وَنُصَلِّيْ عَلىٰ رَسُوْلِهِ الكَرِيْمِ. أَمَّا بَعْدُ.

"اَلعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الأَنْبِيَاءِ." حدیث پاک کے پیش نظر دعوت الی اللہ اور اِنسانیت کی رہنمائی کی ذمے داری علما پر عائد ہے، جس کا ایک طریقہ وعظ وتقریر ہے، وعظ کی جادوئی تاثیر "إِنَّ مِنَ البَيَانِ لَسِحْرًا" سے ثابت ہے۔

اس سلسلۃ الذہب کی ایک حسین کڑی عزیزم مولوی محمد آصف سلّمہٗ ہیں، درسِ نظامی کی مصروفیت اور مناسبت کے ساتھ علمِ راسخ رکھتے ہیں، مطالعے کے شائق، علم وفن میں خوب سے خوب تر کے متلاشی اور صاف ستھری عملی زندگی کے حامل ہیں، تمدنی ومعاشرتی زندگی کو بہت سے قریب سے دیکھنے کی وجہ سے سماج کی دُکھتی رَگ پر ہاتھ رکھتے ہیں، آپ کے عناوین مقتضائے حال کی پوری مطابقت رکھتے ہیں، یعنی (Current Topic) ہوتا ہے۔ مواد قرآن وسنت سے معمور، پرمغز اور مدلل ہوتا ہے، مالہٗ وماعلیہ پر مشتمل ہوتا ہے، خطاب کے وقت مولانا سراپا خطاب بن جاتے ہیں، ایک اچھا خاصہ محاضرہ ہوتا ہے۔

ماشاءاللہ۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ.

پیش نظر مجموعہ ”خطبات آسان دین“ موصوف سلّمہٗ کی تقاریر و مجالس پر مشتمل ہے، جو ”از دِل خیزد، بر دِل ریزد“ کا مصداق ہے، حالات کی صحیح تشخیص اور بروقت و برمحل علاج کی تجویز ہے، نئی نسل کے خلجانات کا دفعیہ اور تسلّی کا سامان ہے۔ تقاریر کو تحریری جامہ پہنانے کی وجہ سے جامعیت ہوگئی، تقاریر کی عمر بڑھ گئی۔

مولانا ہم سب کی طرف سے مبارک باد کے مستحق ہیں، دُعا ہے کہ اللہ پاک آپ کو اُمت کے دِلوں میں آبیاری کے لیے مزید ہمت و توفیق اور قبولیت عطا فرمائیں۔ آمین۔

بندہ

احمد ٹنکاروی غفرلہٗ

خادم التدریس

دار العلوم فلاحِ دارین ترکیسر

۲۹ رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ

بروز جمعرات

تقریظ بلیغ

از

جناب حضرت الاستاذ مفتی محمد فاروق صاحب دامت برکاتہم

(اُستاذِ حدیث جامعہ دارالاحسان بارڈولی، سورت)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تبلیغ دین، اصلاحِ معاشرہ اور اَحکامِ دین سے روشناس کرانے کے مختلف طریقوں میں سے بیانات وخطابات کا طریقہ سب سے مؤثر ومفید طریقہ ہے، جس سے ہر کس وناکس، عوام وخواص، خواندہ وناخواندہ سبھی مستفید ہوتے ہیں اور خواہانِ دین وشریعت اس سے اپنی زندگی سنوارنے کی پیہم سعی کرتے ہیں؛ اِسی لیے گاہ بہ گاہ حضرات اکابر اپنے گہر بار خطابات سے اُمت کو نوازتے رہے اور اُن کی اِصلاح کے فکرمند رہے اور فراہمیِ وسائل سے محرومی کے باوجود اُن کے خطبات کو حرف بہ حرف قیدِ تحریر میں لا کر آنے والی اُمت کے لیے قیمتی تحفہ بنا کر پیش کیا گیا، جس سے اُمت بہرہ ور ہوتی آ رہی ہے۔

اسی طرح برادرِ مکرّم مولانا آصف صاحب حفظہ اللہ ورعاہ جب سے مدرسہ اَشرفیہ راندیر کے اُستاذ متعین ہوئے پابندی سے مختلف مساجد ومجامع میں بیان وخطبات کی سعادت سے مشرّف ہوئے اور اُن کی خطابی کاوِشوں کو آڈیو کی شکل میں محفوظ کیا گیا، ایک زمانے سے آپ کے بیانات سے مستفید ہونے والے طلبہ وخوشہ چیں آڈیو سن کر محظوظ ہوتے رہے ہیں اور اسی سے بیان وخطابت کی ذمے داریاں بھی اَدا کرتے رہے۔

اب یہ بیانات صفحۂ قرطاس میں ودیعت ہیں، جو ''خطباتِ آسان دین'' کے نام سے موسوم ہو کر ہمارے سامنے ہیں، ان شاء اللہ اب اُن کی اِفادیت مزید عام و تام اور دُہری ہو جائے گی۔

مولانا آصف صاحب جہاں اپنے موضوع کی حد میں بیانی سلسلہ جاری رکھتے ہیں اُس کی ادائیگی کی پوری کدوکاوِش بھی کرتے ہیں، جن پر تمام موضوعات شاہد عدل ہیں، ورنہ آج کل کے خطبا کی تقاریر و خطبات سن کر موضوع کی تعیین مشکل ہو جاتی ہے کہ اُن کا موضوع کیا ہے؟ نیز ان خطبات میں زبان کی سلاست، تعبیرات کی برجستگی اور برمحل اَلفاظ و جملوں کا استعمال سونے پر سہاگہ کے مترادف ہے۔ تاہم ''عطر آنست کہ خود ببوید، نہ کہ عطار بگوید'' کے بموجب اس سے استفادہ کرنے والے اپنی غائرانہ نظروں سے مطالعہ کریں گے تو ان شاء اللہ اس تحریر سے کہیں زیادہ اچھا پائیں گے۔

بندہ دربارِ الٰہی میں دُعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ اِس کتاب کو زینت قبولیت سے مزین فرما کر مفید عام و خاص فرمائیں اور خطیب کے لیے ذخیرۂ آخرت بنا کر مزید سلسلہ جاری رکھنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین۔

محمد فاروق
اُستاذ
جامعہ دارالاحسان بارڈولی
سورت، گجرات، انڈیا
مؤرخہ: ۱۸/ ۴/ ۱۴۴۳ھ
مطابق: ۲۳/ ۱۱/ ۲۰۲۱ء

کلماتِ تائید و توثیق

از

شیخ الحدیث حضرت اَقدس قاری رشید احمد صاحب اَجمیری دامت برکاتہم

(شیخ الحدیث دار العلوم اَشرفیہ راندیرو خلیفہ حضرت اَقدس مولانا اسماعیل واڈی صاحب نقشبندی مدظلہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ

حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا وَّمُسَلِّمًا

اسلام کے ہر دور میں خاصانِ خدا، علمائے اُمت اور مصلحین مختلف طریقوں سے اُمت کی اصلاح اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہے ہیں، از آدم تا ایں دم یہ مبارک سلسلہ جاری ہے، جس میں ایک طریقہ تحریر وتقریر کا بھی ہے اور اُمت کو اس سے خاطر خواہ فائدہ بھی پہنچتا ہے۔

بہت سے علمائے عظام کے خطبات منظرِ عام پر آئے ہیں اور مفید ثابت ہوئے ہیں، جیسے ''خطباتِ حکیم الامۃ، خطباتِ حکیم الاسلام'' اور دیگر خطبات جن کی فہرست کافی طویل ہے۔

مفتی آصف صاحب زید مجدہم دار العلوم اَشرفیہ کے معلّم و مدرّس

ہیں اور اُمت کی دینی اصلاح کی بہت فکر رکھتے ہیں، دعوت وتبلیغ کے لیے قرب و جوار کے اَسفار فرماتے رہتے ہیں اور اس سلسلے کا نفیس ذوق رکھتے ہیں۔

آں جناب نے ''خطباتِ آسان دین'' کے عنوان سے اپنے طرز سے کئی منفرد بیانات کا اچھا مجموعہ اور حسین گلدستہ اُمت کے سامنے پیش فرمایا ہے، جو نہایت عمدہ، پرمغز مواد پر مشتمل ہے، جس میں معین عناوین پر تحت العنوان کلام فرمایا ہے۔

حق تعالیٰ اس مجموعے کو شرفِ قبولیت سے نوازیں اور حضرت مفتی صاحب کی نجاتِ اُخروی اور فلاحِ دارین کا ذریعہ بنائیں اور ہم سب کو اس سے مستفید فرمائیں۔ آمین یارب العالمین۔

از حقیر

رشید احمد اَجمیری

خادم التدریس

دار العلوم اَشرفیہ راندیر

تقریظ گراں قدر

از

حضرتِ اَقدس مولانا مفتی محمد کلیم صاحب دامت برکاتہم

(اُستاذِ حدیث ودار الافتا دار العلوم اشرفیہ راندیر، سورت، گجرات)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِأَهْلِه، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ علی أَهْلِهِمَا... أَمَّا بَعْدُ.

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانیت کی ہدایت کے لیے انبیا و رُسل کو مبعوث فرمایا اور اخیر میں حضرت خاتم الانبیا والمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا، آپ کے بعد نہ کوئی نبی آنے والا ہے، نہ کوئی کتاب ونئی شریعت۔

اب اُمت کی اصلاح و ہدایت کی ذمے داری علمائے کرام پر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد سے یہ سلسلہ مختلف شکلوں وصورتوں میں جاری ہے، درس و تدریس، تصنیف وتالیف، تقریر وتحریر اور دعوت وتبلیغ اس سلسلۃ الذہب کی کڑیاں ہیں۔

محبّ مکرّم جناب مولانا مفتی آصف صاحب زید مجدہم جہاں دار العلوم اشرفیہ راندیر جیسے قدیم ومشہور ادارے میں ایک کامیاب مدرّس ہیں وہیں اپنے وعظ و خطابت کے ذریعے عوام الناس کو مستفید فرما رہے ہیں، آپ شابِ صالح ہیں، تحقیق و مطالعے کا ستھرا ذوق رکھتے ہیں، اس لیے خطابت میں بھی تحقیقی مضامین بیان فرماتے ہیں

اور من گھڑت واقعات یا موضوع اور من گھڑت روایات سے اجتناب کرتے ہیں۔

متعدد مساجد، مدارس و مکاتب کے اجلاسات نیز اصلاحی بیانات کا یہ مجموعہ ''**خطباتِ آسان دین**'' کے نام سے منصۂ شہود پر آرہا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اُمت مسلمہ کو اس سے زیادہ سے زیادہ استفادہ وعمل کی توفیق عطا فرمائیں اور موصوفِ مکرّم کے فیوض کو عام وتام قبولیت کے ساتھ مقبولیت سے سرفراز فرمائیں، صحت، عافیت اور سلامتی عطا فرما کر نظرِ بد و جملہ حوادث ومکارہ سے حفاظت فرمائیں۔ آمین۔

ایں دُعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

محمد کلیم لوہاروی

خادم الحدیث والافتا

دار العلوم اشرفیہ راندیر، سورت، گجرات

۱۹/ جمادی الاولیٰ/ ۱۴۴۳ھ

مطابق: ۲۴/ دسمبر/ ۲۰۲۱ء

کلماتِ عالیہ

از

مربی و مشفقی حضرت اَقدس مفتی محمد سلمان صاحب بجنوری دامت برکاتہم
(استاذ دار العلوم دیوبند)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِين، وَالصَّلَاةُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِه وَأَصْحَابِه أَجْمَعِيْنَ. أَمَّا بَعْدُ.

اللہ رب العزت نے مسلمانوں کو جو دینی نعمتیں عطا کی ہیں اُن میں تذکیر ونصیحت کا وہ نظام بھی ہے جو علمائے اُمت کے ذریعے مسلسل جاری ہے، اور جس سے حکم الٰہی: ﴿وَذَكِّرْ فَإِنَّ ٱلذِّكْرَىٰ تَنفَعُ ٱلْمُؤْمِنِينَ﴾ کی تعمیل بھی ہوتی ہے اور اُس کے مطابق اہل ایمان کو نفع بھی ہوتا ہے۔

تذکیر ونصیحت یوں تو تحریری طور پر بھی ہوسکتی ہے، لیکن اس کا جو طریقہ زیادہ آسان اور نافعیت کے اعتبار سے تمام طبقات کو عام ہے وہ تقریر ہے۔ پھر تقریر کا سلیقہ سب کو یکساں طور پر عطا نہیں ہوتا۔ اور تقریر کی اِفادیت کے لیے علم ومطالعے کی جو وسعت شرط ہے وہ بھی خاص عطیۂ الٰہی ہے۔

اس معیار پر اگر دیکھا جائے تو ہمارے عزیز دوست بلکہ خواجہ تاش اور سورت، گجرات کے معروف عالمِ دین حضرت مولانا مفتی محمد آصف صاحب زید مجدہم (اُستاذِ حدیث دار العلوم اَشرفیہ راندیر) نہایت باتوفیق علما میں شامل ہیں، اُن کو اللہ رب

العزت نے مختلف دینی میدانوں میں خدمت کی توفیق سے نوازا ہے۔

وہ ایک طرف تو سورت کے قدیم ترین ادارے دار العلوم اَشرفیہ راندیر میں اُستاذِ حدیث ہیں، تو دوسری طرف نہایت معروف ومقبول خطیب بھی ہیں، ملک بھر کے مختلف صوبوں اور علاقوں میں خطاب کے لیے مدعو ہوتے ہیں، پھر اپنے چینل کے ذریعے تقریر، تفسیر قرآن اور فقہی مسائل بیان کرکے اُمت کے ایک بڑے طبقے کو فیض پہنچا رہے ہیں۔ بڑی مسرّت کی بات ہے کہ تفسیر قرآن کی اشاعت میں مفتی صاحب کے اہل خانہ بھی مسلسل کام کررہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

مفتی صاحب کی ایک قابل ذکر سعادت یہ بھی ہے کہ وہ شیخ المشائخ حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی مجددی دامت برکاتہم کے دامن فیض سے وابستہ اور اُن کی توجہ سے بہرہ یاب ہیں۔ یہ تمام اَوصاف اُن کی علمی وعملی صلاحیت کی بہترین عکاسی کرتے ہیں۔

اب مفتی صاحب نے لوگوں کے اِصرار پر اپنی تقریروں کا ایک اِنتخاب مرتب کیا ہے جو آپ کے سامنے ہے، اسے پڑھ کر اندازہ ہوجائے گا کہ یہ بیانات ایک خاص اُسلوب اور دل چسپ انداز میں معتبر مواد سے بھرپور اور رَطب ویابس سے پاک ہیں۔ اس کتاب کو آپ مفتی صاحب کی خطابت کی ایک جھلک کہہ سکتے ہیں۔

دُعا ہے کہ اللہ رب العزت اس کتاب کو قبولِ عام عطا کریں اور مفتی صاحب کو مزید علمی ودینی خدمات کی توفیق سے بہرہ ورفرمائیں۔ آمین۔

والسلام

محمد سلمان غفرلہٗ

(خادم التدریس دار العلوم دیوبند)

۱۱ر جمادی الاولیٰ ر ۱۴۴۳ھ

۱۶ر دسمبر ر ۲۰۲۱ء ر بروز جمعرات

حوصلہ اَفزا عنایات

از

جناب حضرت مفتی اَشرف عباس صاحب قاسمی دامت برکاتہم
(اُستاذ دارالعلوم دیوبند)

دین کی تعلیم وتبیین اور صحیح افکار ونظریات کی تشریح وتفہیم کا ایک اہم ذریعہ خطابت ہے، خطابت میں کتاب وسنت کی رہنما ہدایات وحقائق کے ساتھ اگر اسلوبِ تفہیم اور سوزِ دروں کی آمیزش ہوجائے تو سامعین کے قلوب کی دنیا میں انقلاب برپا ہوجاتا ہے، سخت سے سخت دل بھی پسیج کر اپنے اندر عمل کا نیا حوصلہ اور ولولہ پاتا ہے، زبانِ حق ترجمان نے اسلوبِ معجز میں "إِنَّ مِنَ البَيَانِ لَسِحْرًا" فرما کر خطابت کی اثر انگیزی کی کس قدر زبردست عکاسی فرمائی ہے، خطابت کی اسی اہمیت کے پیش نظر عربی کے بعد اُردو میں بھی بہت سے اہل علم اصحابِ فکر کے خطبات کے مجموعے شائع ہوتے رہے ہیں؛ تاکہ جو حضرات براہِ راست ان مجلسوں سے مستفید نہ ہوسکے وہ بھی حسبِ توفیق ان سے فائدہ اٹھا سکیں، اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی **''خطباتِ آسان دین''** ہے جو اس وقت ہمارے پیشِ نظر ہے۔

یہ برادرِ گرامی محترم جناب مولانا آصف صاحب مظاہری حفظہ اللہ استاذِ حدیث جامعہ اشرفیہ راندیر کے ان خطبات کا مجموعہ ہے جو انھوں نے مختلف مساجد ومحافل میں پیش کیے ہیں۔

محترم مولانا آصف صاحب کو طالبِ علمی کے ابتدائی دنوں سے ہی تقریر وخطابت سے دلچسپی رہی ہے، چنانچہ جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ میں اپنی صف کے ممتاز طالبِ علم ہی

نہیں ؛ بلکہ جامعہ کی انجمن ”مظہر البیان“ کے نمایاں شرکا میں رہے۔ پھر جب ہانسوٹ میں ہی تدریس کی خدمت تفویض کی گئی تو سالہا سال اس انجمن کی نگرانی بھی مولانا موصوف سے متعلق رہی اور طلبہ کی تقریری صلاحیتوں کو پروان چڑھانے میں آپ کا اہم کردار رہا۔

اس وقت گجرات کی ایک اور مرکزی درسگاہ جامعہ اشرفیہ راندیر میں استاذِ حدیث ہونے کے ساتھ شہر سورت اور دیگر مواضع میں آپ کے خوب اصلاحی اور علمی بیانات ہوتے ہیں، جو بڑی دلچسپی سے سنے جاتے ہیں، سوشیل میڈیا کے پلیٹ فارم سے بھی مولانا کے بیانات وخطابات خوب نشر ہوتے ہیں اور لوگوں کو فائدہ پہنچا رہے ہیں۔

مولانا نے اپنے بعض تلامذہ ومحبین کے اصرار پر اپنے بعض خطبات پر مشتمل یہ قیمتی مجموعہ تیار کردیا ہے، ان خطبات میں صرف لفاظی نہیں؛ بلکہ حقائق بھی ہیں، بے سروپا واقعات نہیں؛ بلکہ قرآن وحدیث سے منتخب دُرّہائے آبدار بھی ہیں، جذباتی جملے نہیں؛ بلکہ معاصر شبہات کو سامنے رکھتے ہوئے جدید ذہنوں کے لیے مخلصانہ اپیل بھی ہے اور علمی نکات واشارات بھی، اس طرح ان خطبات میں ہم سب کے مخدوم ومحترم، منفرد عالم دین حضرت مفتی عبداللہ صاحب مظاہری رحمۃ اللہ علیہ کے اسلوب وآہنگ کی بھی دھمک محسوس کی جاسکتی ہے۔

میں اس قیمتی مجموعے کی اشاعت پر حضرت صاحبِ خطبات جناب مولانا آصف صاحب حفظہ اللہ کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ رب العزت مولانا کی اس کاوِش اور جملہ علمی، دینی، دعوتی اور اصلاحی خدمات کو شرفِ قبول عطا فرمائیں اور مزید کی توفیق اَرزانی کریں۔ آمین۔

اشرف عباس قاسمی
خادم تدریس
دارالعلوم دیوبند

تقریظ وقیع

از

جناب حضرت مفتی ابراہیم صاحب گجیا دامت برکاتہم

(مہتمم وناظم مدرسہ دارالاحسان بارڈولی)

باسمہ تعالیٰ

محترم ومکرّم مولانا آصف صاحب بمبوی زید مجدہ السامی کے ''خطباتِ آسان دین'' کے متعلق ہمارے دو بزرگ حضرت مولانا قاری رشید احمد صاحب اجمیری (شیخ الحدیث دارالعلوم اشرفیہ راندیر) اور حضرت مولانا احمد صاحب ٹنکاروی (اُستاذِ حدیث دارالعلوم فلاحِ دارین ترکیسر) دامت برکاتہما کے تاثرات اور خطبات کے مضامین کو جستہ جستہ مقامات سے پڑھا، مضامین کو بہت مفید پایا۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ.

اللہ تعالیٰ سے دست بہ دُعا ہوں کہ حضرت مولانا کے خطبات کا یہ سلسلہ بہت ہی مفید ثابت ہو، پورا عالم اس سے مستفید ہو۔ اور یہ سلسلہ مولانا موصوف کے حق میں الباقیات الصالحات ثابت ہو۔ ایں دُعا از من واز جملہ جہاں آمین باش۔

احقر ابراہیم گجیا

خادم دارالاحسان بارڈولی

تقریظ عالی

از

حضرت مولانا محمد نذیر خانپوری صاحب دامت برکاتہم

(مہتمم دار العلوم فلاحِ دارین، ترکیسر)

بِاسمِه تعَالیٰ

اَلحَمْدُ لِأَهْلِه، وَالصَّلوٰةُ عَلیٰ أَهْلِهَا.

ہمارے کرم گستر، علم دوست رفیق گرامی مولانا مفتی آصف صاحب بمبئی زیدت معالیہ سے عاجز کو تقریباً ۲۲ سال سے شناسائی ہے، مفتی صاحب موصوف ٹھوس علمی استعداد کے ساتھ ساتھ شُستہ و رَفتہ زبان کے مالک ہیں اور تقریر و خطابت میں بھی پاکیزہ ذوق رکھتے ہیں، نیز ان کی تقاریر تقریر کے مطلوبہ اُمور و مواد سے پیراستہ ہوتی ہیں۔

پیش نظر کتاب مفتی صاحب زید مجدہٗ کے خطبات و تقاریر کا مجموعہ ہے، جس کو ماشاء اللہ تعالیٰ اکابر علمائے کرام کی نظر تحسین حاصل ہے، ان اکابر علما کی تقاریظ و توصیفی کلمات کے ساتھ حقیر کے یہ کلمات ''مخمل میں ٹاٹ کا پیوند'' کے مرادف ہیں۔

اللہ رب العزت اس مجموعے کو اپنی بارگاہ میں قبولیت کے زیور سے آراستہ فرما کر اُمت کو خوب فائدہ پہنچائیں اور مفتی صاحب کی عمر میں بعافیتِ تمام برکت عطا فرمائیں۔ آمین۔ وَصَلَّی اللّٰهُ عَلیٰ النَّبِيِّ الْكَرِيمِ.

فقط والسلام

ہیچ مداں و دُعاجو

محمد نذیر فلاحی خانپوری غفرلہٗ

خادم دار العلوم فلاحِ دارین، ترکیسر

۲۴/ جمادی الاولیٰ/ ۱۴۴۳ھ

مطابق: ۲۹/ دسمبر/ ۲۰۲۱ء

صدائے دلنواز

از

رفیق محترم وصدیق مکرم حضرت مولانا عبدالرب واپی صاحب دامت برکاتہم
(اُستاذِ حدیث مدرسہ نورالاسلام دَمن)

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِوَلِيِّهِ، وَالصَّلٰوةُ عَلٰى نَبِيِّه، وَعَلٰى آلِه وَأَصْحَابِه الْمُتَأَدِّبِيْنَ بِآدَابِه. أَمَّا بَعْدُ.

اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک مسلسل انبیا ورُسل کو مبعوث فرمایا، ختم نبوت کے بعد یہ ذمے داری اُمت محمدیہ کے کندھوں پر ڈالی گئی، چنانچہ ارشادِ ربّانی ہے:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللهِ ط﴾ (البقرة : ۱۱۰)

چنانچہ ہر دور اور ہر علاقے میں علما و مصلحین تعلیم و تدریس، دعوت و تبلیغ، تصنیف و تالیف اور تقریر وخطابت کے ذریعے یہ خدمت انجام دیتے چلے آئے ہیں۔

ہمارے رفیق محترم حضرت مولانا آصف صاحب بمبوی زید مجدہم بھی اُن خوش قسمت افراد میں سے ایک ہیں، آپ ایک طرف دارالعلوم اشرفیہ راندیر کی مسند تدریس پر فائز ہیں تو دوسری طرف اپنے وعظ وخطابت سے اُمت کے ایک طبقے کو سیراب کر رہے ہیں، تیسری طرف سوشیل میڈیا (جس کی اَہمیت اب کسی سے مخفی نہیں رہی) پر ''آسان

دین'' چینل کے ذریعے مثالی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

رفیق محترم دورِ طالب علمی سے تقریر و خطابت میں نمایاں رہے ہیں، مادرِ علمی جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ کی محبوب اُردو اَنجمن ''مظہر البیان'' میں اولاً تقریریں رَٹ رَٹ کر اور درجاتِ علیا میں تقریر مختلف کتابوں سے تیار کر کے سالانہ مسابقات میں نمایاں پوزیشن حاصل کرتے رہے، پھر فراغت کے بعد ایک مدت تک اَنجمن ہٰذا کی ذمے داری بھی بصد شوق ورغبت پوری فرماتے رہے، اسی دوران اساتذہ کی بھی بے پناہ شفقت حاصل رہی، جمعہ سے پہلے اور مبارک راتوں میں بیانات کے لیے بھیجے جاتے اور رمضان المبارک میں بھی ہر سال کہیں نہ کہیں درسِ قرآن کا سلسلہ جاری رہا۔

پھر جب آپ بتدریج دار العلوم اشرفیہ راندیر خدمت دین کے لیے منتقل ہوئے اور وہاں منبر و محراب کی خدمت سپرد ہوئی تو آپ کے تقریری جوہر بہت زیادہ نکھر کر سامنے آئے اور تا حال دریائے فیض جاری وساری ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں شیریں بیانی، پرکشش طرزِ بیان، ترتیب مضامین اور ہر مضمون کو عام فہم اور بڑے خوبصورت انداز میں پیش کرنے کا غیر معمولی سلیقہ عطا فرمایا ہے، ان کا ہر خطاب بڑا عالمانہ، شگفتہ، شائستہ، برمحل اور جاندار و شاندار ہوتا ہے، بولتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ کے موتی رولتے ہیں، اُن کی دل نشیں و دِل آویز تقریریں سننے کے لیے سب لوگ گوش بر آواز ہوتے ہیں اور آپ کی شیریں بیانیوں کے ذائقے سے کام و دہن مدتِ مدیدہ تک لطف اُٹھاتے رہتے ہیں۔

ضرورت تھی کہ ان قیمتی جواہر پاروں کو طبع کرایا جائے، تاکہ دور دراز تک بھی ان کو پہنچایا جاسکے۔

الحمدللہ! اس وقت پندرہ تقریروں کا ایک مجموعہ تیار ہوگیا ہے، جو مختلف اوقات میں متنوع موضوعات پر کی گئی ہیں اور اہلِ علم نے ان کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے، جیسا کہ اکابر علما کی تقریظات سے ظاہر ہے۔

بندہ چوں کہ آج کل اسباق کی تکمیل میں مشغول ہے اس لیے تادمِ تحریر ان خطبات کے مکمل مطالعے سے بہرہ ور نہیں ہو پایا، تاہم عناوین سے ان خطبات کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

ظاہر ہے کہ زیرِنظر مجموعہ آپ کی کل تقاریر کا مجموعہ نہیں، بلکہ تقاریر کے دفاتر کی طرف ایک قدم ہے، ابھی تو سینکڑوں بیانات تسجیل سے صفحاتِ قرطاس پر آنے کے منتظر ہیں، توقع ہے کہ تقاریر کو کتابی شکل میں شائع کرنے کا یہ سفر بلاتوقف اور بلاتکان جاری رہے گا۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ وَهُوَ الْمُسْتَعَانُ.

راقم آثم رفیقِ محترم کو اس مجموعے کی اشاعت پر دلی مبارک باد پیش کرتا ہے اور کتاب کی مقبولیت کے لیے دُعا گو ہے اور دُعا کا خود بھی محتاج ہے۔

موصوفِ محترم -بَارَكَ اللّٰهُ فِيْ عِلْمِه وَعَمَلِه- نے اس ناکارہ سے تعلق ومحبت کی بنا پر کئی مرتبہ حکم فرمایا کہ تو ان خطبات پر کچھ لکھ دے، ان کے حکم کی تعمیل میں بہ عجلت یہ چند بے ترتیب سطریں قلمبند کر دی ہیں، تاکہ اُنگلی کٹا کر شہیدوں میں شمار ہو جاؤں۔

اللہ تعالیٰ ان خطبات کو بے حد قبولیت سے نوازیں اور موصوف، ناشرین و معاونین کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائیں۔ آمین۔

والسلام

عبدالرب واپی کان اللہ لہٗ

۱۹؍ جمادی الاولیٰ؍ ۱۴۴۳ھ

مطابق: ۲۴؍ دسمبر؍ ۲۰۲۱ء

عرضِ مؤلف

بِاسمِهِ الفَتَّاحِ

سید المرسلین، خیر الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خیر اُمت کی ایک اہم ذمے داری اور امتیازی صفت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، جس کا آسان اور مؤثر ذریعہ وعظ وخطابت ہے، جس سے اسلام کی نشر واشاعت کی عظیم خدمت انجام دی جاسکتی ہے۔ ﴿وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (الذّٰریٰت : ۵۵) اس کی افادیت پر واضح دلیل ہے۔

اس عظیم سعادت کے موقع پر عاجز اپنے جملہ محسنین کا ممنون وشکر گزار ہے، جملہ اہل خانہ، بطورِ خاص ایک مشفق باپ سے بھی زیادہ مہربان، برادرِ گرامی قدر عارف بھائی کا، جنھوں نے بچپن ہی سے تربیت کی فکر فرمائی اور علمِ دین کے حصول اور مدرسے سے وابستگی میں اہم رول نبھایا، عظیم تعاون فرمایا، نیز جملہ اساتذۂ کرام کا احسان مند ہے، خصوصاً مشفق وکرم فرما، جامع المعقول والمنقول، بانی وسابق مہتمم وشیخ الحدیث جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ حضرت الاستاذ مفتی عبداللہ صاحب مظاہری (نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَه وَبَرَّدَ مَضْجَعَه) کا جنھوں نے عاجز کی میدانِ خطابت میں بہتر تربیت فرمائی، زمانۂ طالب علمی کے فارسی دوم ہی کے سال حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ نے عوام میں درسِ قرآن اور وعظ وخطابت کے لیے بھیج دیا تھا، نیز حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہی کے برادرِ مکرّم حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بھی کافی توجہات وعنایات حاصل رہیں۔

فراغت کے بعد حضرت مفتی عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رفیع الشان، عظیم المرتبت جامعہ میں خدمت تدریس کا موقع عنایت فرمایا، مزید ذرّہ نوازی وکرم گُستری کرتے ہوئے ''انجمن مظہر البیان'' کی نگرانی بھی عاجز کے سپرد فرمائی، جو بحمد اللہ چھ سال تک

رہی۔ نیز جمعہ اور رمضان میں اس حوالے سے مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ وعظ اور درسِ قرآن وغیرہ کی بہترین ترتیب فرماتے۔

خدا اُن کی لحد پر رحمت افشانی کرے
سبزۂ نورُستہ ان کی نگہبانی کرے

اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اعلیٰ علیین میں جگہ نصیب فرمائیں اور آپ کے لگائے ہوئے گلشن ''جامعہ مظہر سعادت'' کو ترقیات کے بامِ عروج پر پہنچائیں، فیوض کو چہار دانگ عالم میں پھیلائیں۔ آمین۔

پچھلے تقریباً دس سالوں سے یہ عاجز گجرات کے قدیم ترین، معروف ترین ادارے ''دارالعلوم اشرفیہ راندیر'' میں خادم التدریس ہے، اس دوران جمعہ اور مختلف مواقع پر حسب ضرورت اور بمقتضائے موقع مختلف عناوین ومضامین پر سامعین اور مصلیان کے سامنے کچھ معروضات گوش گزار کرنے کی سعادت نصیب ہوتی رہی۔

اسی اَثنا میں ایک اور عمل قیام میں آیا، جس کی تفصیل یہ ہے کہ سوشیل میڈیا عصر حاضر کا اہم ذریعۂ ابلاغ ہے، جس کی اِفادیت کا انکار مشکل ہے۔ اور سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہمیں ایسے اشارے ملتے ہیں کہ تبلیغ دین اور دعوتِ حق کے لیے وقت کے ذریعے اور وسیلے کو اختیار کرنا چاہیے، داعیٔ عظیم، امام المبلّغین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "قُوْلُوْا لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ، تُفْلِحُوْا." کا پیغام بیت اللہ جیسی مقدّس ومتبرّک جگہ سے دینے کے بجائے کوہِ صفا کا انتخاب فرمایا، کیا وجہ ہے؟ یہی کہ اس دور کا میڈیا کوہِ صفا کا مقام تھا۔

اس ضرورت کے پیش نظر، نیز اپنے خطبات کو تام الضبط کرنے اور آئندہ بھی اس سے مستفید ہونے کے لیے اور دیگر مقاصدِ حسنہ کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے ''آسان دین''

کے نام سے یوٹیوب چینل شروع کیا، زیرِ نظر مجموعے کے تمام ہی خطابات و بیانات اس چینل پر موجود ہیں۔

سببِ تالیف:

بعض کتب کی وجہ تالیف میں بارہا یہ بات پڑھنے کو ملتی رہی کہ ''اُدھر سے اصرار ہوتا رہا، اِدھر سے انکار ہوتا رہا، بالآخر اُن کا اِصرار میرے اِنکار پر غالب آ گیا، فَشَرَعْتُ، لہٰذا میں نے یہ کام شروع کیا۔''

یہ جملے پڑھ کر لطف بھی آتا تھا، بہرحال بہت سے محبین و متعلقین جو اپنی اپنی مسجدوں میں جمعے کے موقع پر وعظ فرماتے ہیں وہ یوٹیوب سے سن کر آگے پہنچاتے تھے، جس میں کافی وقت صرف ہو جاتا ہے، اُن کا شدید اِصرار تھا کہ یہ خطبات ضبطِ تحریر میں آ جائیں۔

لیکن دوسری طرف اپنی نااہلی و کم علمی کا مکمل احساس اور اس میدان میں اپنے اکابر کی ڈھیر ساری کتب - جو استفادے کے لیے کافی ہیں - اس جانب قدم بڑھانے سے مانع رہے۔

اسی کشمکش میں ایک طویل عرصہ نکل گیا، بہرکیف ہمت کر کے توکلاً علی اللہ یہ سلسلہ شروع کیا اور احباب کے لیے کتاب وسنت کی روشنی میں ایک دستاویز پیش کرنے کی حقیر سی کوشش کی ہے، اس تصوّر کے ساتھ کہ (''انگلی کٹا کر شہیدوں میں نام لکھانا'' اب یہ محاورہ عام ہو گیا، ناچیز کی حالت کے پیشِ نگاہ اس میں کچھ ترمیم وتبدیلی کی ضرورت ہے کہ) ''ناخن کٹا کر شہیدوں میں نام آ جائے۔''

جس طرح عام طور پر گھروں میں روزانہ یہ سوال ہوتا ہے کہ ''آج کیا پکایا جائے؟'' اسی طرح ہر واعظ وخطیب کا ہر جمعے کو اپنے دِل سے یہ سوال ہوتا ہے کہ ''آج کیا

بیان کیا جائے؟'' پھر اس سوال کے جواب کے لیے ایک باذوق خطیب بیسیوں کتابوں کی وَرق گردانی کر کے مطلوبہ اور طے کردہ عنوان پر کسی قدر مواد پاتا ہے۔ ''آج کیا بیان کیا جائے؟'' کے جواب کے طور پر یہ حقیر سا تحفہ پیش خدمت ہے، اس دُعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ عملی اور علمی ترقیات کا ذریعہ بنائیں۔ آمین۔

گر قبول اُفتد زہے عزّ و شرف!

وجہِ تسمیہ:

اپنے یوٹیوب چینل ''آسان دین'' کی طرف نسبت کرتے ہوئے اس کتاب کو اس نام سے موسوم کیا ہے، نیز ہر تقریر کے سرورق پر ایک کیوآر کوڈ (QR Code) ہے، جس کے ذریعہ ''آسان دین'' چینل پر اس خطاب کو خطابی شکل میں بھی سنا جاسکتا ہے۔

خطاب بشکل کتاب:

امام الطائفہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی اصولِ تفسیر میں سب سے عمدہ اور مختصر کتاب "الفوز الکبیر في أصول التفسیر" کے درس میں قرآنِ کریم کا اُسلوب کتابی ہے یا خطابی؟ اس ذیل میں یہ بحث کی گئی کہ کتاب وخطاب کی کل چار شکلیں ہیں: (۱) کتاب بشکل کتاب (۲) خطاب بشکل خطاب (۳) کتاب بشکل خطاب، جیسے رسائل وجرائد، جن میں اسلوبِ کتابی غالب ہوتا ہے، اب اگر کوئی واعظ اس کو خطابی رنگ دے دے تو یہ کتاب بشکل خطاب ہے۔ (۴) خطاب بشکل کتاب۔ ﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ سے قرآنِ کریم کا کتاب ہونا معلوم ہوتا ہے، جب کہ ﴿يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ﴾ اور ﴿يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ قرآن کے خطاب ہونے کی جانب مشیر ہیں، معلوم ہوا کہ

اس خطابِ ربّانی کوبشکل کتاب نازل فرمایا گیا ہے۔یہی حال کتبِ خطبات ومواعظ کا ہے۔

وعظ اور خطاب میں فرق:

بہت ساری کتبِ خطبات میں ایک عنوان ہوتا ہے اور ضمناً بہت ساری باتیں "الشَّيْءُ بِالشَّيْءِ يُذْكَرُ" کے طور پر آجاتی ہیں تو جمعے کے خطبات کے لیے ایسی کتب سے استفادہ دُشوار ہوجاتا ہے، پچاس صفحے کے وعظ میں مقررہ عنوان پر بمشکل دس صفحات کا مضمون ہوتا ہے۔تو یہ وعظ ہوتا ہے جس میں موقع کی ضرورت اور مخاطبین کی حالت کو پیش نظر رکھتے ہوئے چند مخلوط عناوین اور متفرق اور منتشر اصلاحی باتیں بیان کی جاتی ہیں۔

اور خطاب وہ ہے جو از ابتدا تا انتہا ایک مضمون پر مشتمل پُر مغز مواد ہو، جس میں تحت العنوان گفتگو کی جائے۔ان خطبات میں پوری کوشش کی گئی ہے کہ طے شدہ عنوان سے انحراف نہ ہو، تاکہ استفادہ سہل اور آسان ہو۔

خطیب کی مثال طبیب کی سی ہے، ایک ماہر طبیب میں تین خوبیاں ہوتی ہیں: (۱) ہمدردیٔ مریض (۲) تشخیص مرض (۳) تجویز دوا۔اسی طرح کامیاب خطیب میں بھی ان تین محاسن کا ہونا ضروری ہے:

(۱) ہمدردیٔ سامعین: محض مافی الضمیر کی ادائیگی پر اکتفا نہ ہو، بلکہ دردِ دل اور سوزِ دروں کے ساتھ طنز وطعن سے اجتناب کرتے ہوئے مشفقانہ و ہمدردانہ انداز میں بات پیش کی جائے۔

(۲) تشخیص مرض: کہ آج معاشرے میں کیا کیا خرابیاں پھیل رہی ہیں؟ موجودہ پرفتن ماحول میں مسلم معاشرے کو کن ہدایات کی ضرورت ہے؟ اور پھر ان کو واضح انداز میں دوٹوک بیان کیا جائے، صرف سامعین کی لذت ہی کا خیال دامن گیر نہ ہو کہ وہ کس عنوان سے

خوش ہوں گے؟ بلکہ یہ بات مدنظر رہے کہ اُمت کو کن باتوں کی ضرورت ہے؟

(۳) تجویز دوا: کہ اس معاشرتی بگاڑ کی چوطرفہ چھائی ہوئی ظلمتوں کا سدباب کیسے ہو؟ ان بیماریوں کا حل کیا ہے؟

مذکورہ تینوں ہدایات کو سامنے رکھ کر گفتگو کی جائے تو ان شاء اللہ خطاب میں اثر انگیزی اور کلام میں حلاوت و چاشنی پیدا ہوگی اور عمل کی راہیں طے ہوں گی۔

اہل اللہ اور بزرگانِ خدا رسیدہ سے استفادہ:

اس عاجز کو اپنے شیخ، محبوب العلما والصلحا، عارف باللہ حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی (أَدَامَ اللهُ فُيُوْضَهُمْ، اللہ تعالیٰ حضرت کے اور تمام اکابر علمائے حقہ کے سایۂ عاطفت کو ہم پر تادیر بعافیت قائم ودائم رکھے۔ آمین) کے ارشادات سے بہت ہی زیادہ فائدہ ہوا، خوشہ چینی کی توفیق عنایت ہوئی، عاجز کو حضرت کی صحبت بابرکت میں بیٹھ کر براہِ راست سگے کانوں سے آپ کے وعظِ پرتاثیر کو سننے کی سعادت کئی بار مُیسر آئی، جس سے بہت سے فوائد وثمرات کے ساتھ ساتھ وعظ و خطاب کو مرتب کرنے کا انداز اور بیاضِ یادداشت (نوٹس) بنانے کا اُسلوب ملا۔

ایک مرتبہ رئیس محترم مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی رحمۃ اللہ علیہ جنھوں نے ایک طویل عرصہ بیرونِ ملک (کینیڈا وغیرہ میں) گزارا تھا، ہمارے دِیار اور وہاں کا موازنہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہاں اگر کوئی نوٹس (Notes) دیکھ کر بیان کرے تو معیوب سمجھا جاتا ہے کہ اس مولانا کو آتا نہیں، اس لیے دیکھ کر بول رہے ہیں، اور بیرون میں حال یہ ہے کہ اگر نوٹس سامنے نہ ہوں تو معیوب ہے کہ یہ ہانک رہا ہے...... اپنی دے رہا ہے! وغیرہ۔

بہر حال حضرت جی دامت برکاتہم کے نوٹس بنانے کے انداز سے اس عاجز کو بہت

کچھ سیکھنے کو ملا۔

بندہ اُن تمام اساتذہ واکابر کے حق میں دُعا گو ہے جن سے استفادے کی سعادت مُیسر آئی۔ شیخ المشایخ حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خان پوری، شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، حضرت مفتی سلمان صاحب بجنوری، حضرت قاری رشید احمد صاحب اجمیری، حاجی شکیل صاحب بمبوی اور بے شمار اکابر دامت برکاتہم جن سے بندے نے خوشہ چینی کی سب کے لیے صمیم قلب سے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کے فیض کو جاری وساری رکھیں اور ہم سب کو علمائے حقہ کے نقش قدم پر جینے مرنے کی سعادت نصیب فرمائیں۔ آمین۔ ؎

الٰہی! رہے ہم پہ قائم سایہ ان ہی کا
جن کے فیض سے ملا علم دین متیں کا

قارئین سے گذارش:

ان خطبات میں جو کچھ مفید باتیں نظر آئیں ان میں اس عاجز کا کوئی حصہ نہیں ہے، وہ اکابر کے مواعظ کا عطر وخلاصہ اور مجموعہ ہے، اور اگر کہیں کمی، کوتاہی، غلطی ولغزش، قصور وخطا نظر آئے تو وہ اس عاجز کی طرف سے ہے، مخلصین محبین ضرور نشاندہی فرمائیں۔

تشکّر وامتنان:

اخیر میں بندہ ان تمام ہی حضرات کا بے حد ممنون اور شکر گزار ہے جنھوں نے عاجز کے ''خطباتِ آسان دین'' کے منصۂ شہود پر آنے میں کسی بھی قسم کا تعاون فرمایا، بطورِ خاص حضرات اساتذۂ کرام، اکابر عظام اور رُفقائے کرام کا جنھوں نے گراں قدر تقاریظ، حوصلہ اُفزا ارشادات اور دُعائیہ کلمات سے نوازا۔

اوران تمام ساتھیوں کا بھی جنھوں نےنقل کرنے ،ترتیب وتبویب اور تحقیق وتخریج میں تعاون فرمایا،جس کسی نے جس طرح بھی تعاون ودست یاری کی دامے،درمے، سخنے بندہ سب کا دِل کی اَتھاہ گہرائیوں سے شکرگزار ہے۔ جَزَاهُم اللهُ خَيْرًا وَأَحْسَنَ الجَزَاءِ.

قارئین باتمکین سے دُعا کی خصوصی درخواست ہے کہ ہمارے والدین، اساتذۂ کرام، اَکابرعظام، محسنین، مخلصین اور محبین جوحیات ہیں اللہ تعالیٰ عافیت کے ساتھ ان کی عمروں میں برکت نصیب فرمائیں اور جورَحلت فرما چکے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ اعلیٰ علیین میں جگہ نصیب فرمائیں اور بندۂ ناکارہ کوتادمِ حیات دینی خدمات سے وابستگی اور اخلاص کے ساتھ عملی زندگی نصیب فرماکر حسن خاتمہ سے مالامال فرمائیں۔

تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّأَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ.

کتبہ العبد

آصف بن اسماعیل مظاہری

۳؍جمادی الثانیہ؍ ۱۴۴۳ھ

مطابق: ۷؍جنوری؍ ۲۰۲۲ء

عرضِ مرتب

بِسْمِ اللّٰہِ وَالحَمدُ لِلّٰہِ، وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلیٰ رَسُوْلِ اللّٰہِ. أَمَّا بَعْدُ!

یہ صرف اور صرف اللہ عز وجل کی عنایت ونوازش ہے کہ اس نے اپنے اس بندے کو جو سراپا گندہ اور نااہل ہے مشفق ومحسن استاذِ محترم حضرت مولانا آصف صاحب مُدظلّہ العالی کے خطبات و بیانات کی ترتیب و تصحیح اور تحقیق وتخریج کی خدمت کا بیش بہا اور زرّیں موقع بلا استحقاق ولیاقت کے مرحمت فرمایا۔ فَلِلّٰہِ الحَمْدُ عَلیٰ ذٰلِكَ.

بندۂ ناچیز نے حضرت الاستاذ -مَتَّعَنَا اللّٰہُ بِطُوْلِ بَقَاءِہ- کے بیانات کا بالاستیعاب بغور مطالعہ کیا، بلا مبالغہ مضامین نہایت عمدہ، عناوین بامقصد، پُرکشش اور دلچسپ، باتیں نادر، علمی، تحقیقی، نپی تُلی اور بالکل مستند ہیں۔ آپ کا اُسلوب بڑا دلکش، جذبات کو اپیل کرنے والا، ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کا مصداق، ایسا جاذب اور عام فہم ہے کہ ہر طبقہ باوجود اپنے تفاوُتِ ذہنی کے برابر مستفید ہوتا ہے، مشکل سے مشکل علمی مسئلے کو نہایت واضح اور سلیس انداز میں اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ ہر کس وناکس اور ہر ادنیٰ واعلیٰ خوب سمجھ لیتا ہے۔ (حضرات اکابر کی گراں بہا تقاریظ، کلماتِ عالیہ اور ان کا اظہارِ پسندیدگی مندرجۂ بالا سطروں کی تائید کرتا ہے۔)

آپ کے اندازِ بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بتیس دانتوں کے بیچ کی زبان نہیں بلکہ اندر کا دل بول رہا ہے، اور ظاہر ہے کہ

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پَر نہیں، طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

لٰہذا یہ درد وسوز اور جذبِ درون کے ساتھ بیان ہونے والے بُلند احساسات اور پاکیزہ خیالات دلوں کو تڑپانے اور لہو کو گرمانے والے ہوتے ہیں، جس سے آنکھیں نَم ہو جاتی

ہیں، دل پسیج جاتے ہیں، مردہ قلوب کی مسیحائی ہوتی ہے، خلق کثیر کی زندگیوں میں مُثبت انقلاب برپا ہوتا ہے، اور عمل کی راہیں ہموار ہوتی ہیں۔

لفظ تاثیر سے بنتے ہیں، تلفظ سے نہیں
اہل دل آج بھی ہیں اہل زباں سے آگے

الغرض مضامین کی افادیت اور نافعیت کے پیش نظر ضرورت تھی اس بات کی کہ گونا گوں اوصاف سے متصف، دل دوز و جگر سوز خطبات کو مرتّب و منظّم انداز میں قلم بند کیا جائے، تقریر کو بقیدِ تحریر لایا جائے، تاکہ تشنگانِ علومِ شریعت اور ہم جیسے طلبہ استفادہ کرسکیں، بالخصوص خطبا و ائمۂ مساجد کو ایک ہی عنوان پر وافر مقدار میں آیاتِ قرآنیہ و احادیثِ نبویہ، اقوالِ سلف اور سبق آموز واقعات وغیرہ پر مشتمل معتبر اصلاحی مواد یکجا طور پر فراہم ہو۔ حضرت الاستاذ زید مجدہ نے محبین مخلصین کی درخواست والتماس کا احترام کرتے ہوئے اس کو منظور فرمایا اور اس عظیم سلسلے کا آغاز کیا، اور پھر بڑی جانفشانی اور عرق ریزی سے ہم خُردوں کا مکمل تعاون اور بھرپور رہبری فرمائی۔ فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ أَحْسَنَ الجَزَاءِ.

یہ مجموعہ واعظین اور مقررین کے لیے مختلف موضوعات پر مستند مضامین کا حسین گلدستہ ہے جس میں درجِ ذیل امور کی خاص رعایت کی گئی ہے:

(۱) قرآن وحدیث کے حقائق وحِکَم اور مستند اور مدلل باتیں ہی ذکر کی گئی ہیں۔

(۲) اسلاف واکابر کے ارشادات وملفوظات اور برموقع عبرت آمیز، پُراثر اور اصلاحی واقعات بیان کیے گئے ہیں۔

(۳) ذیلی عناوین کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔

(۴) جہاں حوالہ جات کی ضرورت تھی وہاں مستند و معتبر کتب کے حوالے ذکر کردیے ہیں، ان کتابوں کی فہرست آخر کتاب میں بعنوان ''مراجع ومصادر'' درج کردی گئی ہے۔

(۵) اردو کے قواعدِ اِملا کو بھی حتی الوسع ملحوظ رکھا گیا ہے۔

(۶) ہر تقریر کے سرِ ورق پر کیو آر کوڈ (QR Code) دیا گیا ہے جس کے

ذریعہ خطاب کو بشکلِ خطاب بھی یوٹیوب پر سنا جا سکتا ہے۔

علاوہ ازیں کئی خصوصیات ہیں جن کی رعایت زیر نظر کتاب میں کی گئی ہے۔ جس طرح عامیوں کے لیے علم وعمل کے اعتبار سے مفید ثابت ہوگی، امید ہے کہ اس سے کئی زیادہ فن خطابت کے شائقین و ماہرین کے لیے معین ومددگار ثابت ہوگی۔ ان شاء اللہ۔

راقمِ آثم بارگاہِ خداوندی میں دست بدعا ہے کہ وہ کریم کارساز ہم سب کو اس کتاب میں مذکور نصائح ومواعظ پر عمل کی توفیقِ سعید نصیب فرمائیں، اور اسے شرف قبولیت سے نوازیں، مفیدِ عام وخاص بنائیں، اور آئندہ مزید خدمات کی توفیق ارزانی کریں۔

بڑی ناسپاسی اور احسان فراموشی ہوگی اگر اس موقع پر حضرت مولانا رشید احمد صاحب آچھودی دامت برکاتہم (استاذ جامعہ قاسمیہ عربیہ کھروڈ گجرات) کا ذکر نہ کیا جائے جنھوں نے کمپیوٹر کتابت اور تزیین وآرائش میں بہت توجہ اور جاں فشانی کے ساتھ اپنی بہترین صلاحیت کا مظاہرہ کیا، باری تعالیٰ ان کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائیں، دارین میں بہترین بدلہ نصیب فرمائیں۔

صاحبِ بیانات -أَطَالَ اللهُ بَقَائَه- کو، نیز کتاب کو منظر عام پر لانے میں کسی بھی قسم کا تعاون کرنے والوں کو اجرِ عظیم اور ثوابِ جمیل عطا فرمائیں، اس کتاب کو صدقۂ جاریہ اور ذریعۂ نجات بنائیں۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

احقر

محمد لقمان راندیری غفرلہٗ

متعلّم دار العلوم اشرفیہ راندیر

۶/جمادی الثانیہ/۱۴۴۳ھ

مطابق: ۱۰/جنوری/۲۰۲۲ء

بروز دوشنبہ

معراج کا تحفہ: نماز

روزِ محشر کہ جاں گداز بود
اوّلین پرسش نماز بود

BAYAN QR CODE

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، أَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ الْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِيْدِ، أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝١ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝٢﴾ (المؤمنون: ١، ٢)

وَقَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى:

﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ط﴾ (العنكبوت: ٤٥)

وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى:

﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۝١٤﴾ (طٰهٰ: ١٤)

وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِيْ الصَّلٰوةِ."(١)

وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ الصَّلٰوةُ، وَمِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الْوُضُوْءُ."(٢)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ، وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

سجدۂ عشق ہو تو عبادت میں مزہ آتا ہے
خالی سجدوں میں تو دُنیا ہی بسا کرتی ہے

(١) سنن النسائي/ كتاب عشرة النساء/ باب حب النساء/ رقم الحديث: ٣٩٤٠، مسند أحمد/ مسند أنس بن مالك/ رقم الحديث: ١٤٠٣٧.

(٢) رواه الترمذي/ أبواب الطهارة عن رسول الله ﷺ/ باب ما جاء أن مفتاح الصلوة الطهور/ رقم الحديث : ٤/ مسند أحمد/ مسند جابر بن عبدالله/ رقم الحديث : ١٤٦٦٢.

لوگ کہتے ہیں کہ بس فرض ادا کرنا ہے
ایسا لگتا ہے کوئی قرض لیا ہو رَب سے

تیرے سجدے کہیں تجھے کافر نہ کر دیں اے اقبال!
تو جھکتا کہیں اور ہے، سوچتا کہیں اور

وہ سجدہ روحِ زمین جس سے کانپ جاتی تھی
اُسی کو ترستے ہیں آج منبر و محراب

داغِ سجود تیری جبیں پر ہوا تو کیا
کوئی ایسا سجدہ بھی کر کہ زمین پر نشاں رہ جائے

تمہید:

واجب الاحترام بزرگو، دوستو اور عزیزو! آج کی اس مبارک مجلس میں نماز کے متعلق کچھ باتیں عرض کرنے کا ارادہ ہے، دُعا فرما دیجیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اِخلاص کے ساتھ ناچیز کو حق بات کہنے کی توفیق عطا فرمائیں اور اللہ تعالیٰ عمل کی نیت سے ہم سب کو کہنے اور سننے کی توفیق عطا فرمائیں۔

اسلام کی بنیاد اور اس کا (Foundation) فاؤنڈیشن پانچ چیزوں پر ہے، اسلام میں سب سے پہلے توحید کی طرف توجہ دلائی گئی، توحید کے بعد نماز کا ذکر ہے۔

نماز کے لغوی معنیٰ اور اُس کی وجہِ تسمیہ:

نماز کو عربی زبان میں "الصَّلٰوۃ" کہا جاتا ہے، صلوٰۃ کے لغوی معنی اور ڈکشنری مینِنگ (Dictionary Meaning) دُعا کے آتے ہیں، نماز کو عربی زبان میں صلوٰۃ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ جب نمازی نماز پڑھتا ہے تو اس کے بدن کے تمام اَعضا اللہ تعالیٰ

کے سامنے زبان بن کر مانگتے ہیں، دُعا کرتے ہیں، نمازی بندے کا پورا جسم اللہ تعالیٰ کے سامنے سراپا دُعا بن جاتا ہے، اس لیے عربی زبان میں نماز کو صلوٰۃ کہا جاتا ہے۔

نماز کی نرالی شان:

اللہ رب العزت نے نبیٔ کریم ﷺ کو اور آپ کے واسطے سے اُمت کو جتنے احکامات دیے ہیں وہ تمام ایک طرف اور نماز ایک طرف، فرق یہ ہے کہ تمام احکام فرشی ہیں، اور نماز عرشی ہے، یعنی تمام عبادتیں اللہ رب العزت نے زمین پر عطا فرمائیں، لیکن جب اس اُمت پر نماز فرض ہوئی تو نبیٔ کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر معراج کے لیے بلایا۔

دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ جب کوئی معاملہ بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہوتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ دیکھو بھائی! فون پر بات نہیں کرسکتے، معاملہ ذرا نازک ہے، رقم بڑی ہے، معاملہ بہت سنگین ہے، اس اہمیت کے پیش نظر (Hand To Hand) اور (Face To Face) معاملہ ہوگا، اسی طرح نماز کی اہمیت کے پیش نظر اللہ رب العزت نے نماز نبیٔ کریم ﷺ کو معراج کے لیے آسمانوں پر بلا کر عطا فرمائی۔

نماز تمام شریعتوں میں رہی ہے:

قرآن مجید کے مطالعے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جتنی شریعتیں آئیں، تمام میں نماز رہی ہے، چنانچہ قرآن مجید میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ﴾ (آل عمران: ٣٩)

حضرت زکریا علیہ السلام محراب میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ اسی طرح قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرماتے ہیں: ﴿أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ﴾ میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے اُن کو یہ طعنہ دیا:

﴿یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُکَ تَاْمُرُکَ اَنْ نَّتْرُکَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ﴾ (هود :۸۷)

''اے شعیب! کیا تمھاری نماز تمھیں یہ حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے آبا و اَجداد کے معبودوں کو چھوڑ دیں۔''

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے گھر والوں کو بے آب و گیاہ جنگل میں چھوڑ کر چلے گئے تھے اور وہ تنہا ہو گئے تھے، اس کی وجہ بتائی کہ ﴿رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ﴾ نماز قائم کرنے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ عمل فرمایا۔

اسی طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا:

﴿کَانَ یَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ﴾ (مریم: ۵۵)

''حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم فرماتے تھے۔''

اسی طرح قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ بیان ہوا ہے کہ جب آپ کو بچپن میں قوتِ گویائی ملی تو آپ نے فرمایا:

﴿اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ﴾ (مریم: ۳۱)

''مجھے نماز اور زکوٰۃ کی وصیت کی گئی۔''

اِن تمام آیات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ تمام شریعتوں میں نماز کی عبادت رہی ہے، یہ ہو سکتا ہے کہ نماز کی تفصیلات (Details) اور طریقہ الگ ہو، لیکن بہر حال تمام شریعتوں میں نماز کی عبادت رہی ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب احکامات کا سلسلہ شروع ہوا تو ابتدائے نزولِ قرآن کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ ۝﴾ (المدثر: ۲، ۳)

''اے نبی! کھڑے ہو جائیے، لوگوں کو ڈرائیے اور اپنے رب کی کبریائی بیان

کیجیے۔'' ایمان تو آچکا ہے، کلمہ تو پڑھ چکے ہیں، لا الٰہ محمد رسول اللہ کا اعتراف تو کر چکے ہیں، اب ضرورت ہے رَب کی کبریائی بیان کرنے کی کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طاقت بہت بڑی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی کبریائی کیسے بیان کی جاتی ہے؟

ایک چار رکعات والی نماز میں ہم بائیس (۲۲) مرتبہ ''اللہ اکبر'' کہتے ہیں، مؤذن صاحب جب اَذان دیتے ہیں اور اِقامت کہی جاتی ہے تو ایک اَذان اور ایک اِقامت میں چھ مرتبہ ''اللہ اکبر'' کہا جاتا ہے، یہ مشق اس بات کی کرائی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور اس کی بڑائی ہمارے دِل و دِماغ میں بیٹھ جائے۔

نماز کی اَہمیت:

جب کسی ولی کا انتقال کا وقت قریب ہوتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ میں اپنے ماتحتوں کو ایسی اہم باتیں بتا کر جاؤں جو اُن کی زندگی میں اُن کی کامیابی میں کلیدی رول ادا کر سکے، چنانچہ نماز کی اَہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ جب دنیا سے تشریف لے جا رہے تھے تو آپ نے اپنی اُمت کو آخری تعلیم بھی اسی بات کی فرمائی:

" الصَّلٰوۃُ وَمَا مَلَکَتْ أَيْمَانُكُمْ."(۱)

نمازوں کا اہتمام کرو اور اپنے ماتحتوں کا خیال رکھو، ان پر ظلم نہ کرو۔ محدثین فرماتے ہیں کہ اس میں اشارہ ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ ان دو باتوں کی تاکید فرما کر اس بات کی طرف توجہ دِلانا چاہ رہے ہیں کہ ''الصلوٰۃ'' یعنی حقوق اللہ کی ادائیگی کا بھی اہتمام کرو اور "وَمَا مَلَکَتْ أَيْمَانُكُمْ" یعنی حقوق العباد کی ادائیگی کا بھی اہتمام کرو۔ یہ دو چیزیں

(۱) سنن ابن ماجہ/ کتاب الوصایا/ رقم الحدیث : ٢٦٩٨.

مثال اور (Example) کے لیے ذکر فرمائیں۔

مرض الوفاۃ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل:

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مرض الوفاۃ میں تھے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ کے حکم کی تعمیل میں اِمامت کے لیے آگے بڑھ رہے تھے تب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے حجرے کا پردہ اُٹھا کر اپنے تربیت یافتہ گروہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا حال دیکھنا چاہا، جب پردہ اُٹھایا تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا بیان ہے کہ ہمیں نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ انور دیکھ کر جو خوشی ہوئی اِتنی پہلے کبھی نہیں ہوئی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اشارہ فرمایا کہ اِمامت کے لیے آگے بڑھیں اور آپ نے پردہ ڈال دیا، اُس کے بعد ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وفات تک نہیں دیکھ سکے۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس اُمت کو سجدے کی حالت میں چھوڑ کر گئے اور آج اُمت کس حالت سے گزر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نمازوں کا اہتمام نصیب فرمائیں۔ آخری حالت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نماز کے لیے اِمامت کا حکم فرمایا، اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اُمت کو نماز کی کس قدر تاکید فرمائی ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: لَمْ يَخْرُجِ النَّبِيُّ ﷺ ثَلَاثًا، فَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ، فَذَهَبَ أَبُو بَكْرٍ يَتَقَدَّمُ، فَقَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ بِالْحِجَابِ، فَرَفَعَه، فَلَمَّا وَضَحَ وَجْهُ النَّبِيِّ ﷺ مَا نَظَرْنَا مَنْظَرًا كَانَ أَعْجَبَ إِلَيْنَا مِنْ وَجْهِ النَّبِيِّ ﷺ حِينَ وَضَحَ لَنَا، فَأَوْمَأَ النَّبِيُّ ﷺ بِيَدِه إِلىٰ أَبِي بَكْرٍ أَنْ يَتَقَدَّمَ، وَأَرْخَى النَّبِيُّ ﷺ الْحِجَابَ فَلَمْ يُقْدَرْ عَلَيْهِ حَتّٰى مَاتَ."(۱)

(۱) رواه البخاري / كتاب الأذان / باب: أهل العلم والفضل أحق بالإمامة / رقم الحديث : ٦٨١.

نماز ہر حالت میں فرض ہے:

نیز نماز ہر حالت میں فرض ہے، زکوٰۃ کے لیے شرط ہے کہ بندہ صاحب نصاب ہو، حج کے لیے شرط ہے کہ بندہ صاحب استطاعت ہو، حالت سفر یا مرض میں روزہ نہ رکھنے کی گنجائش ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ﴾ (البقرة: ١٨٤)

لیکن نماز کسی بھی حال میں معاف نہیں، کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتے تو بیٹھ کر پڑھیں، بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتے تو لیٹ کر پڑھیں، لیٹ کر بھی نہیں پڑھ سکتے تو اشارے سے پڑھیں، لیکن نماز کسی بھی حالت میں معاف نہیں۔

نماز اس اُمت پر آسان کر دی گئی:

اگلی اُمتوں پر بھی عبادتیں فرض تھیں، اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب میں بھی عبادتیں ہیں، لیکن ان کو عبادت کے لیے اپنے معبد میں، اپنی عبادت گاہ میں جانا ضروری ہے، مثلاً مندر میں، گرجا میں اور جہاں کہیں اُن کی عبادت گاہیں ہوتی ہیں، جب تک وہ وہاں جا کر عبادت نہیں کریں گے اُن کی عبادت کا کوئی اعتبار نہیں، لیکن قربان جایئے دین اسلام کے طریقۂ عبادت پر، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے پانچ خصوصیات اللہ تعالیٰ کی جانب سے دی گئی ہیں ان میں سے ایک ہے:

" جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُوْرًا."(١)

(١) رواه البخاري/ كتاب التيمم/ رقم الحديث : ٣٣٨.

"پوری روئے زمین کو اللہ تعالیٰ نے میرے لیے سجدہ اور تیمّم کی جگہ بنادیا۔" اُردو کی تعبیر میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ "اِس سرِ نیاز کو اُس سراپا ناز کے سامنے بندہ جس جگہ خم کر دے وہی جگہ بندے کی مسجد ہے۔" کسی متعین جگہ کی ضرورت نہیں۔

نماز کی اَہمیت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی زبانی:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اپنے گورنروں، وزیروں اور ماتحتوں کو جو پیغام لکھا تھا اس میں سب سے پہلا قانون یہی لکھا تھا:

" إِنَّ أَهَمَّ أَمْرِكُمْ عِنْدِيْ الصَّلٰوةُ، فَمَنْ حَفِظَهَا وَحَافَظَ عَلَيْهَا حَفِظَ دِيْنَهٗ، وَمَنْ ضَيَّعَهَا فَهُوَ لِمَا سِوَاهَا أَضْيَعُ."(۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (تم گورنروں کے بہت سے کام ہیں، لیکن) میرے نزدیک سب سے اہم کام نمازوں کا اہتمام ہے، جو نماز کی پابندی اور حفاظت کرے گا تو گویا اُس نے پورے دین کی حفاظت کرلی، اور جس نے نماز کو ضائع کردیا وہ دین کے دیگر شعبوں کو بہت آسانی سے ضائع کردے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فرمان سے معلوم ہوا کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے یہ مقام دیا ہو، بالادستی عطا فرمائی ہو کہ اُن کے زیرِ نگرانی لوگ کام کرتے ہوں، تو اُن ماتحتوں کی نماز کی فکر اور اہتمام بھی اسی کے ذمے ہے۔ اسی وجہ سے کسی شاعر نے کہا ہے:

روزِ محشر کہ جاں گداز بود اوّلین پرسش نماز بود

قیامت کا دِن انسانوں کو دہشت میں ڈال دینے والا اور جان پگھلا دینے والا ہوگا، اُس دِن جس چیز کی سب سے پہلے پوچھ ہوگی وہ نماز ہے۔

(۱) المؤطا للإمام مالك / رقم الحديث : ٦.

نماز ایک جامع ترین عبادت ہے:

نماز میں روزے کا پہلو بھی آجاتا ہے، روزے کی حالت میں جن تین چیزوں سے بچنا ضروری ہے بندہ نماز میں اُن سے بچتا ہے۔ اسی طرح نماز میں زکوٰۃ کا بھی کچھ پہلو ہے، زکوٰۃ میں مال دینا پڑتا ہے، چوں کہ نماز کے دوران کاروبار اِتنی دیر کے لیے رُک گیا تو گویا اتنا مال نماز کے لیے قربان ہوا، کپڑے پاک ہونے ضروری ہیں، اسی طرح نماز کے لیے ضروری دیگر اُمور کے لیے بھی مال خرچ ہوتا ہے، بایں طور نماز میں زکوٰۃ کا پہلو بھی شامل ہے۔ اسی طرح اس میں حج کا پہلو بھی ہے کہ حج میں اللہ تعالیٰ کا عشق اور محبت حاصل ہوتی ہے تو نماز میں بھی یہ پہلو شامل ہے۔ اسی لیے اہل اللہ فرماتے ہیں کہ نماز جامع ترین عبادت ہے، تمام عبادتوں کا خلاصہ نماز میں پایا جاتا ہے۔

دنیا کی تمام مخلوق اللہ کے ذکر میں مشغول ہیں:

دنیا میں جتنی مخلوقات ہیں سب اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ﴾ (الإسراء: ٤٤)

’’ہر مخلوق اللہ کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کرتی ہے، لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھ پاتے۔‘‘

نیز ایک جگہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ط﴾ (النور: ٤١)

’’ہر مخلوق اپنی نماز اور تسبیح جانتی ہے۔‘‘

ایک اِشکال اور اُس کا حل:

یہاں ایک سوال ہوسکتا ہے کہ قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ (الذٰریٰت: ٥٦)

''میں نے جنات اور انسانوں کو میری عبادت ہی کے لیے پیدا کیا۔''

اس آیت کریمہ سے تو پتہ چلتا ہے کہ عبادت صرف انسان اور جنات ہی کرتے ہیں، دیگر مخلوق نہیں کرتی، جب کہ اس سے پہلے جن آیات کا ذکر ہوا ان سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اور جن کے علاوہ دیگر مخلوقات بھی عبادت کرتی ہیں، ان دونوں قسم کی آیات میں بظاہر ٹکراؤ معلوم ہو رہا ہے۔

اس کا جواب ایک مثال سے اس طرح سمجھیے کہ ایک ہوتا ہے غلام اور نوکر، اور ایک ہوتا ہے ملازم، دونوں الگ الگ ہیں، ملازم پر ضروری ہوتا ہے کہ جس کام پر اس کی ڈیوٹی (Duty) ہے وہی کام اس کو کرنا ہے، جیسے ایک دربان (Watchman) ہے جو نگرانی کرتا ہے، اسے کوئی کہے کہ اوپر جا کر بلنڈنگ کا پانی بھر دو، تو اُسے یہ کہنے کا حق ہوگا کہ بھائی! یہ میرا کام نہیں ہے، میں تو نگرانی کروں گا، پانی بھرنا میری ذمے داری نہیں ہے۔ اس کے برخلاف غلام کو یہ کہنے کا حق نہیں ہوگا کہ میں یہ کروں گا اور وہ نہیں کروں گا، بلکہ آقا کی طرف سے جو بھی فرمان صادر ہو جائے اس کی بجا آوری غلام کے لیے ضروری ہوگی۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انسان وجن غلام ہیں، اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، اور بندہ ہونے کے ناتے جو بھی حکم اللہ تعالیٰ کی جانب سے آجائے بندہ اُس کی تعمیل کا مکلّف ہوگا، ہر حال میں بندے کو وہ کام کرنا پڑے گا۔

اور دیگر مخلوقات جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہیں محدثین اور شراحِ حدیث فرماتے ہیں کہ اُن کی تسبیح کا ایک مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو جس ڈیوٹی پر مامور فرمایا ہے وہ اس کا کام ہے، وہ اس کی اَنجام دہی میں لگے ہوئے ہیں، مثلاً سورج روشنی پہنچانے پر مامور ہے تو وہ بحکم خداوندی اس کی تعمیل میں لگا ہوا ہے، ان مخلوقات کی تسبیح کا مطلب ہے اِنقیاد اور

تابع داری، کہ اللہ تعالیٰ نے جس کام پر انھیں لگا رکھا ہے وہ کام وہ کر رہے ہیں۔ان میں سے کوئی قیام کی حالت میں ہے، جیسے درخت ونباتات، کوئی رکوع وسجدہ کی حالت میں ہے جیسے پہاڑ اور چٹانیں وغیرہ۔اور نماز میں یہ سب اَرکان جمع کر دیے گئے ہیں۔

نماز کے فوائد:

(۱) نماز کی عادت سے زندگی میں طہارت اور پاکیزگی آجاتی ہے، پاک اور صاف رہنے کی عادت بن جاتی ہے۔

(۲) نماز کے اہتمام سے زندگی میں اَوقات کی پابندی آجاتی ہے، ایک شڈیول (Schedule) اور ایک نظامِ اوقات بن جاتا ہے، مثلاً ڈیڑھ بجے نماز کا وقت ہے، ابھی پندرہ منٹ باقی ہیں، بس مجھے ابھی پہنچنا ہے، اس طرح بار بار گھڑی دیکھنے سے زندگی میں وقت کا اہتمام آجاتا ہے۔

(۳) فجر کی نماز کے اہتمام سے صبح جلدی بیدار ہونے کی عادت بن جاتی ہے، اور فجر کے بعد کا وقت خصوصاً برکتوں والا وقت ہے۔

(۴) نماز تمام بے حیائیوں اور برائیوں سے روکتی ہے۔جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ﴾ (العنکبوت: ٤٥)

نمازوں کے اہتمام سے گناہوں اور برائیوں سے بچنا آسان ہوجاتا ہے، جسے تبلیغ میں کہا جاتا ہے کہ ''زندگی صفتِ صلوٰۃ پر آجاتی ہے۔''

(۵) نماز کے متعلق اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازی آدمی نشہ اور شراب وغیرہ کی قباحتوں سے محفوظ ہوجاتا ہے:

﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى﴾ (النساء: ٤٣)

(۶) اگر باجماعت نمازوں کا اہتمام ہوتو آپسی اتحاد واتفاق کی فضا قائم رہتی ہے، ہر نماز میں ساتھی ملتے ہیں، سلام وکلام ہوتا ہے، ایک دوسرے کی ملاقات ہوتی رہتی ہے تو باہمی اتحاد کی فضا عام ہوجاتی ہے۔

(۷) قبر کی ظلمت اور اندھیرے سے نجات ملتی ہے۔

(۸) نماز سے دل کا سکون حاصل ہوتا ہے۔

(۹) روزِ قیامت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سفارش حاصل ہوگی۔

(۱۰) نماز کے ذریعے اللہ رب العزت کی رضا نصیب ہوتی ہے۔ یہ ایک ہی فائدہ تمام فوائد کو جامع ہے کہ نماز سے اللہ رب العزت کی رضا حاصل ہوجاتی ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فضائلِ اعمال میں نماز کے بہت سے دُنیوی اور اُخروی فضائل ذکر فرمائے ہیں، ان میں سے دس فوائد کا یہاں ذکر کیا گیا۔

ترکِ صلوٰۃ پر وعیدیں:

اب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اکابر اُمت کے تارک الصلوٰۃ کے بارے میں کیا فرمودات اور ارشادات ہیں انھیں دیکھتے ہیں:

ایک روایت میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

" مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ ذِمَّةُ اللهِ."(۱)

''جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی تو وہ اللہ تعالیٰ کے ذمے سے خارج ہوگیا۔''

(۲) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تارک الصلوٰۃ کے بارے میں فرماتے ہیں:

---

(۱) مسند أحمد/ حديث أم أيمن رضي الله عنها / رقم الحديث : ٤٦٠٩٨.

"حُبِسَ، حَتّٰی یَتُوْبَ أَوْ یَمُوْتَ."

''نماز چھوڑنے والے کو قید خانے میں بند کر دیا جائے، یہاں تک کہ وہ نماز چھوڑنے سے سچی توبہ کرلے، یا قید خانے میں اُس کی موت ہوجائے۔

(۳) حضرت اِمام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تارک الصلوٰۃ واجب القتل ہے، اسے اسلامی حکومت میں قتل کر دیا جائے گا۔

(۴) امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تارک الصلوٰۃ کافر ہے، اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

(۵) پیرانِ پیر عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نماز چھوڑنے والا مرتد ہے، وہ اسلام سے خارج ہے۔ مرتد شخص کافر سے بھی برا ہوتا ہے، آپ فرماتے ہیں کہ تارک الصلوٰۃ کو مسلمانوں کے قبرستان میں دَفن نہ کیا جائے، ایسے گنہگار سے دوسرے مُردوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔

(۶) حضرت شیخ سعدیؔ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز چھوڑنے کا عادی ہو، اگر وہ قرض کا مطالبہ کرے تو اسے قرض نہ دو، اس لیے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے تو تمھارے قرض کی ادائیگی میں بھی کوتاہی کرے گا۔

(۷) بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز چھوڑنے کی عادت بنا لیتا ہے بہت قوی امکان ہے کہ موت کے وقت اللہ رب العزت اس کے ایمان کو سلب فرما لیں اور وہ دُنیا سے بغیر ایمان کے رُخصت ہوجائے۔ (العیاذ باللہ)۔

نماز کے متعلق مسلمانوں کا ایک سرسری جائزہ:

اب ہم اُمت مسلمہ کی حالت پر نظر کریں، ایک سرسری جائزہ لیا گیا تو اس کا نتیجہ یہ

آیا کہ اُمت مسلمہ کا پچاسی فی صد طبقہ آج نماز سے دور ہے، مسلمانوں میں صرف پندرہ فی صد نمازی رہ گئے ہیں، پھر پندرہ فی صد میں سے بھی مطلوبہ نماز پڑھنے والے تو صرف ایک فی صد رہے ہیں، ''مطلوبہ نماز'' یعنی وہ نماز جو باجماعت ہو، وہ نماز جو صف اوّل کی پابندی کے ساتھ تکبیر اولیٰ کے اہتمام کے ساتھ ہو، وہ نماز جو کامل خشوع وخضوع کے ساتھ ہو، ایسے نمازی صرف ایک فی صد رہ گئے ہیں۔

یہ اگرچہ ایک سرسری جائزہ ہے، لیکن ہم تمام کے لیے بہت بڑا لمحہ فکریہ ہے کہ اُمت مسلمہ کی پچاسی فی صد آبادی نماز سے دور ہے۔

نماز چھوڑنے کے نامعقول حیلے اور بہانے:

آج بہت سے نماز چھوڑنے والے ہمارے مسلمان بھائی یہ عذرِ لنگ پیش کرتے ہیں کہ ہم بہت مشغول ہیں، اس کا مطلب یہی نکلتا ہے کہ وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ نماز پڑھنا بیکار اور نکمے لوگوں کا کام ہے، ہمارے پاس تو بہت کام ہیں، اِتنے کاموں کے ساتھ ہم نماز کیسے پڑھ سکتے ہیں؟ یہ نماز کی بے حرمتی ہے۔ بہت بڑی نمک حرامی اور احسان فراموشی ہے کہ اس شخص کو اِتنی بھی پرواہ نہیں کہ میں بندہ ہوں اور آقا کے حکم کو پورا کرنے کے لیے میرے پاس وقت نہیں ہے۔

اگر کسی کے پاس یہ عذر ہے کہ میں بادشاہ ہوں، حکومت چلاتا ہوں، تو اسے چاہیے کہ وہ غور کرے کہ اللہ تعالیٰ کے انبیائے کرام علیہم السلام میں حضرت سلیمان اور حضرت داوٗد علیہما السلام پوری دنیا کے بادشاہ تھے، وہ نبی تھے، حکومت بھی چلاتے تھے اور نمازوں کا اہتمام بھی فرماتے تھے۔

اگر کوئی شخص یہ عذر کرتا ہے کہ میں نماز اس لیے نہیں پڑھ سکتا کہ میں کثیر العیال

ہوں، میرے بال بچے (Family Members) بہت زیادہ ہیں، تو اسے چاہیے کہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو دیکھے کہ آپ کے گھر میں بہت سارے اَفراد تھے، لیکن وہ نماز کا اہتمام فرماتے تھے۔

اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ مجھے بیماری ہے تو وہ حضرت ایوب علیہ السلام کو دیکھ لے کہ بیماری کے باوجود حکم الٰہی کو پورا کرنے میں آپ نے ذرّہ برابر کسر نہیں چھوڑی۔ کوئی شخص اگر یہ کہتا ہے کہ فلاں شخص مجھ پر ظلم کرتا ہے، مجھے نماز نہیں پڑھنے دیتا، تو اس کو چاہیے کہ وہ بی بی آسیہ کو دیکھ لے کہ فرعون اُن پر مظالم کے پہاڑ توڑتا تھا، لیکن بی بی آسیہ ان تمام مظالم کے باوجود اپنی نماز اور اللہ تعالیٰ کی عبادت چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھیں۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ میں بہت زیادہ مشغول ہوں، میرا کاروبار بہت پھیلا ہوا ہے، میں نماز کے لیے وقت نہیں دے سکتا، تو اسے چاہیے کہ وہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں غور کرلے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بڑے علاقے پر حکمرانی فرمارہے ہیں، ساتھ میں تبلیغ، تربیت، تزکیہ، تعلیم وغیرہ اُمور بھی بحسن وخوبی اَنجام دے رہے ہیں، یتیموں اور بیواؤں کے حقوق ادا فرمارہے ہیں، نو اَزواجِ مطہرات کے حقوق ادا فرمارہے ہیں، ساتھ ہی تمام فرض نمازوں کے اہتمام کے ساتھ نوافل کا بھی اہتمام فرمارہے ہیں، نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طولِ قیام کی حالت کو بیان کرتے ہوئے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں:

" حَتّٰى تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ."(۱)

’’آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک پر وَرَم آجاتا۔‘‘

حالانکہ اللہ تعالیٰ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق فرماتے ہیں:

(۱) رواه البخاري / كتاب التفسير/ رقم الحديث : ٤٨٣٦.

﴿لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ﴾ (الفتح: ۲)

''اے محبوب! ہم نے آپ کے اگلے اور پچھلے سارے گناہوں کو معاف کر دیا۔''

اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نوافل کا اس قدر اہتمام فرماتے تھے، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سید الاولین والآخرین اور امام الانبیا ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک پر ختم نبوت کا تاج رکھا گیا۔ ان تمام تر فضائل کے باوجود، تمام تر مشغولیات کے باوجود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمازوں کا خوب اہتمام فرماتے تھے۔ معلوم ہوا کہ نماز چھوڑنے کے لیے اَعذار اور بہانے نہیں چلیں گے۔

اِقامت صلوٰۃ کا مفہوم:

قرآن مجید میں سات سو (۷۰۰) آیات ہیں جن میں اشارۃً نماز کی تاکید اور ترغیب آئی ہے اور قرآن مجید کی ایک سو نو (۱۰۹) آیات ایسی ہیں جن میں صاف طور پر اللہ تعالیٰ نے نماز کا حکم فرمایا ہے، جابجا فرمایا: ''أَقِيْمُوْا الصَّلٰوةَ، أَقِيْمُوْا الصَّلٰوةَ'' نماز قائم کرو، یہ نہیں فرمایا کہ نماز پڑھو، رئیس المفسرین حِبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ''اقامت صلوٰۃ'' (نماز قائم کرنے) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ رکوع وسجود کو اچھی طرح ادا کرو، نماز اہتمام کے ساتھ پڑھو، اس کے تمام تر حقوق اور آداب کی رِعایت کے ساتھ پڑھو، توجہ الی اللہ کی کیفیت کے ساتھ پڑھو، اس کا نام ''اقامتِ صلوٰۃ'' ہے۔

نماز کا ظاہر اور باطن:

ہر چیز کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہوتا ہے، جسم انسان کا ظاہری حصہ ہے اور روح اس کا باطن ہے، اسی طرح نماز کا بھی ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے، نماز کا ظاہر کیسے اچھا

ہوگا؟ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا:

" صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ. "(۱)

''تم لوگ نماز ایسی پڑھو جیسے مجھے پڑھتا ہوا دیکھتے ہو۔'' نماز کا ظاہر بنے گا سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع سے۔ اور نماز کا باطن یعنی نماز میں روح کیسے پیدا ہوگی؟ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

" أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ؛ فَإِنَّهُ يَرَاكَ. "(۲)

''تم ایسی عبادت کرو گویا کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو، یہ بہت اونچا درجہ ہے، اگر یہ درجہ حاصل نہ ہو تو کم از کم یہ درجہ حاصل کرلو کہ ایسی عبادت کرو کہ اللہ تم کو دیکھ رہا ہے۔''

اب ہم غور کریں کہ ان دو کیفیات میں سے کوئی بھی ایک کیفیت والی نماز ہماری پوری زندگی میں کبھی ہوئی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ﴿۱۴﴾﴾ (طٰہٰ: ۱۴)

''نماز میری یاد کے لیے پڑھو۔'' نماز میں ہمیں وہ سب کچھ یاد آتا ہے جو یاد نہیں آنا چاہیے، اور آج تک وہ ذات یاد نہیں آئی جو ہر وقت یاد آنی چاہیے۔

نماز کو اچھی کیسے بنائیں؟

اہل اللہ فرماتے ہیں کہ ہم ہر چیز پر محنت کرتے ہیں، آج سے پندرہ بیس سال پہلے ہمارا جو طرزِ زندگی (Lifestyle) تھا اس میں آج کافی تبدیلی (Changing) آگئی۔ ہم ہر وقت چاہتے ہیں کہ ترقی ہو جائے، میرے کپڑے پہلے سے اچھے ہو جائیں، میرا امکان

(۱) رواه البخاري / كتاب الأذان / رقم الحديث : ٦٣١.

(۲) رواه البخاري / كتاب الإيمان/ رقم الحديث : ٥٠.

پہلے سے اور اچھا بن جائے، میری دُکان پہلے سے اور اچھی بن جائے، رہ گئی نماز، جو بیس سال پہلے تھی وہی آج بھی چلی آرہی ہے، اس میں کوئی ترقی نہیں ہوئی، کیا نماز اتنی سستی چیز ہے کہ اس پر محنت نہ کی جائے؟ ہم گھر بناتے ہیں، دُکان بناتے ہیں تو اچھے اور ماہر انجینئر کو بلاتے ہیں تا کہ تعمیر اچھی ہو، لیکن نماز کے بارے میں ہمیں آج تک کسی اللہ والے کے سامنے اپنی نماز چیک (Check) کروانے کی توفیق نہیں ہوئی کہ میری نماز کیسی ہے؟

نماز سے متعلق ہمیں تین باتوں پر محنت کرنی ہے:

(۱) نماز کا ڈھانچہ۔ نماز کے مسائل کا علم، فرائض صلوٰۃ، شرائط صلوٰۃ، واجباتِ صلوٰۃ، سنن صلوٰۃ اور آدابِ صلوٰۃ، ان تمام چیزوں کے علم سے نماز کا ڈھانچہ اور اِسٹرکچر (Structure) صحیح ہوگا۔

(۲) قرأت اور اَذکار۔ قرأت اور اَلفاظ کی صحت کہ تلفظ صحیح ہو۔

(۳) خشوع وخضوع۔ اہل اللہ کی صحبت میں جا کر اپنی نماز درست کروائیں۔

ان تینوں چیزوں پر ہمیں محنت کرنی ہے، ہم کہتے ہیں کہ نماز اچھی بناؤ، تو آپ کہیں گے کہ نماز کیسے اچھی بنائیں؟ تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ ان تین چیزوں پر محنت کریں۔

نماز کا ڈھانچہ:

پہلی چیز ہے نماز کا ڈھانچہ صحیح کرنا، اس کی ابتدا وضو سے پہلے استنجا خانے سے ہوتی ہے۔ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ الصَّلٰوۃُ، وَمِفْتَاحُ الصَّلٰوۃِ الْوُضُوْءُ."(۱)

(۱) رواه الترمذي / أبواب الطهارة عن رسول الله ﷺ / رقم الحديث : ٤.

''نماز جنت کی چابی ہے، وضواور پاکی نماز کی چابی ہے۔'' یعنی نماز کا پہلا مرحلہ طہارت سے شروع ہوتا ہے۔

چند مسائل:

اس سلسلے میں کچھ مسائل عرض کرنے ہیں، جن میں ہمارے درمیان عموماً کوتاہی پائی جاتی ہے:

(۱) فقہانے ایک مسئلہ لکھا ہے کہ استنجا اس وقت تک درست نہیں ہے جب تک کہ استبرانہ ہوجائے۔ مطلب یہ کہ پیشاب کررہے ہوں اور ہمیں محسوس ہورہا ہے کہ ابھی مکمل طور پر پیشاب سے فارغ نہیں ہوئے، شرم گاہ میں پیشاب کے قطرات ابھی بھی باقی ہیں، جب تک سوفی صد اطمینان نہ ہوجائے کہ ہم پیشاب سے فارغ ہوگئے تب تک شرم گاہ کو دھونا جائز اور درست نہیں ہے۔ جب یقین ہوجائے کہ مقامِ استنجا میں کچھ بھی نجاست نہیں ہے اور استنجا سے مکمل فراغت ہوگئی ہے تب دھوئیں، اب استنجا مکمل ہوگیا۔

آج ہوتا یہ ہے کہ جماعت میں پانچ منٹ باقی ہیں، جلدی جلدی مسجد میں آئے، استنجا خانے پر لائن (Line) لگی ہے، دستک دینے لگے کہ جلد نکلو، جلدی نکلو، اندر سے بندہ نکلا، اب ایک منٹ باقی ہے، آدھا پیشاب ہوا، کچھ قطرات باقی محسوس ہورہے ہیں، پھر بھی پانی ڈال کر باہر آگئے، پھر جب باہر آئے تو قطرات کپڑوں میں لگ گئے تو کپڑے ناپاک ہو گئے، شیطان کو تو ناپاکی بہت پسند ہے، وسوسے کی بیماری یہیں سے شروع ہوتی ہے، اس لیے پاکی کا مکمل اہتمام کریں۔

وہم اور وسوسے کا علاج:

ایک ہوتا ہے وسوسہ، اور ایک ہوتا ہے وہم، وساوِس تو آتے ہیں اور ان کا علاج بھی

فقہا نے بتایا ہے، وسوسہ شیطان کی طرف سے آتا ہے۔ اور ایک ہوتا ہے وہم، جو بیماری کے درجے میں ہوتا ہے، بہت سے معذور حضرات کو آپ نے دیکھا ہوگا کہ وہ وضو خانے پر بیٹھے ہیں اور گھنٹوں تک وضو ہی کر رہے ہوتے ہیں، ان کو اطمینان نہیں ہو پاتا کہ وضو ہوا یا نہیں؟ اہل اللہ فرماتے ہیں کہ اس وہم کا علاج یہ ہے کہ قصداً اس وہم کے خلاف کرو۔

فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ ہے، حضرتؒ ایک مرتبہ وضو خانے میں وضو فرما رہے تھے، وضو سے فارغ ہونے پر شبہ ہوا کہ داہنی کہنی خشک رہ گئی ہے، پھر کہنی دھوئی، پھر وسوسہ آیا کہ بائیں کہنی خشک رہ گئی ہے، پھر اسے بھی دھویا، پھر وسوسہ آیا کہ شاید پیر کا پچھلا حصہ خشک رہ گیا ہے، اب آپؒ وہیں رُک گئے اور کہنے لگے: اچھا بڑے میاں! گرو گھنٹال آپ ہو، جاؤ! بغیر وضو کے نماز پڑھوں گا، نکل جاؤ یہاں سے۔

حضرتؒ فرماتے ہیں کہ میں اگر اُس دِن وسوسے کی زَد میں آجاتا تو زندگی بھر کے لیے وسوسے کی بیماری لگ جاتی۔

سعید بن المسیّب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ حضرت! مجھے وہم ہوتا ہے کہ پیشاب کے قطرات کپڑے میں نکل گئے، جب دھونے کے لیے دیکھتا ہوں تو پتہ چلتا ہے کہ نہیں نکلے، سعید بن المسیّبؒ نے فرمایا کہ جب تک پیشاب تمھاری ران پر بہہ نہ جائے اُس وقت تک تمھیں وضو کرنے کی ضرورت نہیں۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اَقدس میں بھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس قسم کی شکایت پیش کی، بخاری شریف (کتاب الوضوء حدیث نمبر: ۱۳۷) میں روایت موجود ہے، ایک صحابی اپنی اسی بیماری کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے کر آئے کہ حضور! مجھے یہ شبہ ہو جاتا ہے کہ میری ریح خارج ہو گئی، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے فرمایا کہ جب تک ریح کی آواز یا ریح کی بدبو نہ

آئے تم اپنی نماز چھوڑ کر مت جاؤ۔

اب بعض عقلمندوں نے یہ سمجھ لیا کہ وضوٹوٹنے کے لیے ان دو چیزوں (یعنی ریح کی آواز یا بدبو) میں سے کسی بھی ایک کا پایا جانا ضروری ہے، لیکن یاد رہے کہ محدثین اور شراحِ حدیث فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں یہ بات عمومی سب کے لیے نہیں فرمائی، بلکہ صرف اس صحابی کے لیے بطورِ خاص یہ حکم فرمایا جن کو یہ وہم کی بیماری تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے یہ علاج تجویز فرمایا تھا۔ عام لوگوں کے لیے حکم یہی ہے کہ ریح خارج ہونے سے وضوٹوٹ جائے گا، خواہ آواز یا بدبو آئے یا نہ آئے۔

اہل اللہ فرماتے ہیں کہ وہم اور وسوسے کی مثال کتے کے بھونکنے کی طرح ہے، کتا بھونکتا رہے اس کی طرف توجہ نہ دی جائے اور اپنا کام کرتے رہیں تو وہ تھوڑی دیر میں تھک کر خود خاموش ہوجاتا ہے، اسی طرح وسوسے اور وہم کا حال ہے کہ اس کی طرف توجہ نہ دی جائے، وہ خود بخود ختم ہوجائے گا۔

اِستنجا کے لیے ٹونٹی والا لوٹا بہتر ہے:

استنجا خانے میں عموماً یہ کوتاہی ہوتی ہے کہ لوٹے کی ٹونٹی نہیں ہوتی، جب کہ ہمارے اکابر خاص طور پر سفر کے دوران اس کا اہتمام فرماتے تھے، ٹونٹی والے لوٹے سے استنجا کرنا چاہیے، ہائیوے (Highway) سے سفر کر رہے ہوں تو ہوٹلوں پر استنجا خانوں میں بڑی بڑی ڈولیں رکھی ہوتی ہیں، اب سوچیے کہ اتنے بڑے ڈول کے ذریعے استنجا کیسے کیا جاسکتا ہے؟ ایسی جگہ اگر ٹونٹی والا لوٹا ہو تو مقامِ استنجا کو دھونا آسان ہوگا، جس سے پانی مقامِ استنجا تک برابر پہنچے گا اور نجاست کے مکمل طور پر ختم ہونے کا یقین ہوجائے گا، آج کل عموماً ٹونٹی والا لوٹا استعمال نہیں کیا جاتا، جس کی وجہ سے نجاست کا شبہ رہ جاتا ہے۔ اس طرح کے

اور بھی بہت سے مسائل ہیں، عموماً جن میں کوتاہی زیادہ ہوتی ہے اُن ہی کی جانب توجہ دلائی جاتی ہے۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ حضرت! اس طرح کی احتیاطی چیزوں کو اختیار نہ کیا جائے تو کیا ہوگا؟ آپؒ نے فرمایا کہ ''اس سے نماز کا خشوع وخضوع متاثر ہوگا۔''

وضو میں اِسراف:

استنجا کے بعد وضو کا مرحلہ ہے، وضو کے مسائل میں ایک اہم مسئلہ یہ یاد رکھیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک صحابی نے دریافت کیا کہ اللہ کے رسول! کیا وضو میں بھی فضول خرچی ہوتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں، اگر چہ تم بہتی نہر کے کنارے وضو کرو تب بھی فضول خرچی ہوتی ہے۔(۱)

اب اِسراف اور فضول خرچی کا حکم خوب سمجھ لیں، یہ بہت اہم بات ہے، فقہا نے لکھا ہے کہ وضو میں ضرورت سے زیادہ پانی کا استعمال مکروہ ہے، لیکن یہ کراہت اُس وقت ہے جب اپنے گھر کا پانی ہو، اپنی ملکیت کے پانی سے وضو کر رہے ہوں تو اس طرح کا اِسراف مکروہ ہے، لیکن اگر مسجد یا مدرسے میں وقف پانی سے وضو کر رہے ہوں تو تین مرتبہ سے زائد کسی عضو کو دھونا اِسراف شمار ہوگا، جو کہ حرام ہے۔

اس لیے حضرت ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں یہ معمول دیکھا گیا کہ حضرتؒ کے یہاں کسی کو نل پر وضو کرنے کی اِجازت نہیں تھی، لوٹے میں پانی بھر کر اس کی ٹونٹی سے وضو کیا جاتا، اس لیے کہ نل کے استعمال سے پانی زیادہ خرچ ہوتا ہے۔

---

(۱) سنن ابن ماجه / كتاب الطهارة / رقم الحديث : ٤٢٥.

اَذان کی اِجابت:

یہاں ایک اور اَہم بات کی طرف توجہ ضروری ہے، وہ یہ کہ جب بھی ہم اَذان کی آواز سنیں تو اس کی اِجابت ضروری ہے، حدیث پاک میں مروی ہے:

"عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنَّه قَالَ: الْجَفَاءُ كُلُّ الْجَفَاءِ، وَالْكُفْرُ وَالنِّفَاقُ، مَنْ سَمِعَ مُنَادِيَ اللهِ يُنَادِيْ بِالصَّلَاةِ، يَدْعُو إِلَى الْفَلَاحِ، وَلَا يُجِيبُهُ."(۱)

یہ بہت بڑا ظلم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا منادی (مؤذن) اذان دے اور پھر بھی ہم مسجد کا رُخ نہ کریں۔ ہمارا معمول بن گیا ہے کہ ہم اَذان سن کر یہ سوچتے ہیں کہ ابھی تو بیس منٹ باقی ہیں، یہ تصور اور ایسا مزاج غلط ہے، جیسے ہی پکارا جائے فوراً اس کا جواب دینا چاہیے۔

فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اَذان کا جواب دو طرح کا ہوتا ہے:

(۱) اَلفاظ کے ذریعے جواب، جس کو اجابتِ قولی کہا جاتا ہے۔

(۲) اِجابتِ فعلی: یعنی اَذان کی پکار سن کر اُس پر لبیک کہتے ہوئے فوراً مسجد میں حاضر ہو جائے۔ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جس دور میں نمازوں کا لوگ خوب اہتمام کرتے تھے اس وقت لوہار نے اگر اپنا ہتھوڑا لوہے پر کوٹنے کے لیے اُٹھایا ہوا اور اسی حالت میں اگر وہ اَذان کی آواز سنتا تو اُس ضرب کو بھی وہ پورا نہ کرتا، ہتھوڑا اسی حالت میں چھوڑ کر فوراً مسجد کا رُخ کرتا۔

ہمیں چاہیے کہ اس بات کی عادت بنالیں کہ جیسے ہی اَذان سنیں جلد از جلد مسجد پہنچنے کا اہتمام کریں۔

اسی طرح کبھی یہ ہوتا ہے کہ مسجد میں جلدی آ گئے، وضو بھی ہو گیا، اب دیکھا کہ

---

(۱) مسند أحمد/ مسند مكيين/ رقم الحديث : ١٥٦٢٧.

جماعت میں پانچ منٹ باقی ہیں، تو مسجد کے باہر کرسیاں لگی ہوتی ہیں وہاں دوست واَحباب کے ساتھ بیٹھ کر لایعنی باتوں میں مشغول ہو جاتے ہیں، حالانکہ یہ وقت سنن قبلیہ کی ادائیگی کا ہے۔ سنن قبلیہ فرض نمازوں سے پہلے پڑھی جاتی ہیں تاکہ ہم نماز کے عملی میدان میں پوری مشق کے ساتھ تیار ہو جائیں، آپ نے دیکھا ہوگا کہ اصل میچ سے پہلے ملٹی میچ ہوتی ہے، جس میں اچھی طرح مشق وتمرین کروائی جاتی ہے، تاکہ اصل میچ میں کامیابی حاصل ہو، تو یہ سنن قبلیہ ملٹی میچ کی طرح ہیں کہ ہم پہلے باہر کے ماحول میں تھے، سنن قبلیہ کے ذریعے نماز کے ماحول میں آئیں گے، پھر جب نماز کا ماحول بن گیا تو اب فرض نماز خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرسکیں گے، لہٰذا جلد از جلد مسجد میں آکر سنن قبلیہ کا اہتمام کریں۔

نماز کے مسائل کی اَہمیت:

اسی طرح نماز کا ڈھانچہ صحیح اور مستحکم بنانے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم نماز کے مسائل کا علم حاصل کریں اور ان کا عملاً اہتمام بھی کریں، شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی نے اپنے ارشادات میں ایک بات فرمائی ہے کہ میرے والد بزرگوار حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فرمودات میں یہ بات ملتی ہے کہ ”مجھے پڑھتے پڑھاتے اور فتاوی ومسائل لکھتے لکھتے ساٹھ سال گزر گئے، لیکن آج بھی نماز میں ایسی نوبت آجایا کرتی ہے کہ نماز کے بعد مجھے کتاب کھول کر دیکھنا پڑتا ہے کہ میری نماز صحیح ہوئی ہے یا نہیں۔“ سوچنے کا مقام ہے کہ مفتیٔ اعظم رحمۃ اللہ علیہ یہ بات اپنے متعلق فرما رہے ہیں۔

نماز میں قرأت کا دُرست ہونا اَزحد ضروری ہے:

دوسری بات یہ ہے کہ قرأت اور اَلفاظ دُرست ہوں، ہم میں سے اکثر حضرات

سالہا سال سے نماز پڑھتے ہیں، لیکن ہمارے قرآن پاک کے اَلفاظ کی ادائیگی درست نہیں، جس سے بسا اَوقات معنیٰ میں بھی خرابی پیدا ہوجاتی ہے، مثلاً "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" کے معنیٰ ہیں تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، اب اگر حا کی جگہ ہا پڑھ لی، تو معنیٰ بالکل بدل جائیں گے اور "اَلْهَمْدُ لِلّٰہِ" کے معنیٰ ہوں گے پرانا کپڑا اللہ کے لیے ہے، معنیٰ کتنے بدل گئے، پھر آگے "رَبُّ الْعَالَمِیْنَ" کے معنیٰ ہیں تمام جہانوں کا رَب، اب اَگر عین کی ادائیگی ٹھیک سے نہیں ہوئی اور عین کی جگہ ہمزہ پڑھ لیا تو معنیٰ ہوں گے تمام غموں کا رب۔ اسی طرح آگے سورۃ پڑھ رہے ہیں: "قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ" جس کے معنیٰ ہیں: اے نبی! آپ کہہ دیجیے، اس جگہ اگر "قُلْ" میں قاف کی جگہ کاف پڑھ لیا: "کُلْ" تو معنیٰ ہوں گے آپ کھا لیجیے! غور کریں کہ کس قدر معنیٰ تبدیل ہو گئے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ہمیں قرآن پاک کے الفاظ کی ادائیگی میں صحت کے اہتمام کی خاص ضرورت ہے، کم از کم کسی حافظ، قاری یا عالم کے پاس جا کر اپنی سورۂ فاتحہ اور چند سورتیں تو ضرور درست کروالیں۔

تبلیغی اَحباب کو ایک مفید مشورہ:

ہم تبلیغی جماعت میں وقت لگاتے ہیں تو ہمیں فکر ہونی چاہیے کہ کس طرح ہمیں قرآنِ کریم کی زیادہ سے زیادہ سورتیں یاد ہوں، اگر پانچ یاد ہیں تو سات تک یاد کرلوں، سات یاد ہیں تو دَس تک یاد کرلوں، اسی طرح مشہور سورتیں جن کے پڑھنے کے فضائل بکثرت روایات میں بیان ہوئے ہیں اُن سورتوں کو بھی یاد کرلیں، مثلاً سورۂ رحمٰن، سورۂ یٰسٓ وغیرہ کو حفظ کرنے کی کوشش کریں۔

ایک لطیفہ:

سورتوں کے حفظ پر ایک لطیفہ یاد آ گیا، ایک درسگاہ میں اُستاذ صاحب تشریف لائے اور بچوں کے نام دریافت کرنے لگے، بچوں میں سے ایک کا نام اِخلاص تھا، دوسرے کا یاسین تھا، اُستاذ صاحب نے اِخلاص سے فرمایا کہ سورۂ اِخلاص سناؤ! اَب جس بچے کا نام یاسین تھا وہ ڈر کر پہلے سے اَلرٹ (Alert) ہوگیا، کیوں کہ سورۂ یٰسٓ کے تو پانچ رکوع ہیں، جب اس کا نام پوچھا گیا تو کہنے لگا: اُستاذ جی! میرا اَصل نام تو یاسین ہے، لیکن پیار سے مجھے کوثر کہتے ہیں! تا کہ سورۂ کوثر ہی میں چھٹکارا ہو جائے۔

مخافتت کی ادنیٰ مقدار:

اسی طرح قرأت اور اَذکار سے متعلق ایک بہت ہی اہم مسئلے کی طرف توجہ دِلانی ہے، وہ یہ ہے کہ نماز میں قرأت فرض ہے، ایک مرتبہ ایک بات ذہن میں آئی کہ ایک مرد جب چار رکعات نماز پڑھتا ہے تو نماز چار سے پانچ منٹ میں پوری ہوتی ہے، اور عورت جب چار رکعات پڑھتی ہے تو عموماً دو یا تین منٹ میں پوری ہو جاتی ہے، الا ماشاء اللہ، قرأت کی فرض مقدار تو ایک جیسی ہی ہے، پھر وقت میں اِتنا فرق کیوں؟ ایک ساتھی کہنے لگے کہ اُن کے بیٹھنے اُٹھنے میں آسانی ہوتی ہے، حالانکہ اُن کا طریقہ زیادہ مشکل ہے، حقیقی وجہ یہ سامنے آئی کہ قرأت کا ایک درجہ یہ ہے کہ صرف تحریک شفتین ہو، یعنی ہونٹ حرکت کریں، اور قرأت کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ اس طرح پڑھیں کہ خود سن سکیں کہ کیا پڑھا جا رہا ہے، یہاں یاد رکھیں کہ فقہائے کرام کی تصریح کے مطابق صرف تحریک شفتین یعنی ہونٹ کا ہلانا قرأت کے لیے کافی نہیں، یہ قرأت شمار نہیں ہوگی، اب ظاہر سی بات ہے کہ جب قرأت دل ہی دل

میں ہوئی، تو یہ صرف قرأت کا تصور ہے، قرأت ہے ہی نہیں، تو نماز کیسے صحیح ہوگی؟ تو یہ ۲-۳ منٹ میں جو نماز ہوجاتی ہے وہ اس لیے کہ دِل ہی دِل میں قرأت ہوجاتی ہے، ہونٹ نہیں ہلتے، بہر حال اِلزام صرف عورتوں پر نہیں، مردوں میں بھی یہ مرض ہوسکتا ہے، تو اس بات کو اچھی طرح سے یاد رکھیں کہ قرأت کے لیے صرف تحریک شفتین یعنی ہونٹوں کو ہلانا کافی نہیں، بلکہ ایسی آواز نکالنا ضروری ہے جسے کم از کم خود سن سکیں۔

نماز میں خشوع وخضوع پیدا کرنے کا طریقہ:

تیسری بات ہے نماز میں خشوع وخضوع پیدا کرنا، خشوع اور خضوع میں علمائے کرام نے فرق بیان کیا ہے کہ خشوع کا تعلق ظاہر سے ہے، جب کہ خضوع کا تعلق باطن سے ہے، خشوع کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں کوئی غیر ضروری حرکت نہ کریں، مکمل یکسوئی کے ساتھ نماز ادا کریں، ہمہ تن اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ ہوں، عموماً ہوتا یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز میں داخل ہوگئے، پھر بھی سب کام ہورہے ہیں، چھینکنا، کھجلانا وغیرہ۔

خضوع کا مطلب یہ ہے کہ توجہ الی اللہ، اِنابت الی اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف مکمل دھیان والی نماز پڑھی جائے، اس کے لیے فقہائے کرام اور صلحائے عظام نے چند باتیں لکھی ہیں:

(۱) نمازی بندہ جو کچھ پڑھ رہا ہو اس کی طرف اس کی توجہ ہو۔

(۲) الفاظ کے ساتھ معانی کی طرف بھی توجہ دی جائے (اگر نمازی قرآن کے معانی جانتا ہو) اگر قرآن کے معانی نہیں جانتے تو کم از کم تکبیراتِ انتقال، تسبیحات اور سورۂ فاتحہ وغیرہ کا ترجمہ تو ضرور یاد ہونا چاہیے۔

(۳) نماز اس تصوّر کے ساتھ پڑھی جائے کہ یہ میری زندگی کی آخری نماز ہے۔

جس کو حدیث پاک میں "صَلٰوۃَ مُوَدِّعٍ" فرمایا گیا۔(۱)

نماز کو بہتر بنانے کے لیے تین اہم کام:

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری نمازیں بہتر ہوں تو ہمیں تین کام کرنے ہوں گے:

(۱) نیت اور فکر۔ نماز کو بہتر بنانے کے لیے نیت اور اس بات کی فکر کرنا کہ جیسی نماز اللہ تعالیٰ کو مطلوب اور پسند ہے ایسی نماز کس طرح ادا ہو۔

(۲) محنت۔ نماز کو بہتر بنانے کے لیے جن اُمور پر محنت ضروری ہے اس میں لگ جانا، محض نیت اور فکر کافی نہیں، جب تک کہ اس کے مطابق محنت نہ ہو۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ کسی قاری صاحب، حافظ صاحب یا عالم صاحب کے پاس جا کر اپنی قرأت صحیح کروائیں۔

(۳) خشوع و خضوع۔ یہ اللہ والوں کی صحبت سے، اُن کی خدمت میں بار بار حاضری اور اپنے اَحوال کی اطلاع اور اتباع سے حاصل ہوگا۔

نماز کو صحیح کرنے سے متعلق چند کتابیں درجِ ذیل ہیں:

(۱) نمازیں سنت کے مطابق پڑھیں (مؤلف: مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدّظلہٗ) یہ کتاب اُردو، انگلش اور گجراتی زبان میں موجود ہے۔

(۲) آیئے! نماز صحیح کریں (افادات حضرت الاستاذ مولانا احمد صاحب ٹنکاروی دامت برکاتہم، اُستاذِ حدیث دار العلوم فلاحِ دارین، ترکیسر) بہت قیمتی کتاب ہے۔

(۳) نمازیں دُرست کیجیے، اُردو (مؤلف: مفتی عبد الرؤوف سکھروی)

(۴) آیئے! نماز دُرست کیجیے (مؤلف: مولانا اسحاق ملتانی صاحب)

(۵) میری نماز کا ایکسرے (مؤلف: مولانا وقار صاحب گودھروی)

---

(۱) ابن ماجه / كتاب الزهد / رقم الحديث : ٤١٧١.

اِن کتابوں میں نماز کے جو طریقے بیان کیے گئے ہیں ان کے ساتھ اپنی نمازوں کا موازنہ کر کے دیکھیں کہ میری نماز سنت کے مطابق ہے یا نہیں؟ آج کے دور میں نماز کے متعلق ڈھیر ساری کتابیں نیٹ پر بھی موجود ہیں، آپ وہاں سے بھی بآسانی حاصل کر کے مطالعہ کر سکتے ہیں۔

اِن تمام امور کے ساتھ دُعاؤں کا اہتمام بھی کریں کہ اے اللہ! ہماری نماز درست فرما دیجیے!

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ بہترین کیفیات والی نماز پڑھنے کی ہم تمام کو توفیق عطا فرمائیں، اپنی نمازوں کو بہتر سے بہتر بنانے کی توفیق عطا فرمائیں اور نمازوں کا اہتمام ہماری زندگیوں میں پیدا فرمائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

بمقام: جھانپا بازار، سورت

بتاریخ: ۴/ ۱۲/ ۲۰۱۷ء

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی محبت دین حق کی شرطِ اوّل ہے
اسی میں ہو گر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

BAYAN QR CODE

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، أَمَّا بَعْدُ. فَقَدْ قَالَ اللهُ تَعَالٰى فِيْ الْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِيْدِ، أَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ﴾ (الأحزاب:٦)

وَقَالَ اللهُ تَعَالٰى:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللهَ ۚ﴾ (النساء : ٨٠)

وَقَالَ اللهُ تَعَالٰى:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللهُ﴾ (آل عمران: ٣١)

وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: "لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ".[1] أَوْ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ.

صَدَقَ اللهُ الْعَظِيْمُ، وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

تمہید:

واجب الاحترام میرے بھائیو، بزرگو، دوستو، ماؤ اور بہنو! اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر، کرم، فضل اور احسان ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آقائے نامدار جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اَقدس کی نسبت پر اس پرنور مجلس میں ہمیں شرکت کی سعادت اور توفیق نصیب فرمائی، بندہ

(١)رواه البخاري/ رقم الحديث:١٥، ومسلم/ رقم الحديث:٤٤، والنسائي/ رقم الحديث: ٥٠١٣.

آج آپ کے سامنے ''محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' کے عنوان پر بات کرنا چاہتا ہے۔

ایک ایمان والے پر ضروری ہے کہ آقائے نامدار جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹوٹ کر محبت کرے۔ دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اِس عاجز اور ناچیز کو اِخلاص کے ساتھ صحیح اور حق بات کہنے کی توفیق عطا فرمائیں اور ہمیں عمل کے جذبے سے کہنا اور سننا نصیب فرمائیں۔

ناپاک زبان سے پاک نام کیسے لوں؟

اپنا اُصل مضمون شروع کرنے سے پہلے کچھ باتیں اور عرض کرنی ہیں۔ ہمارے شہر سورت میں حکیم سعد رشید اُجمیری رحمۃ اللہ علیہ گزرے ہیں، ایک مرتبہ آپؒ جمعہ کے روز مسجد کے وضوخانے میں وضو فرما رہے تھے تو مسواک نکالی اور عطر نما ایک شیشی نکالی، شیشی کو مسواک پر اُنڈیل دیا اور مسواک کرنے لگے، کسی نے پوچھا کہ حضرت! یہ کیا کر رہے ہو؟ فرمانے لگے کہ آج جمعہ کا مبارک دِن ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درود شریف پڑھنے کا دِن ہے، غسل کے ذریعے میں نے بدن کو تو پاک کر لیا، لیکن یہ زبان ابھی ناپاک ہے، آج اس زبان سے درود شریف پڑھنا ہے، اس لیے میں اس کو وضو کرا رہا ہوں۔

ایک فارسی شاعر کہتا ہے:

ہزار بار بشویم دہن زمشک وگلاب
ہنوز نامِ تو گفتن کمالِ بےاَدبی است

شاعر کے اِس کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر میں ہزار مرتبہ بھی اپنا منہ مشک وگلاب کی خوشبو سے دھو کر صاف کر لوں تب بھی یہ ناپاک زبان سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک نام لینے کے قابل نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسا عشق نصیب فرمائیں اور جب جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ

مبارک آئے تو آپ حضرات درودِ پاک کے نذرانے پیش کرتے رہیں۔

نبئ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت عرب ہی میں کیوں ہوئی؟

محترم بزرگو اور دوستو! ایک سوال یہ ہے کہ ہم نے قرآن میں پڑھا:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ (الأنبياء : ۱۰۷)

(ہم نے آپ کو تمام عالموں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا)۔

آقائے نامدار جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ساری دُنیا کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں، اِرشادِ ربانی ہے:

﴿اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ (الأعراف : ۱۵۸)

(میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں)۔

خواہ وہ مؤمن بندہ ہو یا کافر، خواہ انسان ہو یا جنات یا جانور۔ سوال یہ ہے کہ جب آپ پوری دُنیا کے نبی ہیں تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جزیرۃ العرب ہی میں کیوں مبعوث فرمایا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دُنیا کے دوسرے کسی علاقے میں بھی بھیجے جا سکتے تھے، مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت ہمارے ملک بھارت میں بھی ہو سکتی تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عرب ہی میں کیوں بھیجا؟

پہلا جواب: پہلے جواب کو سننے سے قبل ایک بات سمجھ لیں کہ ایک تحقیق کے مطابق ہماری باڈی (Body) میں دِل تین طرف سے لٹکا ہوا ہے اور ایک طرف سے یہ باڈی کے ساتھ چپکا ہوا ہے، اس دِل پر انسان کی زندگی کا مدار ہے، اسی طرح دنیا کی جغرافیہ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ جزیرۃ العرب بھی تین طرف سے پانی پر لٹک رہا ہے اور ایک طرف سے خشکی کے ساتھ چپکا ہوا ہے، گویا عرب کی سرزمین ''قلب العالم'' ہے، یعنی عرب

کی سرزمین ساری دُنیا کی سینٹر پوائنٹ (Center Point) ہے، اگر وہاں سرکارِ دو عالم ﷺ کو بھیجا گیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی ذاتِ اَقدس کے نور کو ساری دُنیا میں بھیجا گیا۔

دوسرا جواب: دوسرا جواب یہ ہے کہ عرب کے لوگ بڑے سخت (Ruff and Tuff) تھے، اگر اُن کو کوئی بات سمجھ میں آئے تو وہ ''ہاں'' کہتے ہوئے اُسے تسلیم کر لیتے اور اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو ''نا'' کہہ کر انکار کر دیتے تھے، وہ سخت طبیعت لوگ تھے، تو اگر ان سخت طبیعت والوں کو جن کی زمین کے بارے میں قرآن مجید نے کہا: "بِوَادٍ غَيْرِ ذِیْ زَرْعٍ" چٹیل میدان والے لوگ تھے، اگر ان کو دین سمجھ میں آ گیا تو دُنیا کے سارے خطوں میں دین کا سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

تیسرا جواب: اہلِ عرب کو اللہ تعالیٰ نے تقریر و خطابت کا ملکہ عطا فرمایا تھا، انھیں زبان دانی میں مہارت حاصل تھی، حتیٰ کہ وہ اپنے سوا دُنیا کے تمام لوگوں کو ''عجم'' یعنی گونگا کہا کرتے تھے، انھیں اپنے مافی الضمیر کی ادائیگی پر ناز تھا، وہ اپنی Speech Power پر فخر کرتے تھے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ دُنیا کے دوسرے لوگ اِس فن پر اتنی قدرت نہیں رکھتے جتنی اہلِ عرب رکھتے تھے، تو آپ ﷺ کو عرب میں اس لیے بھیجا گیا کہ اگر اُن کو دین سمجھ میں آ گیا تو وہ اپنی طلاقتِ لسانی اور قوتِ خطابت کے بل بوتے پر ساری دُنیا میں دین کے پیغام کو عام کر دیں گے۔ ان وجوہات کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جزیرۃ العرب (سعودی عرب) میں مبعوث فرمایا۔

قرآنِ کریم تیئیس سال کے عرصے میں کیوں نازل ہوا؟

دوسرا سوال سمجھیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن سے پہلے جتنی آسمانی کتابیں نازل فرمائیں

وہ سب ایک ساتھ، یکبارگی نازل فرمائیں، لیکن ہم یہ بات جانتے ہیں کہ قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ نے تیئیس سال کے عرصے میں متفرق طور پر نازل فرمایا، تو سوال یہ ہے کہ قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے کیوں اُترا؟ اللہ تعالیٰ چاہتے تو ایک ساتھ اُتار دیتے، اگر چاہتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ایک ساتھ پورا قرآن یاد ہو جاتا، کیوں کہ اللہ عز وجل "كُنْ فَيَكُوْنُ" کے مالک ہیں، یہ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کو فرماتے ہیں کہ ''ہو جا'' تو وہ چیز اسی سیکنڈ میں ہو جاتی ہے، ''ہو جا'' بولنے کے بھی اللہ تعالیٰ محتاج نہیں ہیں، یہ تو ہمیں سمجھانے کے لیے قرآن میں "كُنْ فَيَكُوْنُ" کہا ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کلمۂ "كُنْ" کے بھی محتاج نہیں، اللہ تعالیٰ چاہتے تو آنِ واحد میں، چشمِ زدن میں، ایک سیکنڈ میں پورا قرآن نازل فرما دیتے، پھر تیئیس سال کا عرصہ کیوں لگا؟

اِس سوال کے مفسرین نے بہت سے جوابات دیے ہیں، مگر آج کی اِس مجلس کی مناسبت سے ایک جواب یہ سمجھنا ہے کہ قرآنِ مجید میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت کا بیان ہے۔

علمی قرآن اور عملی قرآن:

ایک مرتبہ اُمی جان سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے سوال کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اَخلاق کیسے تھے؟ یعنی آپ کی زندگی (Life)، آپ کی سیرت کیسی تھی؟ تو ماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: ''کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟'' "كَانَ خُلُقُه الْقُرْآنَ".(۱) (سرکار کی ذاتِ اَقدس قرآن مجید میں موجود ہے) جو قرآن مجید ہے وہی آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت ہے، جو قرآن مجید میں ہے وہ سرکار کی سیرت میں موجود ہے اور جو سرکار کی سیرت ہے وہ قرآن میں موجود ہے، گویا یوں سمجھ لیجیے کہ ایک عملی قرآن ہے اور ایک علمی قرآن ہے،

---

(۱) رواه أحمد في مسنده/ مسند الصديقة/ رقم الحديث: ۲٤٦٠۱.

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ، آپ کی زندگی (Life) عملی قرآن ہے، اور قرآن مجید جو نازل ہوا وہ علمی قرآن ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ جملہ "كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ". بتا رہا ہے کہ قرآنِ پاک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا بیان ہے، اللہ تعالیٰ نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت بیان فرمائی، اور ہر محبت کرنے والا یہ چاہتا ہے کہ میں اپنے محبوب کے ذکر کو پھیلاتا چلا جاؤں، دَراز کرتا چلا جاؤں، اس کو لذت آتی ہے، یہ دُنیا کا دستور ہے، تو اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تیئیس (۲۳) سال تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کو بیان فرمایا، تاکہ مؤمنین کے دلوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت راسخ، پیوست اور جاگزیں ہو جائے۔

محبتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

اب بندہ اپنا اصل موضوع ''محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' شروع کر رہا ہے، اُس میں تین الگ الگ باتیں سمجھانی ہیں: (۱) لفظ محبت (۲) لفظ رسول (۳) محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

پہلی چیز ہے لفظ محبت، یہاں اولاً ایک بات سمجھ لیں کہ ''محبت'' میم کے پیش کے ساتھ نہیں؛ بلکہ زبر کے ساتھ ہے، قرآن مجید میں ہے:

﴿وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي﴾ (طٰهٰ : ۳۹)

یہاں لفظ ''محبت'' میم کے زبر کے ساتھ ہے۔

محبت کسے کہتے ہیں؟

(۱) " اَلْمَحَبَّةُ حَالَةٌ لَا يُعَبِّرُ عَنْهَا مَقَالَةٌ ".

محبت ایسی کیفیت کا نام ہے جس کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا، البتہ محسوس کیا جا سکتا ہے کہ اس کو مجھ سے محبت ہے، مجھے اس سے محبت ہے، الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔

(۲) محبت کا ڈیفینیشن (Definition) یہ ہے کہ جس کے ساتھ محبت ہو جائے اس کو جو چیز پسند ہو وہ میری پسند بن جائے، اس کو جو چیز ناپسند ہو وہ میری ناپسند بن جائے۔ اس کیفیت کے پیدا ہونے کا نام محبت ہے۔

(۳) محبت ایسی چنگاری کا نام ہے جو دِل میں لگتی ہے اور جب تک محبوب کی ملاقات نہ ہو جائے چین نہیں آتا۔ شفائے علیل لقائے خلیل پر موقوف ہے۔ محبت کے بیمار کی بیماری اُس وقت تک برقرار رہتی ہے جب تک وہ اپنے محبوب کی ملاقات نہ کر لے۔

(حضرت پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی دامت برکاتہم العالیہ)

رسول کسے کہتے ہیں؟

رسول اور نبی ہونے کے لیے چار چیزیں ضروری ہیں:

(۱) بشر ہونا یعنی انسان ہونا۔ اور انسانوں میں بھی مرد ہونا ضروری ہے، جنات اور فرشتوں میں سے اللہ تعالیٰ نے کسی کو نبی نہیں بنایا۔ حضرت مریم رضی اللہ عنہا اللہ تعالیٰ کی بہت نیک بندی ہیں، لیکن وہ نبیہ نہیں، قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَأُمُّهُ صِدِّيْقَةٌ﴾ (المائدة:۷۵) کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ صدیقہ تھیں، اگر نبی ہوتیں تو یہاں کہا جاتا: "وَأُمُّهُ نَبِيَّةٌ". یہ نبیہ نہیں ہے، اس کا مطلب کوئی عورت نبیہ نہیں بنائی گئی۔

(۲) مبعوث من اللہ ہونا۔ اللہ تعالیٰ طرف سے اُن کو نبی بنا کر بھیجا گیا ہو، دُنیا میں بہت سے نبوت کے جھوٹے دعویدار آ کر چلے گئے، لیکن نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین ہیں، آخری نبی ہیں، آپ کی نبوت قیامت تک چلنے والی ہے۔

(۳) معصوم عن الخطا ہونا۔ ہم اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ نبی گناہوں سے پاک ہوتے ہیں، نبی سے گناہ ہو ہی نہیں سکتا، چھوٹا، بڑا، جان بوجھ کر یا اَنجانے میں کوئی گناہ

کسی بھی نبی سے نہیں ہوسکتا۔

(۴) مفروض الاتباع ہونا۔ یعنی لوگ اُن کی پیروی کرتے ہوں اور لوگ اُن کو فالو (Follow) کرتے ہوں، اُن کی بات مانتے ہوں، اُن کے نقش قدم پر چلتے ہوں۔ نبی میں ان چار باتوں کا ہونا ضروری ہے۔

محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قلبی عبادت:

ہماری جتنی بدنی عبادتیں ہیں، باڈی (Body) سے ہم جتنی عبادتیں کرتے ہیں وہ تین طرح کی ہیں:

(۱) لسانی، مثلاً ذکرِ جہری زبان سے کیا جاتا ہے، قرآن مجید کی تلاوت زبان سے کی جاتی ہے۔

(۲) وہ عبادتیں جن کی ادائیگی میں پورا بدن استعمال ہوتا ہے، جیسے نماز پڑھنا۔

(۳) تیسری عبادت وہ ہے جس میں نہ زبان لگتی ہے نہ ظاہری جسم لگتا ہے؛ بلکہ باطنی عضو لگتا ہے، اور وہ ہے دل۔ اللہ تعالیٰ کا ڈر، تقویٰ، خشیت اور توکل وغیرہ عبادتوں کا تعلق دِل سے ہے۔ اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: "التَّقْوىٰ هٰهُنَا."(۱) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دل کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ تقویٰ تو دل میں ہوتا ہے، اور محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو ہمارے ایمان کا لازمی حصہ ہے، اس کا تعلق بھی دِل سے ہے، محبت زبان سے اور اعضائے ظاہرہ سے نہیں ہوتی۔

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ہمارے ایمان کا فریضہ ہے، اس کے بغیر کوئی عبادت حقیقی معنیٰ میں عبادت بن نہیں سکتی، اگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہیں ہوگی تو ہماری نماز کا

---

(۱) رواه مسلم/ كتاب البر والصلة والآداب/ باب تحريم ظلم المسلم/ رقم الحديث: ٢٥٤٦.

طریقہ تک صحیح نہیں ہوگا۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے ایمان کی تکمیل:

ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! مجھے آپ سے بہت زیادہ محبت ہے، آپ سے مجھے سب سے زیادہ محبت ہے، لیکن میری ذات کے بعد، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اے عمر! تب تو تمھارا ایمان کامل نہیں ہوا''، تو فوراً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ''مجھے میری ذات سے بھی زیادہ آپ کی ذات سے محبت ہے،'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اَلْآنَ یَا عُمَرُ!"(۱) (اے عمر! اب تمھارا ایمان مکمل ہوا)۔

میرے ایمان والے بھائیو، ماؤ اور بہنو! ہم سب اِس مقام پر رُک کر سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں ہر ایک اپنے ایمان کا جائزہ لے کہ کیا میں اپنے دل میں آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اپنی ذات سے زیادہ پاتا ہوں؟ تو شاید ہم اس کے جواب سے معذور ہوں گے۔ محبت کے اس درجے تک، محبت کے اس پیمانے تک ہمیں پہنچنے کی ضرورت ہے، زبانی جمع خرچ اور ظاہری طور پر بول دینے سے محبت پیدا نہیں ہوجاتی، دل پر محنت کرنے کی ضرورت ہے کہ میرا دل نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کے اِس معیار کو پہنچ جائے۔

دُنیا میں محبت کے پانچ اَسباب:

یاد رکھیے! دُنیا میں اگر کسی سے محبت کی جاتی ہے تو عموماً پانچ میں سے کسی وجہ کی بنا پر کی جاتی ہے، اور یہ تمام وجہیں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں بدرجۂ اُتم پائی جاتی ہیں:

(۱) قرابت: رشتے داری، جو رشتے داری جتنی قریب ہوگی اتنی محبت زیادہ ہوگی، آدمی جتنی محبت اپنے بیٹے سے کرتا ہے اُتنی اپنے داماد سے نہیں کرتا، جتنی محبت اپنی بیٹی سے

---

(۱) رواه البخاري/ كتاب الأيمان والنذور/ باب كيف كان يمين النبي ﷺ/ الرقم: ٦٦٣٢.

کرتا ہے اُتنی اپنی بہو سے نہیں کرتا، یہ فطری چیز ہے۔ آج کے اس مطلب پرست دور میں انسان خود اپنی ذات سے جتنی محبت کرتا ہے اُتنی کسی سے نہیں کرتا، ماں باپ اور بیوی بچوں سے اپنے ذاتی مفاد (فائدے) کی وجہ سے تعلق توڑ دیتا ہے، انسان اپنی ذات کو سب سے اوپر رکھتا ہے، قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ (الأحزاب: ٦)

اِس آیت کریمہ میں یہ بتایا گیا کہ ایمان والوں کو اپنی ذات سے زیادہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ہونی چاہیے۔ نبی کی ذات اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہونی چاہیے، تب ہی تمھارا ایمان مکمل ہوگا۔

(۲) محبت کی دوسری وجہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محبوب رب العالمین ہیں، میرے سرکار اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتے ہیں:

﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ﴾ (الضحیٰ: ۲)

محبوب! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم آپ کو اِتنا دیں گے کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ اندازہ لگایئے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام اور مرتبے کا! کہ ساری دُنیا، ساری انسانیت جو بھی کام کرتی ہے وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے، ساری انسانیت اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے میں لگی ہوئی ہے، اور اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ محبوب! ہم آپ کو راضی کر دیں گے، کس قدر عظیم میرے سرکار کا مقام ہے۔

سید الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے دِفاع خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

پچھلے اَنبیائے کرام علیہم السلام کو جب برا بھلا کہا گیا تو اس کا جواب نبیوں نے خود دیا:

﴿يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ﴾ (الأعراف: ٦١)

﴿يٰقَوۡمِ لَيۡسَ بِىۡ سَفَاهَةٌ﴾ (الأعراف:٦٧)

کہ اے میری قوم! میں پاگل نہیں ہوں، میں گمراہ نہیں ہوں۔ لیکن جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کفار و مشرکین نے مجنون کہا تو جواب اللہ تعالیٰ کی جانب سے آیا، جواب آسمانوں سے آیا:

﴿نٓ وَالۡقَلَمِ وَمَا يَسۡطُرُوۡنَۙ۝۱ مَاۤ اَنۡتَ بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ بِمَجۡنُوۡنٍ۝۲﴾ (القلم: ۱، ۲)

''قسم ہے قلم کی اور قسم ہے اُن چیزوں کی جو قلم لکھتے ہیں، آپ اپنے پروردگار کے کرم سے مجنون نہیں ہیں۔''

ایک نکتہ: یہاں اس بات پر بھی غور کیا جائے کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے دیگر اَنبیائے کرام علیہم السلام کو قرآنِ کریم میں اُن کا نام لے کر پکارا ہے، جیسے:

﴿يٰزَكَرِيَّاۤ اِنَّا نُبَشِّرُكَ﴾ (مریم:۷)

﴿يٰيَحۡيٰى خُذِ الۡكِتٰبَ﴾ (مریم:۱۲)

﴿يٰعِيۡسٰۤى اِنِّىۡ مُتَوَفِّيۡكَ﴾ (آل عمران:٥٥)

پورے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اُمت کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اَدب سکھانے کے لیے آپ کو کبھی آپ کا نام لے کر نہیں پکارا، ''احمد'' ایک مرتبہ آیا ہے، ''محمد'' قرآن میں چار مرتبہ آیا ہے؛ لیکن اُمت کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اَدب سکھانے کے لیے پورے قرآن میں کہیں بھی "یا مُحَمَّدُ" نہیں کہا گیا، بلکہ فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ لِمَ تُحَرِّمُ﴾ (التحریم:۱)

اور کہیں فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ﴾ (المائدة:٦٧)

اسی طرح فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ①﴾ (المزمّل:۱)

﴿یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ①﴾ (المزمّل:۱)

یہ اللہ تعالیٰ کے پکارنے کے مختلف اَنداز ہیں۔

ایک نکتہ: ایک چادر جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بدن مبارک کے ساتھ لگ گئی اللہ تعالیٰ نے اُس کے ذکر کو اِتنا زندہ جاوید فرمادیا کہ قرآنِ کریم کے رہنے تک اس کا تذکرہ رہے گا۔ جب ایک بے جان چادر کا تعلق سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ذکر کو اتنا بلند فرمادیا، تصور کیجیے کہ جب ایک مؤمن بندہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ اپنا تعلق پیدا کرلے گا تو اُسے اللہ تعالیٰ کس قدر مقبولیت عطا فرمائیں گے؟

سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام لیتے ہوئے ہونٹ دوبار بوسہ لیتے ہیں:

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام آیا ہے، اس مناسبت سے ایک بات عرض کردوں کہ میرے سرکار کا نام اس قدر پیارا ہے کہ جب میں ''محمد'' کہتا ہوں تو میرے ہونٹ دو مرتبہ ایک دوسرے کا بوسہ لیتے ہیں۔

؎

ایک ہی حرف میم کو چھوا دوبارہ ہونٹوں نے
زیر اِس دل کو اسی حرفِ مشدد نے کیا

؎

لگ لگ کہے تو نہ لگے، بن لگ کہے لگ جائے
اللہ کہے تو نہ لگے، محمد کہے تو لگ جائے

خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت میں قیامت تک شرکت برداشت نہیں:

کوئی بھی بندہ مؤمن اس وقت تک نہیں بن سکتا جب تک وہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ نہ پڑھ لے۔ آپ تعجب کریں گے کہ ''لا الٰہ الا اللہ'' میں بارہ حروف ہیں، ''محمد رسول اللہ'' میں بھی بارہ حروف ہیں، ''لا الٰہ الا اللہ'' میں کوئی حرف ایسا نہیں جس میں نقطہ ہو، ''محمد رسول اللہ'' میں بھی کوئی حرف ایسا نہیں جس میں نقطہ ہو۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُلوہیت میں نقطہ کے برابر بھی شرک برداشت نہیں فرماتے، اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رِسالت میں بھی اب قیامت تک نقطہ کے برابر بھی کسی اور نبی کی شرکت کو گوارہ نہیں کیا جائے گا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

ایک نقطہ بھی گوارا نہیں اپنی طرح
نامِ محبوب کو نقطے سے الگ رکھا ہے

(۳) محبت کی تیسری وجہ حسن و جمال ہے، لوگ حسن و جمال کی وجہ سے محبت کرتے ہیں، خوبصورتی کی بنیاد پر لوگوں کے قلوب مائل ہوتے ہیں، لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ یہ اصل معیار نہیں ہے۔

حسن صورت چند روزہ حسن سیرت مستقل
اُس سے خوش ہوتی ہیں آنکھیں، اِس سے خوش ہوتا ہے دِل

صورت اچھی ہوگی تو آنکھیں خوش ہو جائیں گی، لیکن اَخلاق خراب ہوں گے تو دِل ناراض ہو جائے گا، اَخلاق اچھے ہوں گے تو دِل خوش ہو جائے گا، اصل معیار حسن سیرت ہے، حسن کردار ہے، حسن اَخلاق ہے، چہرے کی رنگت اصل نہیں ہے۔ لیکن بہر حال دنیا میں لوگ خوبصورتی کو محبت کا معیار قرار دیتے ہیں، اگر خوبصورتی ہی محبت کا معیار ہے تو خدا کی

قسم! ہمارے آقا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے زیادہ خوبصورت اس دنیا میں نہ کوئی آیا ہے اور نہ قیامت کی صبح تک کوئی ایسا آئے گا۔

شمائل ترمذی کی روایت ہے، حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا چہرہ دیکھتے ہیں اور چودھویں کے چاند کو دیکھتے ہیں، پریشان ہوتے ہیں کہ دونوں میں سے کون زیادہ حسین ہے؟ بالآخر فیصلہ کرتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چودھویں کے چاند سے بھی زیادہ حسین ہیں۔ (۱)

شاعر کہتا ہے:

چاند سے تشبیہ دینا یہ بھی کوئی اِنصاف ہے؟
اُس کے منہ پر چھائیاں، مدنی کا چہرہ صاف ہے

یعنی چاند پر تو داغ ہے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا چہرہ صاف اور شفاف ہے۔ دنیا میں حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن کتنا مشہور ہے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حسن و جمال اور خوبصورتی حضرت یوسف علیہ السلام سے بھی بڑھ کر ہے۔ شاعر کہتا ہے:

حسن یوسف پر کٹیں مصر میں انگشتِ زناں
سر کٹاتے ہیں تیرے نام پر مردانِ عرب

حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کو دیکھ کر مصر کی عورتوں نے اپنی اُنگلیاں کاٹ لی تھیں، میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھ کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی گردنیں کٹا دیں۔

حسن یوسف کو دیکھ کر کٹ گئی تھیں اُنگلیاں
یہاں تو چاند خود کٹ گیا اُنگلیوں کو دیکھ کر (۲)

---

(۱) رواه الترمذي/ باب الرخصة في لبس الحمرة للرجال/ الرقم: ۲۸۱۱.

(۲) چاند کے ٹکڑے ہونا تو نص قطعی سے ثابت ہے، البتہ انگلی کا اشارہ ثابت نہیں۔

ایک معجزے میں پانچ معجزے:

میرے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا معجزہ ہے کہ آپ کی دُعا کی بدولت چاند کے دوٹکڑے ہو گئے۔(۱) ہم یہ سمجھتے ہیں کہ چاند کے دوٹکڑے ہونا یہ ایک معجزہ ہے، میرے سرکار کے اس معجزے میں پانچ معجزے چھپے ہوئے ہیں۔(۱) چاند کے دوٹکڑے ہو گئے یہ ایک معجزہ ہے۔(۲) ٹکڑے ہوجانے کے بعد عموماً چیز زمین پر گرجاتی ہے، لیکن چاند کے دونوں ٹکڑے نہیں گرے۔(۳) دونوں ٹکڑے اِتنے نیچے آگئے کہ اس وقت کے انسانوں نے دونوں کو اپنی سگی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ دونوں ٹکڑے اَلگ ہیں، اور یہ عصر سے مغرب تک رہا، اور بعض روایات کے مطابق مغرب سے عشا تک کے وقت میں ہوا۔(۴) دونوں ٹکڑے پھر آسمان پر چلے گئے۔(۵) پھر دونوں حسب سابق مل گئے۔

نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خوبصورتی کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم چاند اور سورج سے تشبیہ دے رہے ہیں، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا حسن کتنا بے مثال ہوگا۔

لطفؔ بدایونی نے میرے سرکار کے بارے میں ایک تیسری بات فرمائی:

رُخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزمِ خیال میں، نہ دُکانِ آئینہ ساز میں

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی صورت اور آپ کے حسن کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔

ربانی تعبیر سب پر چھا گئی:

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے حسن و جمال کو چاند سے تشبیہ دے رہے

(۱) رواه البخاري / كتاب مناقب الأنصار / باب : انشقاق القمر / رقم الحديث : ۳۸٦۸.

ہیں، شاعر آئینہ کہہ رہے ہیں، لیکن قرآنِ مجید فرقانِ حمید اللہ تعالیٰ کا کلام ایک چوتھی بات ذکر کر رہا ہے:

﴿سِرَاجًا مُّنِيرًا﴾ (الأحزاب:٤٦)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''روشن چراغ'' فرمارہے ہیں، ''سراج'' کے معنیٰ چراغ کے ہیں، لیکن خوبصورتی میں چانداور سورج کی مثال زیادہ سمجھ میں آتی ہے، جب کہ یہاں چراغ سے تشبیہ دی جارہی ہے، ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اچھی بات کسی کی نہیں ہوسکتی، تو آخر کیا بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''چراغ'' فرمارہے ہیں؟

حکمت: (۱) دراصل بات یہ ہے کہ ایک سورج سے دوسرا سورج نہیں جلایا جاسکتا، اسی طرح ایک چاند سے دوسرا چاند نہیں جلا سکتے، جب کہ ایک چراغ سے بے شمار چراغ جلا سکتے ہیں۔ حضرت نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ عالمگیر اور اِنٹرنیشنل (International) چراغ ہیں کہ آپ کی ذاتِ اَقدس سے کم وبیش ڈیڑھ لاکھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے چراغ جلے، پھر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے تابعین کے چراغ جلے، پھر تابعین سے تبع تابعین کے چراغ جلے اور ان شاء اللہ قیامت کی صبح تک علمائے حق اور داعیانِ دین کی صورت میں یہ چراغ جلتے ہی رہیں گے۔

﴿يُرِيدُونَ لِيُطْفِـُٔوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُونَ⑧﴾ (الصف:٨)

(۲) سورج صبح کو طلوع ہوتا ہے اور شام کو غروب ہوجاتا ہے، چاند رات کو دِکھائی دیتا ہے، دِن میں نظر نہیں آتا، میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اَقدس لازوال ہے، جب کہ سورج اور چاند کو زوال ہے، اس لیے سورج اور چاند سے اللہ تعالیٰ نے تشبیہ نہیں دی۔

(۳) سورج کو کہیں لے جانا نہیں پڑتا، اس کی روشنی خود بخود آ جاتی ہے، جب کہ چراغ کو روشنی کے لیے ہاتھ میں لینا پڑتا ہے، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو ایمان والا چراغِ مصطفوی کو اپنی زندگی میں لے کر چلے گا اس کی زندگی میں روشنی ہوگی، اس کو روشنی ملے گی اور اُسے زندگی کا راستہ ملے گا، اور جو اس چراغ کو مسجدوں میں رکھ دے گا، قرآن مجید میں چھوڑ دے گا اور اپنے گھروں کے طاقچوں میں سجا دے گا، اور سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا چراغ اس کی زندگی میں نہیں ہوگا، تو اُسے اس چراغ سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ تو دیکھیے کہ اللہ رب العزت کی تعبیر میں کتنا کمال ہے کہ تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم الگ بات کہہ رہے ہیں اور اللہ عزوجل نے ایک الگ بات فرمائی۔

بہر حال نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حسن و جمال اتنا لازوال اور بے مثال ہے کہ اس حسن و جمال کو بیان کرنے کی مخلوق میں کسی کو طاقت ہی نہیں، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کس قدر محبت تھی، پھر بھی بعض صحابہ فرماتے ہیں کہ ہم نے پوری زندگی میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی جی بھر کر نہیں دیکھا، ہماری آنکھیں اس بات کی تاب ہی نہیں لا سکتی تھیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جی بھر کر دیکھ سکیں۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ اَقدس میں کسی مدّاح کے بیان کردہ اَلقاب:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں کسی مدّاح نے کہا: میرے سرکار امامِ معصوم ہیں، میرِ کاروانِ حیات ہیں، سرورِ کائنات ہیں، خلاصۂ موجودات ہیں، مشعلِ راہِ ہدایت ہیں، رہبرِ راہِ طریقت ہیں، زینتِ بزمِ رسالت ہیں، نازشِ انسانیت ہیں، نگہبانِ اَدب ہیں، منبعِ بحرِ شریعت ہیں، شافعِ روزِ قیامت ہیں، باطنِ انوارِ سنت ہیں، ساقیٔ حوضِ کوثر ہیں، نبیٔ بحر و بر ہیں، معنیٔ آیاتِ قرآن ہیں، حاملِ وحیٔ جلی ہیں، مصدرِ وحیٔ خفی ہیں، سراپا خیر ہی خیر ہیں، بانیٔ

شرعِ مبین ہیں، گنبدِ خضرا کے مکین ہیں، سیدِ کُل ہیں، فخرِ رُسل ہیں، مولائے کُل ہیں، رحمۃٌ للعالمین ہیں، شفیع المذنبین ہیں، اِمام المتقین ہیں، کائنات میں بہترین ہیں، شریفوں میں اَشرف ہیں، حسینوں میں اَحسن ہیں، جمیلوں میں اَجمل ہیں، کاملوں میں اَکمل ہیں، شمس الضحیٰ ہیں، بدرالدجیٰ ہیں، خیرالوریٰ ہیں، اُمت کے باوَفا ہیں، محبوبِ خدا ہیں، احمدِ مجتبیٰ اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

میرے سرکار کی شان کس قدر بلند و بالا ہے، اے کاش! میرے سرکار کی عقیدت و محبت، میرے سرکار کا کمال ہر مسلمان کے قلب میں راسخ ہو جائے، پیوست ہو جائے، تو اُن کی دنیا اور آخرت دونوں کامیاب ہو جائیں۔

(۴) محبت کی چوتھی وجہ **فضل اور کمال** ہے، کسی کے پاس کوئی گُر ہو، کوئی کمال ہو، کوئی آرٹ (Art) ہو، تو لوگ اس سے محبت کرتے ہیں، جس میں جتنا زیادہ کمال ہوگا اسی قدر اس کے چاہنے والوں کی تعداد ہوگی۔ آج کے سوشیل میڈیا (Social Media) کے دور میں فالورز (Followers) اور سبکرائبرز (Subscribers) کی تعداد دیکھی جاتی ہے، میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خیرالقرون میں نہ واٹسیپ، نہ اِنسٹا، نہ فیسبک، نہ یوٹیوب، لیکن جب سے دنیا بنی ہے تب سے تا قیامِ قیامت سب سے زیادہ محبین، فالورز اور عقیدت مند آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے ہیں۔ اور دنیا میں جتنے بھی کمالات ہیں وہ سب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ باکمال میں جمع ہیں۔ ؎

حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند، تو تنہا داری

شاعر کہتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اللہ

تعالیٰ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرنا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ید بیضا والا معجزہ، سب معجزات اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں جمع فرما دیے ہیں، جو فضل وکمال دُنیا میں ہو سکتے ہیں وہ سب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات میں موجود ہیں۔

(۵) محبت کی پانچویں اور آخری وجہ احسان ہے، عربی میں ایک مقولہ ہے:
"الإِنْسَانُ عَبْدُ الإِحْسَانِ" انسان احسان کا غلام ہوتا ہے۔ ہم پر کوئی احسان کر دے تو ہمارا دِل اس کی طرف مائل ہو جاتا ہے، ہماری طبیعت اس کی طرف جھک جاتی ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم محسن انسانیت ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بڑھ کر دنیا میں کسی کا احسان نہیں ہے، آپ کا احسان دنیا میں ہے اور آپ کا احسان آخرت میں بھی ہوگا۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا احسان:

احادیث مبارکہ کے خلاصے سے معنیً یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم باعث تخلیق کائنات ہیں۔ (۱) یعنی اللہ رب العزت کو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو وجود عطا کرنا منظور نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس دنیا کو پیدا نہ فرماتے، یہ ساری دنیا میرے سرکار کے صدقے میں وجود میں آئی ہے، اس کا وجود پذیر ہونا میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مرہونِ منت ہے۔

لیکن میرے بزرگو! سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سب سے بڑا احسان قیامت کے دِن ہوگا، حساب شروع نہیں ہو رہا ہوگا، اللہ تعالیٰ غضبناک ہوں گے، اُس دِن تمام اَنبیائے کرام

---

(۱) رواه الحاكم في المستدرك، النسخ الجديدة : ٤/١٥٨٣، وفي القديمة : ٢٦١٥، رقم الحديث : ٤٢٢٧، عن عبدالله بن عباس.
اسی طرح کا مضمون مستدرک میں حدیث: ۴۲۲۸ میں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کافی طویل روایت ذکر کی ہے، اس کو بھی حاکمؒ نے صحیح الاسناد کہا ہے، اسی طرح کی روایت کچھ اور تغیر کے ساتھ کنز العمال: ۱۱/ ۱۹۴/ حدیث نمبر: ۳۲۰۲۱ میں مسند الفردوس دیلمی سے نقل کی گئی ہے۔

علیہم السلام اللہ عزوجل سے حساب شروع کروانے کی درخواست کرنے پر معذرت کر دیں گے، "نَفْسِيْ نَفْسِيْ" فرمادیں گے،لیکن میرے سرکار اس وقت بھی "أُمَّتِيْ أُمَّتِيْ" فرمارہے ہوں گے، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم طویل سجدہ فرمائیں گے اور اُس سجدے کے صدقے میں اللہ تعالیٰ حساب وکتاب شروع فرمائیں گے۔(۱)

نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے احسان دنیا میں بھی ہیں اور آخرت میں بھی ہیں۔ الغرض اَسبابِ محبت میں سے ہر سبب سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم میں موجود ہے،تو ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت کریں۔

محبتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے فوائد:

خواجہ ابوطالب ایمان نہیں لائے، نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی بہت دلی تمنا تھی کہ خواجہ ابوطالب ایمان لے آئیں،لیکن مقدر نہیں تھا،تو ایمان نہیں لاسکے،قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ﴾ (القصص:٥٦)

کتبِ سیرت میں یہ بات موجود ہے کہ خواجہ ابوطالب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے بہت محبت کرتے تھے، کفارِ مکہ خواجہ ابوطالب سے کہتے کہ آپ اپنے بھتیجے کو سمجھاؤ،ایک مرتبہ سمجھایا تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور ایک ہاتھ میں چاند رکھ دیں تب بھی میں اپنے اِس کام سے باز نہیں آؤں گا۔(۲)

---

(١)رواه البخاري/ كتاب التفسير/ سورة بني إسرائيل/ باب ذرية من حملنا مع نوح إنه كان عبدا شكورا/ رقم الحديث: ٤٧١٢. ومثله في الصحيح المسلم/كتاب الإيمان/ باب أدنى أهل الجنة منزلة فيها/ رقم الحديث: ١٩٤. وفي سنن الترمذي/ أبواب صفة القيامة/ باب ماجاء في الشفاعة.
(٢) البداية والنهاية:٤٧/٣.

کافر اور بے ایمان کے بارے میں ہمیں معلوم ہے کہ اُسے جہنم رسید کر دیا جائے گا لیکن خواجہ ابوطالب کے بارے میں منقول ہے کہ انھیں پورے طور پر جہنم میں نہیں ڈالا جائے گا؛ بلکہ انھیں صرف آگ کے جوتے پہنائے جائیں گے، جہنم کی آگ کی جوتیوں سے دِماغ تک کھولنے لگے گا۔[۱]

یعنی اللہ عزوجل نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کے طفیل اپنا قانون بدل دیا کہ کافر بندہ پورا جہنم میں جاتا ہے، لیکن خواجہ ابوطالب کو صرف آگ کی جوتیاں پہنائی جائیں گی۔

ابولہب کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت پر اِنعام:

ابولہب جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نفرت کرنے میں مشہور تھا، جس پر لعنت کے بارے میں قرآن میں سورۃ نازل ہوئی:

﴿تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝۱﴾ (المسد : ۱)

ابولہب کے متعلق مروی ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے اور ابولہب کی باندی ثویبہ نے آ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی خبر دی، تو اس کی خوشی میں ابولہب نے اپنی اُنگلی کے اِشارے سے اپنی باندی ثویبہ کو آزاد کر دیا، ابولہب کے مرنے کے بعد کسی نے اس کو خواب میں دیکھا کہ وہ کہہ رہا تھا:

" إِنِّيْ سُقِيْتُ فِيْ هٰذِه".[۲]

(مجھے اپنی اِس اُنگلی کے ذریعے جہنم میں سیراب کیا جا رہا ہے)۔

جس اُنگلی کے اشارے سے باندی کو آزاد کیا تھا اُسی اُنگلی کے ذریعے سیراب کیا جا

(۱) رواه مسلم/ كتاب الإيمان/ باب أهون أهل النار عذابا/ رقم الحديث: ۲۱۲.

(۲)رواه البخاري/ كتاب النكاح/ باب: وأمهاتكم اللاتي أرضعنكم/ رقم الحديث : ۵۱۰۱.

رہا ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احسان دنیا میں بھی ہیں اور آخرت میں بھی، اس محبت کا فائدہ ابولہب جیسے کافر شخص کو جہنم میں بھی ملا، سوچیے! اگر ہم مؤمنین نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ٹوٹ کر محبت کریں تو ہمیں کیوں فائدہ نہ ملے؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لقمے کی محبت:

خیبر کے موقع پر ایک یہودیہ عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کھانے میں زہر ملا دیا، آپ لقمہ اُٹھا کر منہ کے قریب لے گئے، تو اس بے جان لقمے سے آواز آئی:

"لَا تَأْكُلْنِيْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! فَإِنِّيْ مَسْمُوْمٌ".(۱)

اے اللہ کے نبی! مجھے مت کھایئے، مجھ میں زہر ملا ہوا ہے۔

علما نے یہاں ایک نکتے کی بات لکھی ہے کہ جب وہ لقمہ پلیٹ (Plate) میں تھا اس وقت کیوں نہیں بولا؟ جب اُٹھایا تب فوراً بھی نہیں بولا، بالکل منہ کے قریب آکر بولا، ایسا کیوں؟ محدثین نے یہاں لطیفہ لکھا ہے کہ وہ بے جان لقمہ یہ چاہتا تھا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہونٹ سے مل جائے اور لمس اور ٹچ کی سعادت حاصل کرے، لیکن جب سرکار کو تکلیف پہنچنے کا خدشہ ہوا تو فوراً کہا: "لَا تَأْكُلْنِيْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! فَإِنِّيْ مَسْمُوْمٌ".

اُستوانۂ حنانہ کی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت:

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد نبوی میں منبر بننے سے پہلے ایک درخت کے تنے کو پکڑ کر خطبہ دیا کرتے تھے، جسے اُستوانۂ حنانہ کہتے ہیں، جب منبر شریف بن گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر ہاتھ رکھنا چھوڑ دیا، تو وہ اتنا بے قرار ہوا اور اتنا رویا کہ اس کے رونے کی آواز صرف نبی

---

(۱) فتح الباري: ۷/ ۳۸۰، سيرة مصطفیٰ: ۲/ ۴۲۹، ۴۳۰.

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی نے نہیں، بلکہ مسجد میں موجود صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی سنی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے اور اُسے تسلی دی، دستِ شفقت رکھا، جب اُسے قرار آیا تو اس نے رونا بند کر دیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں اُسے تسلی نہ دیتا، اس پر دستِ شفقت نہ رکھتا تو وہ میرے فراق میں اور میری محبت میں قیامت تک روتا رہتا۔(۱)

میرے دوستو! دنیا میں عاشقوں کی، اَفیر (Affair) کرنے والوں کی، محبت کرنے والوں کی کوئی کمی نہیں ہے، وہ اس کے لیے کٹ گیا، وہ اس کے لیے مرگیا، وہ اس کے لیے کلیجہ اور دل نکال کر لے آیا، ایسی بہت ساری کہانیاں ہم نے آج تک سنی ہیں، لیکن خدا کی قسم! محبت کی ایسی داستان ساری دنیا مل کر بھی نہیں پیش کرسکتی جو مثال اس بے جان تنے نے پیش کی ہے۔

لمحۂ فکریہ:

میرے دوستو! ہم نے بچپن سے پچپن تک زندگی گزار دی، ہم اپنی زندگی کا جائزہ لیں کہ کیا آج تک ہمیں سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد میں رونا آیا؟ سرکار کی محبت میں ہماری آنکھوں سے آنسو نکلے؟ اگر نہیں نکلے تو کیا ہم اس بے جان تنے سے بھی گئے گزرے ہوگئے؟

محبت اِطاعت کو لازم کرتی ہے:

محبت اِطاعت کو لازم کرتی ہے، جس کو محبت ہوگی اس کی زندگی میں اِطاعت لازمی ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنی زندگی میں سنتوں کا اتباع پیدا کریں، اپنی معاشرت میں سنتوں کو عمل میں لائیں۔

---

(۱) رواه أحمد في مسنده / مسند عبدالله بن عباس/ رقم الحديث: ۲۴۰۰.

اچھا انسان کون؟

آج کی دنیا میں ہر شخص اپنی ذات کو اچھا سمجھتا ہے، حالانکہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اچھا انسان اسے قرار دیا جو اپنے گھر والوں کے لیے، اپنے بیوی بچوں کے لیے اچھا ہو۔

" خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ، وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي". (۱)

سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہماری طرح صرف بول کر نہیں بتایا، سرکار نے کر کے بتایا، "وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي" میں تم سب لوگوں میں اپنے گھر والوں کے ساتھ سب سے اچھا ہوں۔

اس کے برعکس عموماً ہمارا حال یہ ہوتا ہے کہ باہر تو بڑے اللہ والے بن کر رہتے ہیں، ٹوپی اور عمامہ وغیرہ پہن کر گھومتے ہیں، اس لیے سب ہمیں نیک اور اچھا سمجھتے ہیں، جب کہ گھریلو زندگی میں ہم ایسے نہیں ہوتے، یہ حقیقی بہتری نہیں ہے۔

نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اُمت کے لیے عملی نمونہ ہے، سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صرف بولتے نہیں تھے، بلکہ عمل کر کے بتاتے تھے، نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی معاشرت ہمیں اپنے گھروں میں لانا ہے، محض سیرت کے جلسے کر لینا کافی نہیں، بلکہ سیرت کا اصل پیغام یہ ہے کہ میری زندگی میں سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی آجائے، میرے گھر میں، میری ذات میں، میرے فیملی ممبرز (Family Members) میں سرکار کا طریقہ آجائے، اس کے لیے ہم کوشش کرتے رہیں۔

ہماری زندگیوں میں سکون کیوں نہیں؟

آج مسلمانوں کے کئی گھر ازدواجی زندگی کے اعتبار سے تلخیوں کے شکار ہیں،

(۱) رواه الترمذي/ أبواب المناقب عن رسول الله ﷺ/ باب في فضل أزواج النبي ﷺ/ رقم الحديث : ٣٨٩٥.

گھروں میں لڑائی جھگڑے ہیں، سکون وچین غارت ہو چکا ہے، کیا ہم اس کے اَسباب پر غور کر رہے ہیں کہ ہمارے گھروں سے سکون وچین کیوں ختم ہو رہا ہے؟ شادی کی خرافات سے لے کر اس کے بعد کی خرافات تک ہماری زندگی میں کئی کام شریعت کے خلاف ہو رہے ہیں، شریعت اور سرکار کی سنتوں کے خلاف کر کے ہم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

آج ہمارے گھروں کا سکون غارت ہو گیا، میاں بیوی کے آپسی جھگڑے کثرت سے پائے جا رہے ہیں، اس کی بہت ساری وجوہات ہیں، اس میں کچھ کوتاہیاں شوہر کی جانب سے ہوتی ہیں اور کچھ بیویوں کی طرف سے ہوتی ہیں۔

شوہر کی جانب سے ہونے والی کوتاہیاں:

شوہر کی جانب سے ہونے والی کوتاہیوں میں سے دو کوتاہیاں اس وقت عام ہو رہی ہیں:

(۱) شوہر پیسے دے کر یہ سمجھ لیتا ہے کہ میں نے سب کچھ دے دیا، شوہر وقت نہیں دیتا، دِن بھر بزنس (Business) پر ہے، رات کو تھک ہار کر آیا، آدھا گھنٹہ فریش (Fresh) ہوا، کھانا کھایا، پھر یاروں دوستوں کے ساتھ چائے پینے گیا اور اس میں رات کے تین بجا دیے، تو بیوی کا حق نہیں دے رہا، اس کا حق مار رہا ہے، یہ بہت خطرناک چیز ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے: "وَلِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا". گھروں میں جو تلخیاں ہوتی ہیں اس کی یہ ایک بہت بڑی وجہ ہے۔ یاد رکھیں! اپنا ٹائم ٹیبل (Time Table) بنا لیں کہ مجھے موبائل، کاروبار، دوست واَحباب کو کتنا وقت دینا ہے، یہ ہرگز مناسب نہیں کہ پورا وقت دوستوں ہی میں گزار دیا جائے۔

(۲) دوسری بات یہ کہ آدمی عورت کو یہ سمجھتا ہے کہ یہ اَدھوری عقل والی ہے، نبی

صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو جو ناقصات العقل فرمایا ہے[1] یہ اُن کی برائی بیان نہیں کی، بلکہ ان کی فطرت بتائی ہے، اس میں عورتوں کا کوئی قصور نہیں ہے، آدمی اس کی بات کو نظر اَنداز کر دیتا ہے، اگر بیوی مشورہ دیتی ہے تو شوہر کہتا ہے کہ تو رہنے دے، تجھے کیا معلوم؟ حاصل یہ کہ اس طرح ادھورا سمجھنا بھی اچھا نہیں، اَدھورے کو اَدھورا سمجھنا بسا اوقات بھاری پڑ جاتا ہے۔

اَدھورا سمجھنے پر ایک لطیفہ:

کسی کو ادھورا سمجھنے پر ایک لطیفہ سنیں! ایک شخص اپنے ایک ہاتھ میں پانچ روپے کا سکہ اور دوسرے ہاتھ میں دو روپے کا سکہ رکھ کر ایک بچے کو روزانہ بلاتا اور کہتا کہ بیٹا اس میں سے لے لو! وہ بچہ آ کر دو روپے کا سکہ اُٹھا لیتا اور چلا جاتا، سکہ رکھنے والے شخص نے ایک دِن اپنے دوست کو بتایا کہ دیکھو! وہ بچہ دِماغ سے تھوڑا کمزور معلوم ہوتا ہے، اس نے حسب معمول دو سکے رکھے اور بچے کو بلایا، وہ آیا اور دو کا سکہ لے کر چلا گیا، اب یہ دوسرا آدمی اُس بچے کے پاس گیا اور پوچھا کہ بیٹا! تم ایسا کیوں کرتے ہو کہ پانچ کا سکہ چھوڑ کر دو کا سکہ لے جاتے ہو؟ تو اس بچے نے جواب دیا: اَنکل (Uncle)! جس دِن میں پانچ کا سکہ لے لوں گا تو کھیل ختم ہو جائے گا، اس طرح وہ بچہ بہ تکلف اپنی کم عقلی ظاہر کر کے روزانہ پیسے استعمال کرتا رہا۔

دوسرا لطیفہ:

ٹرین (Train) میں ایک کسان اور پروفیسر (Professor) سفر کر رہے تھے، دونوں ٹرین میں بیٹھے، دونوں کے درمیان آپس میں یہ طے ہوا کہ ٹائم پاس (Time Pass) کرنے کے لیے ہم سوال جواب کرتے ہیں، پروفیسر نے یہ سمجھ کر کہ یہ کیا پڑھا لکھا ہوگا، کہا

---

(۱) رواه البخاري/ كتاب الحيض/ باب ترك الحائض الصوم/ رقم الحديث : ۳۰٤.

کہ اگر تمھیں سوال کا جواب نہیں آیا تو سو روپے دینے ہوں گے، کسان نے کہا کہ تم پڑھے لکھے ہو، اور میں کسان اَن پڑھ آدمی ہوں، آپ تو بڑے آفسر ہیں، اس لیے اگر تمھیں جواب نہ آیا تو تمھیں سو روپے دینے ہوں گے، اور مجھے نہ آیا تو میں پچاس روپے دوں گا، پروفیسر نے منظور کرلیا، سوالات کا سلسلہ شروع ہوا، کسان نے ابتدا کرتے ہوئے کہا کہ ایسا پرندہ بتاؤ جو نیچے رہتا ہے تو اس کے دو پیر رہتے ہیں، جب اُڑتا ہے تو اس کے تین پیر ہو جاتے ہیں، یہ کونسا پرندہ ہے؟ پروفیسر نے اپنے دِماغ کے دریچوں میں تلاش کیا، مگر کوئی جواب نہیں سوجھا، آخر کار اس نے عاجز ہو کر کہا کہ مجھے نہیں پتہ، تو ہی بتا دے، کسان نے کہا: لاؤ سو روپے، پرفیسر نے سو روپے دیے اور کہا کہ تم صحیح جواب بتاؤ، کسان نے کہا: مجھے بھی نہیں معلوم، لو پچاس روپے! تو بسا اَوقات کسی کو اَدھورا سمجھنا بھی نقصان سے خالی نہیں ہوتا۔

سیرت کا اصل پیغام:

تو بہر حال آج ہمیں اپنی معاشرت سنوارنے کی ضرورت ہے، سیرت کا اور بعثت رسول کا اصل پیغام یہ ہے کہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتیں ہماری زندگی میں آجائیں، قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ ہم سے فرماتے ہیں:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ﴾ (آل عمران : ۳۱)

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ (النساء:۵۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اِطاعت کرو اور اتباع کرو۔ اطاعت الگ چیز ہے، اتباع الگ چیز ہے، یہاں دونوں آرڈر (Order) دیے گئے ہیں۔

اِطاعت اور اِتباع میں فرق:

اطاعت کے معنیٰ ہیں کسی کا حکم مان لینا، جیسے کہا گیا کہ پانی لے آؤ، تو پانی لے

آئے، یہ ہے تعمیل امر، اسے کہتے ہیں اطاعت، اتباع کہتے ہیں اس تعمیل امر میں فنا ہو جانے کو، محبوب کی کاپی (Copy) کرنا، اس کی نقالی کرنا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

ہم نے مشہور واقعہ سنا ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راستے سے گزر رہے تھے، ایک جگہ قضائے حاجت کے انداز میں بیٹھ گئے، کسی نے پوچھا کہ آپ یہاں کیوں بیٹھ گئے؟ کچھ تقاضا تھا؟ کہنے لگے کہ تقاضا تو نہیں تھا، لیکن ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں سے گزر رہے تھے، تو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں قضائے حاجت کے لیے تشریف فرما ہوئے تھے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع میں یہاں بیٹھ گیا۔[۱]

ایک صحابی کا اتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اپنا گھر منہدم کر دینا:

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک گنبد نما مکان کے پاس سے گزر ہوا، آپ نے پوچھا کہ یہ مکان کس کا ہے؟ آپ کو وہ مکان ناگوار معلوم ہوا، اس صحابی کو جب معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میرا مکان ناگوار معلوم ہوا، تو اس صحابی نے وہ مکان فوراً گرا دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکان گرانے کا حکم نہیں فرمایا تھا، پھر بھی گرا دیا۔[۲] اس کا نام ہے اتباع۔

اِطاعت اور اِتباع پر ملنے والے اِنعام:

اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کیا ملے گا؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ﴾ (النساء : ۸۰)

(جس نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی اُس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی)۔

---

(۱) رواه أحمد في مسنده/ مسند عبدالله بن عمر/ رقم الحديث : ٦١٥١.

(۲) رواه أحمد في مسنده/ مسند أنس بن مالك/ رقم الحديث : ١٣٣٠١

اور اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا ملے گا؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يُحْبِبْكُمُ اللهُ﴾ (آل عمران: ۳۱)

(اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا)۔

اللہ تعالیٰ کا تعلق تمھیں نصیب ہوگا، اور جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرے اللہ اس کا ہو گیا، اور اللہ جس کا ہو گیا اس کا سب کچھ ہو گیا۔

﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ (المائدة : ۱۸)

(زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی ہر چیز میں اللہ ہی کی بادشاہت ہے)۔

ہم اتباع کا بھی اہتمام کریں اور اطاعت کا بھی اہتمام کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کو اجتماعی زندگی میں بھی لانے کی ضرورت ہے اور انفرادی زندگی میں بھی لانے کی ضرورت ہے۔ پرسنلی (Personally) طور پر بھی میرا ہر عمل سنت کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہو۔

دورِ حاضر میں عصبیت کا زور:

آج کے زمانے میں عصبیت اِتنی عام ہوگئی ہے کہ رات دِن یہ سنتے ہیں کہ یہ فلاں محلے کا ہے، فلاں جگہ کا ہے، یہ فلاں صوبے کا ہے اور یہ فلاں زبان بولنے والا ہے، کتنی ساری دیواریں ہم نے آپس میں کھڑی کر لیں اور کتنی چیزیں مسلمانوں کو آپس میں تقسیم کرنے کا ذریعہ بن گئیں؟ جب کہ قرآن مجید کا اعلان ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ (الحجرات : ۱۰)

(تمام ایمان والے آپس میں بھائی بھائی ہیں)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصبیت کی دیوار کو منہدم کر دیا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے اَذان دلوائی۔

عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ:"أَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلاَلاً أَنْ يُؤَذِّنَ يَوْمَ الْفَتْحِ فَوْقَ الْكَعْبَةِ."(۱)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیوں ایسا کیا؟ جب کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کے کمانڈر (Camonder) سرخیل طائفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تو موجود تھے؟ حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم بھی تو تشریف فرما تھے؟ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی پوری جماعت موجود تھی، پھر یہ اعزاز اور یہ مقام ومرتبہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہی کو کیوں دیا گیا؟

اس کے ذریعہ دنیا کو پیغام دینا تھا کہ دنیا والو! تم کیا کرتے ہو؟ کام لیتے وقت دوسروں سے کام لیتے ہو، اور عزت دینے کے وقت اپنوں کو آگے کرتے ہو، آج دنیا میں یہی ہورہا ہے، کام لے کر ٹیشوپیپر (Tissue Paper) کی طرح یوز (Use) کرکے پھینک دیتے ہیں، اور عزت دیتے وقت اپنوں کو آگے بڑھ دیتے ہیں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عصبیت کی اس دیوار کو مٹانے کے لیے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آگے بڑھایا، تاکہ لوگ یہ اِلزام نہ لگائیں کہ عزت دیتے وقت اپنے خسر ابوبکر کو آگے کر دیا، جب کہ "أَحَد، أَحَد" کے نعرے تو بلال نے لگائے تھے، وہ قربانی تو بلال نے دی تھی۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فارس کے وطنی تھے، عربی النسل بھی نہیں تھے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیملی ممبر تو دور کی بات، لیکن سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

"سَلْمَانُ مِنَّا أَهْلِ الْبَيْتِ". (۲)

(سلمان تو ہمارے فیملی ممبرز میں سے ہیں)۔

آج ہمارے معاشرے میں سیرت سے ہٹ کر ایک چیز یہ ہے کہ عصبیت اور حسد

(۱) مصنف ابن أبي شيبة / باب في المؤذن يؤذن على الموضع المرتفع / رقم الحديث : ٢٣٤٤.

(٢) رواه الطبراني / رقم الحديث : ٦٠٤٠.

کی آگ بڑھتی ہی جارہی ہے، کسی کے کاروبار کو دیکھ کر حسد کرنا، ہمیں اسی کی فکر لگی رہتی ہے کہ کسی کو نقصان کس طرح پہنچے، ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے میں لگے رہتے ہیں، ابھی تو جی ایس ٹی (G.S.T.) چل رہا ہے اور انھوں نے وہ گاڑی بھی خرید لی؟ ارے بھائی! تجھے کیا کرنا ہے! مطلب یہ کہ آج لوگ جتنے اپنے دُکھ سے دُکھی نہیں ہیں اس سے کہیں زیادہ دوسروں کے سکھ سے دُکھی ہیں۔

ہمیں اپنا یہ مزاج بنانے کی ضرورت ہے کہ مجھے میرے رب نے جتنا دیا ہے میں اسی پر خوش رہوں، ہر حال میں رب سے راضی رہیں اسے سیکھنے کی ضرورت ہے۔ ؎

نہ تو ہجر ہی اچھا، نہ وِصال اچھا
یار جس حال میں رکھے وہی حال اچھا

؎

راضی بہ قضا ہوں تو سکونِ اَبدی ہے
ہر درد میں آرام، ہر غم میں خوشی ہے

حسد کے بارے میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ نیکیوں کو ایسے کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔(۱)

سیرت کا عملی پیغام:

ربیع الاول کے مہینے کی مناسبت سے تین باتیں آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرنی ہیں:

پہلا پیغام: درودِ پاک کا کثرت سے اہتمام: سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خوب درودِ

(۱) رواه أبوداود/ أول كتاب الأدب/ باب الحسد/ رقم الحديث : ٤٩٠٣.

پاک پڑھو، یہ ایسا وظیفہ ہے کہ اس کے سامنے دنیا کے سب وظائف ہیچ ہیں۔

﴿إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (الأحزاب: ٥٦)

اللہ تعالیٰ خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان بھی سنا ہے: "مَنْ صَلَّى عَلَيَّ وَاحِدًا، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا".(۱) جو مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھے گا اُس پر دَس رحمتیں اُتریں گی۔

آج حالات کتنے پریشان کن ہیں، مصیبتوں اور تکلیفوں نے ہمیں گھیر لیا ہے، رحمتیں اُتریں گی تو رحمتیں، تکلیفیں دور ہو جائیں گی، پریشانیوں اور تکلیفوں کو ختم کرنے کا علاج نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کثرت سے درود شریف پڑھنا ہے۔

دوسرا پیغام: اتباعِ سنت: دوسرا کام جو نہایت اہم ہے وہ یہ کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اپنی زندگی میں زندہ کرنے کا اہتمام کرو۔ اللہ والے فرماتے ہیں کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ سب سنتوں پر عمل کرلو، بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ جو کرو وہ سنت کے مطابق کرو۔

اَنبیا علیہم السلام کی سنت ڈاڑھی سے اعراض کیوں؟

ہم سرکار کی محبت کے دعویدار تو ہیں، لیکن اَفسوس ہوتا ہے جب ہمارے چہروں پر سنت نظر نہیں آتی، سوچیے! قیامت کے دِن جب ہمیں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سفارش کی ضرورت ہوگی تو ہم کیا منہ دِکھائیں گے؟ ؎

یارب! تیرے محبوب کی شباہت لے کے آیا ہوں
حقیقت اُس کو تو کردے، میں صورت لے کے آیا ہوں

(۱) رواه مسلم/ كتاب الصلوٰة / باب الصلوٰة على النبي ﷺ بعد التشهد/ رقم الحديث : ٤٠٨.

افسوس ہے مسلمان پر جو نبیٔ کریم ﷺ کی صورت کی طرح اپنی صورت بنانے کے لیے تیار نہیں۔ خدا کی قسم! ڈاڑھی والا چہرہ جتنا خوبصورت لگتا ہے اُتنا بغیر ڈاڑھی کا چہرہ نہیں لگ سکتا، اگر بغیر ڈاڑھی کے ہونا خوبصورتی کی علامت ہوتی تو آپ ﷺ اور دیگر انبیا علیہم السلام کی کبھی ڈاڑھی نہ ہوتی۔ لہٰذا اپنی زندگیوں میں سنتوں کا اہتمام پیدا کرو۔

تیسرا پیغام: سیرتِ نبی ﷺ کا مطالعہ: ہم نبی ﷺ کی سیرت، سرکار کی زندگی پڑھیں، محبت کسی سے ایک دم نہیں ہو جاتی، پہلے پہچان ہوگی، ملاقات ہوگی، پھر محبت ہوگی، جب ہمیں پتہ ہی نہ ہو کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کیسے تھے؟ آپ کی زندگی کیسی تھی؟ تو پھر ہم میں نبی ﷺ کی محبت کیسے پیدا ہوگی؟

آج کا دَس بارہ سال کا بچہ آئینے کے سامنے کھڑا ہو کر بال ایک طرف جھکا رہا ہے، الگ الگ فیشن (Fashion) سے بال جما رہا ہے، اب اس سے پوچھو کہ بیٹا! ایسے بال کیوں بنا رہا ہے؟ تو فوراً جواب دے گا کہ فلاں خان ایسے بال رکھتا ہے، جب بچپن ہی سے بچے کو موبائل فون تھما دیا گیا اور وہ دِن رات اُن ہی کو دیکھ رہا ہے، اُن ہی کے چہرے پڑھ رہا ہے، تو ظاہر ہے کہ اس کا معصوم ذہن اس سے متاثر ہوگا اور پوری زندگی اس کی اسی طرح گزرے گی۔

سرکار ﷺ کی زندگی کو پڑھیں گے تو سرکار سے محبت پیدا ہوگی، یاد رکھیے کہ سیرت کا عنوان ایک ایسا عنوان ہے کہ دنیا میں اس عنوان پر سب سے زیادہ زبانوں میں کتابیں لکھی گئیں، لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ہم خود بھی نہیں پڑھ رہے ہیں اور اپنے بچوں کو بھی نہیں پڑھا رہے ہیں۔ اگر ہم اپنی آئندہ نسل کو دین و ایمان پر ثابت قدم رکھنا چاہتے ہیں، شریعت و سنت پر باقی رکھنا چاہتے ہیں تو آج کی مجلس کا اَہم پیغام یہ عاجز بندہ آپ کی خدمت میں یہ دینا چاہے گا کہ اللہ کے واسطے اپنی آئندہ نسل کی دین و ایمان پر بقا کے لیے اُن پر رحم کر

کے اپنے بچوں کو سیرتِ نبی ﷺ پڑھاؤ، بار بار پڑھاؤ، سیرت پڑھوگے تو سرکار سے محبت پیدا ہوگی، جب محبت ہوجائے گی تو اِطاعت اور اِتباع کرنا آسان ہوجائے گا۔

آج ہمیں دوسرے پروگراموں (Programs) کے بجائے بچوں کو نبیٔ کریم ﷺ کی ذات وصفات اور آپ کے احوالِ زندگی کے بارے میں معلومات حاصل ہو سکے ایسے پروگراموں کی ضرورت ہے کہ آپ ﷺ کیسے تھے؟ آپ کی زندگی کیسی تھی؟ آپ کی اولاد کتنی تھی؟ وغیرہ، اس طرح کے سیرت کوئز (Quiz) کے پروگرام کرنے کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں سنت نبی ﷺ کو اپنی زندگی میں داخل کرنے اور اپنی نئی نسل کو اس پر عمل پیرا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

ہم مبتلا ہیں مصیبتوں میں حکم الٰہی توڑ کر
عزت کیسے ملے گی سنت نبی کی چھوڑ کر

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الحَمْدُ للهِ رَبِّ العَالمين.

روزے کے

دینی و دُنیوی فوائد

BAYAN QR CODE

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، أَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللهُ تَعَالٰى فِيْ الْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِيْدِ، أَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴿۱۸۳﴾ ﴾ (البقرة : ۱۸۳)

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: "يَقُوْلُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: "الصَّوْمُ لِيْ، وَأَنَا أَجْزِيْ بِه."[۱]

صَدَقَ اللهُ الْعَظِيْمُ، وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

ماہِ رمضان ایک عظیم نعمت:

محترم برادرانِ اسلام، عزیزو اور بزرگو! اللہ رب العزت نے ہم سب کی زندگی میں پھر ایک مرتبہ رمضان المبارک کا قیمتی مہینہ عطا فرمایا، اس پر ہم اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کریں کم ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں رمضان کی اتنی بڑی نعمت دی کہ حدیث پاک میں مروی ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مہینے پہلے رمضان تک پہنچنے کی دُعا مانگی:

" اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ رَجَبَ وَشَعْبَانَ، وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ."[۲]

نیز ایک روایت میں ہے کہ ایک رمضان ختم ہونے کے بعد یکم شوال عید الفطر کے

(۱) رواه البخاري/كتاب التوحيد/ باب قول الله تعالىٰ يريدون أن يُبدِّلوا كلام الله/رقم الحديث: ٧٤٩٢.

(۲)شعب الإيمان للبيهقي/ باب تخصيص شهر رجب بالذكر/ رقم الحديث : ٣٥٣٤.

دِن سے آئندہ آنے والے رمضان کے لیے جنت کوخوشبو کی دھونی دی جاتی ہے۔[1]

ہمارے یہاں جب کوئی معزز مہمان آتا ہےتو اُسے بدبو سے تکلیف نہ ہواس لیے ہم روم فریشنر (Room Freshner) کا استعمال کرتے ہیں، خوشبو کا چھڑکاؤ کرتے ہیں، اسی طرح رمضان کے استقبال کے لیے جنت کوخوشبو کی دھونی دی جاتی ہے، جنت تو سراپا خوشبو کی جگہ ہے، لیکن پھر بھی اس میں رمضان المبارک کے اعزاز میں خوشبو کا چھڑکاؤ کیا جاتا ہے، یہ اتنا مبارک مہینہ ہے۔

ہمیں اس مبارک مہینے کی قدر کرنی ہے، اس کی اَہمیت اور فضیلت کو سمجھنا ہے کہ کتنا مبارک مہینہ ہے، کتنا قیمتی مہینہ ہے۔ اور خطبے کے دوران جو آیت کریمہ پڑھی گئی اس کی مختصر تفصیل اور تشریح کرنی ہے اور اس مبارک مجلس میں روزے کے فوائد بتانے ہیں کہ روزہ رکھنے کے کیا کیا فائدے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا مؤمنین سے خطاب:

قرآن مجید کے دوسرے پارے کی جو آیت کریمہ پڑھی گئی: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے ایمان والو! اے میرا حکم ماننے والو! اے توحید کے علمبردارو! اے روزِ اَزل سے حسنِ حقیقی کے ساتھ پیمانۂ وَفا رکھنے والو! اللہ تعالیٰ نے ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ کا لفظ پورے قرآن مجید میں ۸۸ مرتبہ استعمال فرمایا ہے۔

رئیس المفسرین حبر الامۃ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جب اپنے شاگردوں کو تفسیر پڑھاتے اور قرآن مجید میں ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ کا لفظ آتا تو آپ فرماتے: لوگو! سنبھل جاؤ، احکم الحاکمین رب العالمین تم سے براہِ راست خطاب فرمارہے ہیں۔

---

(۱) عمدة القاري شرح صحيح البخاري.

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس آیت کریمہ میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے میری ماننے والو! ہمیں براہِ راست پکار کر روزے کا حکم فرمایا ہے۔

دنیا کا بادشاہِ وقت اگر کسی بھنگی (باتھ روم صاف کرنے والے) کو ڈائریکٹ آڈر کرے اور بیچ میں کسی واسطے کو استعمال نہ کرے تو وہ بھنگی اپنے لیے بہت فخر کی بات سمجھے گا کہ بادشاہ نے ڈائریکٹ مجھے آرڈر دیا ہے، تو جو تعلق اور نسبت بادشاہِ وقت اور بھنگی کے درمیان ہے اس سے بدرجہا بلند نسبت ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے، کہ بادشاہِ وقت اور بھنگی دونوں انسان ہیں، جب کہ اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین، خالق، مالک اور رازق ہیں، اور ہم سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، اس رب العالمین نے ہمیں ایمان کے لقب کے ساتھ خطاب فرمایا ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾

تورات میں یہود کو جب اللہ تعالیٰ نے ایک مرتبہ خطاب کیا اور پکارا تو وہ بہت خوش ہوگئے اور بڑے ناز میں آگئے، اِتنے ناز میں آگئے کہ قرآنِ پاک میں ان کا جملہ نقل کیا گیا ہے کہ وہ خوشی میں آکر کہنے لگے:

﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ﴾ (المائدۃ : ۱۸)

''ہم تو اللہ کے بیٹے ہیں، ہم تو اللہ کے فرینڈز (Friends) اور دوست ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن مجید میں ۸۸ مرتبہ اس طرح خطاب فرمایا: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے میری ماننے والو! تو یہ ہمارے لیے کس قدر اعزاز اور خوشی کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں براہِ راست خطاب فرمایا ہے۔

فرضیت صیام:

آگے فرمایا: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾ ایمان والو! تم پر روزے فرض

کیے گئے۔ ﴿كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ جس طرح تم سے پچھلی اُمتوں کے لوگوں پر روزے فرض کیے گئے تھے۔ یہ دو الگ الگ باتیں ہیں۔ ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾ کا لفظ بتا رہا ہے کہ ایمان والوں پر روزہ انتہائی اَہم فرض ہے۔ "كُتِبَ" اور "عَلىٰ" کا لفظ ہے، یہ دونوں بتا رہے ہیں کہ فرضیت کی اَہمیت بہت زیادہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہم نے بہت سی مرتبہ سنی اور پڑھی ہے: "بُنِيَ الإِسْلَامُ عَلىٰ خَمْسٍ" اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، اسلام کی بنیاد اور اُس کا فاؤنڈیشن (Foundation) جن پانچ پلرس (Pillars) ستونوں پر ہے اُن میں سے ایک رمضان کا روزہ ہے۔(۱)

ان دونوں چیزوں کو ملایا جائے تو رمضان کے روزے کی اَہمیت اور اس کی فرضیت کا مقام سمجھ میں آتا ہے۔ اگر کوئی ایمان والا جان بوجھ کر بلا کسی عذر کے روزہ نہیں رکھتا تو گویا اس کے اسلام کی بنیاد اَدھوری اور ناقص ہے، اس سے اسلام کا ایک اَہم رُکن ترک ہو رہا ہے اور اس کی دینی عمارت ناقص ہو رہی ہے، بلا کسی مجبوری اور ضرورتِ شدیدہ کے اسلام میں روزوں کو چھوڑنا ناجائز اور حرام ہے۔

﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ط﴾ (البقرة : ١٨٤)

ایسا مرض اور ایسی بیماری کہ مسلمان ماہر ڈاکٹر نے روزہ نہ رکھنے کی تاکید کی ہو کہ روزہ رکھنے سے تمھاری بیماری بڑھ جائے گی یا یہ کہ رزوہ رکھنا تمھارے لیے مہلک اور جان لیوا ہوسکتا ہے تو ماہر ڈاکٹر کے مشورے سے روزہ چھوڑنے کی رُخصت ہے۔

﴿أَوْ عَلٰى سَفَرٍ﴾ سفر شرعی۔ اس سفر کی بنیاد پر بھی روزہ نہ رکھنے کی اِجازت ہے،

---

(١) روه البخاري / كتاب الإيمان/ باب دعاءكم إيمانكم/ رقم الحديث : ٨.

لیکن اُس میں بھی قرآن مجید نے یہی کہا ہے کہ ﴿وَأَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ اگر مجبوری اور پریشانی نہ ہو اور برداشت کرسکتے ہو تو تمھارے لیے روزہ رکھ لینا بہتر ہے، اس لیے کہ یہ ایک روزہ تمھاری زندگی کا قضا ہو جائے گا۔ اور حدیث پاک میں مروی ہے کہ اگر کوئی شخص رمضان کا ایک روزہ بھی چھوڑ دے اور اس کے بعد پوری زندگی روزہ رکھتا رہے تب بھی رمضان کے ایک روزے کی برابری نہیں ہوسکتی۔(۱)

رمضان کے بعد چھوٹا ہوا روزہ رکھنے سے قضا تو ہو جائے گی، لیکن جو مقام و مرتبہ اور جو فضیلت و برکت رمضان کے روزے کی ہے وہ بعد میں ہرگز حاصل نہیں ہوسکتی۔

روزے کے سلسلے میں مسلمانوں کی کوتاہیاں:

آج مسلمان معمولی سے اَعذار اور حیلوں و بہانوں کی بنیاد پر روزہ چھوڑ دیتے ہیں کہ مجھے شوگر ہے، آپ نے ماہر ڈاکٹر سے پوچھا؟ مفتی صاحب سے پوچھا کہ آپ کے لیے روزہ نہ رکھنے کی اِجازت ہے یا نہیں؟ بعض لوگ یہاں تک عذر کرتے ہیں کہ مولوی صاحب! مجھے ذرا بیڑی پینے کی عادت ہے، چار پانچ گھنٹے بیڑی نہیں پیتا تو میرا سر چکرانے لگتا ہے، اس لیے میں روزہ نہیں رکھتا، اب یہ کوئی عذر تھوڑی ہے جس کی بنیاد پر اسلام کا فرض روزہ چھوڑ دیا جائے!

بڑے بڑے شہروں میں اور مسلم محلوں میں یہ بات دیکھی جاتی ہے کہ ہوٹلیں کھلی ہیں، ہوٹل کے مسلمان مالکان ہوٹل کے دروازے پر پردہ ڈال دیتے ہیں اور اَندر کھانے پینے کا انتظام ہوتا ہے، سمجھنے والی بات یہ ہے کہ میرے پیارے! تو نے انسانوں کی نگاہوں

(۱) رواه البخاري / كتاب الصوم/ باب إذا جامع في رمضان، أبوداود / رقم الحديث : ٦٣٩٦، الترمذي/ رقم الحديث: ٧٢٣.

سے بچنے کے لیے یہ پردہ لگادیا ہے اور اَندر سب کام چل رہا ہے، کیا ایسا بھی کوئی پردہ ہے جو اس رب العالمین کی نگاہ سے بچا سکتا ہو؟ ہرگز نہیں، اس لیے کہ وہ تو دِل کے خیالات کو بھی جانتا ہے۔

﴿يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ۝۱۹﴾ (المؤمن : ۱۹)

''اللہ تعالیٰ نگاہوں کی خیانت کو بھی جانتا ہے اور جو کچھ دلوں میں چھپا ہوا ہے اس کو بھی جانتا ہے۔''

روزے کی فضیلت:

ہمیں روزے کی فرضیت اور اَہمیت کو سمجھنا ہے، حدیث پاک میں نبیٔ کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

" مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا، غُفِرَ لَه مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِه."(۱)

''جس ایمان والے بندے نے رمضان کا روزہ رکھا ایمان اور ثواب کی اُمید کے ساتھ، تو اس کے سارے اگلے گناہ معاف کردیے جائیں گے۔''

یہاں دو چیزیں بتائی گئیں: (۱) ایمان کے ساتھ روزہ رکھا جائے۔ (۲) اللہ تعالیٰ سے ثواب کی اُمید کے ساتھ روزہ رکھا جائے۔

اس حدیث پاک کو سمجھنا ہے کہ رمضان کے روزے میں دو شرطیں پائی جائیں گی تو اَگلے سب گناہ معاف ہوجائیں گے:

(۱) "إِيْمَانًا" ایمان کی حالت میں روزہ رکھا۔ سوال یہ ہے کہ ایمان کی قید کیوں لگائی؟ بہت سارے واقعات اور خبریں ہم پڑھتے اور سنتے رہتے ہیں کہ فلاں غیر مسلم شخص

---

(۱) رواه البخاري / كتاب الإيمان/ باب صوم رمضان احتسابا من الإيمان / رقم الحديث: ۳۸.

اِتنے سالوں سے رزوہ رکھتا ہے، اور فلاں بندہ ۲۷ رمضان المبارک کا روزہ ہر سال رکھتا ہے، حالانکہ وہ مسلمان نہیں ہے، تو یہ لوگ روزہ تو رکھتے ہیں، لیکن انھیں وہ ثواب اور مقام نہیں ملے گا جو ایمان والوں کو ملتا ہے، ایمان والا بندہ اگر روزہ رکھے گا تو اس کو یہ فضیلت حاصل ہوگی، غیر مسلم کو یہ فضیلت نہیں ملے گی۔

(۲) "اِحْتِسَابًا" اللہ تعالیٰ سے ثواب کی اُمید رکھتے ہوئے روزہ رکھے کہ اِس روزے پر اللہ تعالیٰ مجھے کیا عطا فرمائیں گے اور مجھے کیا فائدہ حاصل ہوگا۔

مجھے آج کی مجلس میں یہ بات زور دے کر سمجھانی ہے کہ اس وقت مسلمانوں میں روزے کے حوالے سے دِل و دِماغ پر ایک بات چھائی ہوئی ہے کہ روزہ بہت طویل ہے، اس کو اِتنا بولا جارہا ہے، اِتنا دِماغ پر لیا جارہا ہے کہ اس بول کی وجہ سے روزے کی سختی محسوس ہورہی ہے، لوگ ریسرچ کررہے ہیں، کوئی کہہ رہا ہے کہ پچھلے تینتیس (۳۳) سال اور پچھلے چھتیس (۳۶) سال کا سب سے بڑا روزہ اس سال کا ہے۔

ارے پیارے! اگر اس سال کا روزہ سب سے بڑا ہے تو اس کا ثواب بھی سب سے بڑا ہوگا، یہاں تک ریسرچ ہورہا ہے کہ کس ملک کا روزہ سب سے بڑا ہے اور کہاں کا روزہ سب سے چھوٹا ہے؟ پھر دِل ہی دِل میں یہ تمنا بھی انگڑائی لے رہی ہوتی ہے کہ کاش! میں بھی آرجنٹینا پہنچ جاؤں اور وہاں کے گیارہ گھنٹے کے روزے میں میرا بھی کام چل جائے، ''روزہ بہت بڑا ہے'' اس ہوّے کو ختم کرنے کی ضرورت ہے۔

"اِحْتِسَابًا" اللہ تعالیٰ سے ثواب کی اُمید رکھتے ہوئے روزہ رکھنا چاہیے کہ اگر روزہ بڑا ہے تو اس کا ثواب بھی بہت بڑا ملے گا۔

محبت مشکل کام کو آسان بنانے کا نسخہ:

اور ایک بات یاد رکھیے کہ محبت مشکل سے مشکل کام کو آسان کر دیتی ہے، جب دِل میں محبت ہوتی ہے، دل میں کسی کی محبت کی آگ لگ جاتی ہے تو مشکل ترین کام بھی آسان ہو جاتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ کی محبت دِل میں راسخ ہو تو طویل سے طویل روزہ بھی آسان معلوم ہوگا۔

ڈائٹنگ (Dieting) کے لیے لوگ کتنے بھوکے رہتے ہیں، اپنے بدن کی فٹنیس (Fitness) کے لیے لوگ کتنی مشقت برداشت کرتے ہیں، تو کیا اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہمیں اِتنی بھی محبت نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے نام پر بھوکے نہ رہ سکیں؟

ضرورت اس بات کی ہے کہ اس ہوّے کو ختم کیا جائے اور اپنے دِل و دِماغ میں یہ بات بٹھالی جائے: "اِحْتِسَابًا" کہ مجھے کس قدر عظیم ثواب ملنے والا ہے۔ ثواب کی اُمید ذہن میں رکھو اور دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ کی محبت دِل میں بٹھالو، یہ محبت اگر دِل میں راسخ ہوگی تو بڑے سے بڑا روزہ رکھنا آسان ہو جائے گا۔

بہرحال مجھے "اِحْتِسَابًا" پر خاص توجہ دلانی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ثواب کی اُمید رکھتے ہوئے روزہ رکھا جائے۔

علم اور یقین دونوں الگ الگ چیزیں ہیں:

آج کے دور میں ایمان والے بہت سے اعمال کی فضیلت کا علم رکھتے ہیں، دیکھو! فضیلت کا علم الگ چیز ہے، اور اس فضیلت کا یقین الگ چیز ہے، مثلاً ہم نے حدیث پاک میں سنا ہے کہ قرآن مجید کا ایک حرف پڑھنے پر دَس نیکیاں ملتی ہیں۔ [1]

---

(١) رواه الترمذي / أبواب فضائل القرآن / باب من قرأ حرفا من القرآن ما له من الأجر / رقم الحديث : ٢٩١٠.

یہ بات ہمارے علم میں ہے، اکثر لوگ جانتے ہیں کہ ایک حرف پڑھنے پر دس نیکیاں ملتی ہیں، یہ علم الگ چیز ہے اور اس علم کا یقین الگ چیز ہے کہ مجھے ضرور دس نیکیاں ملیں گی۔ اب اس یقین کا مقتضا یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ تلاوت کی جائے۔

ہمارے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اس یقین کا فرق ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی علم تھا اور ہمیں بھی علم ہے، لیکن ہمارا یقین کمزور ہے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا یقین پختہ تھا۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا یقین:

ہم نے صحابیِ رسول حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا واقعہ سنا ہے کہ انھیں کسی نے آکر خبر دی کہ حضرت! آپ کا مکان جل گیا ہے، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں، میرا مکان نہیں جلا، اُس شخص نے کہا کہ ہم دیکھ کر آرہے ہیں کہ آپ کا مکان جل گیا، حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں کہتا ہوں کہ نہیں جلا، چلو! جا کر دیکھتے ہیں، جب جا کر دیکھا تو پتہ چلا کہ گھر کے قریب تک آگ آچکی تھی، لیکن حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے گھر کو آگ نہیں لگی، اس شخص نے پوچھا کہ آپ اِتنے اعتماد اور یقین کے ساتھ کیسے فرما رہے تھے؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے ایک دُعا سنی ہے، اس دُعا کی فضیلت میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی تھی کہ جو بھی اس دُعا کو پڑھنے کا اہتمام کرلے تو دِن بھر اس بندے پر کوئی مصیبت نہیں آئے گی، اور آج صبح میں نے یہ دُعا پڑھی تھی۔

وہ دُعا یہ ہے:

" اَللّٰهُمَّ أَنْتَ رَبِّيْ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، عَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ، وَأَنْتَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ، مَا شَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ، أَعْلَمُ أَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، وَأَنَّ اللّٰهَ قَدْ

أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا، اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ، وَمِنْ شَرِّ كُلِّ دَابَّةٍ أَنْتَ أٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا، إِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ."(۱)

حاصل یہ کہ "اِحْتِسَابًا" یعنی ثواب ملنے کا یقین ہو کہ ضرور یہ فضیلت اور نعمت ہمیں مل کر رہے گی۔

اللہ تعالیٰ نے آگے فرمایا:

﴿كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ (البقرة : ١٨٣)

اے اُمت محمدیہ! (عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ) یہ روزے صرف تم پر ہی فرض نہیں ہیں، بلکہ پچھلی اُمتوں پر بھی فرض تھے، ''از آدم تا ایں دَم''، بلکہ کتابوں میں لکھا ہے کہ دُنیا میں جتنے مذاہب اور ریلیجنس (Religions) ہیں سب میں روزے کی شکل پائی جاتی ہے، صورتیں الگ ہیں، نام اور طریقے الگ ہیں، کوئی اُپواس کہتا ہے، کوئی کچھ اور کہتا ہے، شکلیں اگرچہ مختلف ہیں لیکن روزے کا تصور تمام مذاہب میں پایا جاتا ہے۔

روزے کے فوائد:

پھر آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (البقرة : ١٨٣)

اصل بات اس مجلس میں آج یہی بتانی ہے کہ روزے کے فوائد کیا ہیں؟ اگر کوئی آقا و مالک اپنے غلام و نوکر کو کسی کام کا حکم دے کہ تجھے فلاں کام کرنا ہے، تو اس آقا کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ اگر تو اس کام کو کرے گا تو میں تجھے فلاں انعام دوں گا، تجھے یہ فائدہ ملے گا، اور نہ ہی اُس غلام و نوکر کو یہ پوچھنے کا اختیار ہے، لیکن قربان جایئے اس آقا احکم الحاکمین و

(۱) عمل اليوم والليلة : ٥٤.

رب العالمین پر کہ اس نے ہمیں جو حکم فرمایا اس کا فائدہ بھی بتایا کہ دیکھو مسلمانو! یہ کام کروگے تو تمھیں یہ فائدہ ہوگا، نماز پڑھوگے تو تمھیں یہ فائدہ ہوگا:

﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ۗ﴾ (العنکبوت:٤٥)

''نماز برائی اور بے حیائی سے روکتی ہے۔'' اور روزہ رکھوگے تو کیا فائدہ ہوگا؟ فرمایا: ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ تمھاری زندگی میں تقویٰ آئے گا۔

اب روزے کے فوائد سمجھ لیجیے، ہم روزے کے فوائد کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

(۱) روزے کے دُنیوی فائدے۔

(۲) روزے کے اُخروی فائدے۔

روزے کے دُنیوی فوائد:

(۱) روزے کا دُنیوی فائدہ یہ ہے کہ روزہ رکھ کر جب بندہ بھوکا رہتا ہے تو اُسے غریب کی غربت اور تکلیف کا احساس ہوتا ہے، اس کے تئیں اس کا دِل نرم ہوتا ہے کہ میں سال بھر میں گیارہ مہینے تک کھاتا رہتا ہوں، وہیں اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے بھی ہیں جو نانِ شبینہ کے محتاج ہیں، جن کے گھر میں ایک وقت کی روٹی مشکل سے بنتی ہے، اُن کے گھر کی کیا حالت ہوتی ہوگی؟ ہمیں سال بھر اس کا احساس نہیں ہوتا، تو روزہ ہمیں غریب کی غربت کا اور اس کی تکلیف کا اِحساس دِلاتا ہے، جس سے انسان کا تکبر ٹوٹتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکرگزار بندہ بنتا ہے۔

(۲) روزے کا دوسرا دُنیوی فائدہ: طبرانی شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے: ''صُوْمُوْا تَصِحُّوْا'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزہ رکھو! تندرست

ہو جاؤ گے۔[۱]

معلوم ہوا کہ روزہ انسان کی تندرستی کا ضامن ہے، اس سے انسان تندرست رہتا ہے۔

روزہ معدے کی سروس:

ہمارا معدہ ایک قسم کی مشین ہے، جب نئی گاڑی شوروم سے خریدتے ہیں تو اسے سال بھر مسلسل نہیں چلاتے، بلکہ کچھ مہینوں کے وقفے سے اس کی سروِس کرانی پڑتی ہے، اسی طرح ہمارے پیٹ کی مشین جو معدے کی شکل میں ہے، رمضان اس کی سروِس کا مہینہ ہے، معدے کو بھی آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔

معلوم ہوا کہ روزہ انسانی صحت کا ضامن ہے۔

(۳) روزے کا تیسرا دُنیوی فائدہ: فضائلِ اَعمال کی ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ روزہ رکھنے سے انسان صبر کا عادی بن جاتا ہے، یہ بھی کتنا عظیم فائدہ ہے۔

یہ صبر کیسے پیدا ہوتا ہے؟ آسان مثال سے سمجھیے کہ ایک آدمی کا معمول ہے کہ وہ روزانہ دَس بجے اپنے گھر پہنچتا ہے، گھر کا نظام الاوقات طے ہے کہ بیگم صاحبہ مامور ہیں کہ سوا دس بجے دسترخوان تیار کردیں، ایک دِن معمول کے مطابق وہ آدمی گھر پہنچا، لیکن اتفاق سے سوا دَس بجے دسترخوان تیار نہیں ہوسکا، بیوی نے کہا کہ میرے سردار! پندرہ منٹ رُک جائیں، کھانا تیار ہوجائے گا، اب جناب کا پارہ چڑھ گیا اور کہنے لگے کہ تمھیں سمجھ میں نہیں آتا کہ میں صبح کا بھوکا پیاسا آتا ہوں، اور کھانے کا وقت ہو چکا، پھر بھی اب تک کھانا تیار نہیں ہوا؟ اِسے کہتے ہیں بے صبری۔

جو بندہ پندرہ منٹ کے لیے بھوک برداشت نہیں کرسکتا وہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر پندرہ

---

(۱) رواه الطبراني في المعجم الأوسط/ رقم الحديث: ۸۳۱۲.

گھنٹے تک بھوکا رہ سکتا ہے، تو اب اس بندے کے لیے پندرہ منٹ کی بھوک برداشت کرنا آسان ہوجائے گا، اس طرح روزے سے انسان کا نفس صبر کا عادی بن جاتا ہے۔

(۴) روزے کا چوتھا دُنیوی فائدہ: حدیث پاک میں یہ بتایا گیا کہ جو شخص مالی تنگی یا کسی اور وجہ سے نکاح کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اُسے چاہیے کہ وہ روزہ رکھے۔

" وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ؛ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ."(۱)

روزہ انسان کی شہوانی قوت کو روکنے اور توڑنے والا ہے، لہٰذا شہوت پر لگام رکھنے کے لیے بھی روزہ رکھنا ضروری ہے، یہ بھی روزے کے بڑے فوائد میں سے ہے، حاصل یہ کہ روزہ رکھنے سے بندے کو اپنی نفسانی خواہشات و شہوات پر قابو حاصل ہوتا ہے۔

(۵) روزے کا پانچواں دُنیوی فائدہ: بیہقی کی روایت میں ہے کہ ہر چیز کی زکوٰۃ ہوتی ہے، اور انسان کے بدن کی زکوٰۃ روزہ ہے۔(۲)

جس طرح ہم مال کی زکوٰۃ نکالتے ہیں اسی طرح بدن کی زکوٰۃ روزے کی شکل میں ادا ہوتی ہے۔

(۶) روزہ رکھنے سے قوتِ ارادی، وِل پاور (Willpower) مضبوط ہوتی ہے۔ اس کو ایک مثال کے ذریعے سمجھیے! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابو طالب کو جب قریش مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوتِ دین پر خوب طعنے دینا شروع کیا تو چچا ابو طالب نے ان سے پریشان ہو کر نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ بھتیجے! اَب مجھ پر اِتنا بوجھ مت لادو جو میری برداشت سے

---

(۱) رواه البخاري / كتاب الصوم / باب الصوم لمن خاف على نفسه العزوبة / رقم الحديث: ۱۹۰۵. ومسلم/ رقم الحديث: ۱٤۰۰.

(۲)ابن ماجه/ كتاب الصوم/ باب في الصوم زكوٰة الجسد/ رقم الحديث: ۱۷۲۵، شعب الإيمان للبيهقي/ الجزء: ٥/ الصفحة :۱۹۸.

باہر ہو، دُشمنوں کے طعنے سن کر میں پریشان ہو گیا ہوں، اس میں اشارہ تھا کہ آپ اپنے تبلیغ کے کام سے باز آجائیے! اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواباً جو جملہ ارشاد فرمایا وہ قوتِ اِرادی کی یادگار مثال ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"يَا عَمِّ! وَاللهِ لَوْ وَضَعُوا الشَّمْسَ فِي يَمِينِي، وَالْقَمَرَ فِي يَسَارِي عَلَى أَنْ أَتْرُكَ هَذَا الْأَمْرَ حَتَّى يُظْهِرَهُ اللهُ، أَوْ أَهْلِكَ فِيهِ مَا تَرَكْتُه."(۱)

اگر یہ دُشمن میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند لا کر رَکھ دیں تب بھی میں اپنے فرضِ منصبی کی ادائیگی سے پیچھے نہیں ہٹوں گا، میں اپنی تبلیغ کا کام جاری ہی رکھوں گا۔ اسے کہتے ہیں قوتِ اِرادی۔

ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیں! حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جن کی تعریف میں جمعہ کے خطبے میں ہم سنتے ہیں: "أَرْحَمُ أُمَّتِيْ بِأُمَّتِيْ أَبُوْ بَكْرٍ."(۲) میری اُمت میں سب سے زیادہ رحم دِل شخص ابوبکر ہیں۔ زبانِ رسالت سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سب سے زیادہ رحم دِل ہونے کا خطاب ملا، لیکن آپ کی قوتِ اِرادی اس قدر مضبوط تھی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پردہ فرما گئے، اور ایک قبیلے کے لوگوں نے زکوۃ کی ادائیگی سے انکار کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تلوار نکالی اور فرمایا کہ جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں اونٹ کی رَسّی بھی دیتا تھا تو اُسے بھی میں آج تلوار کے زور پر وصول کر کے رہوں گا۔(۳)

اس کا نام ہے قوتِ اِرادی۔ اور ایسی مضبوط قوتِ اِرادی کے حصول میں روزہ بے

---

(۱) البداية والنهاية: ۳ / ٤٧ - ٤٨.

(۲) رواه الترمذي/ أبواب المناقب عن رسول الله ﷺ/ باب مناقب معاذ بن جبل/ رقم الحديث: ۳۷۹۰. ابن ماجه : ١٥٤.

(۳) رواه البخاري / كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة / باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ / رقم الحديث : ۷۲۸٥، البداية والنهاية : ٦ / ۳۱۱.

حد معاون ہے۔

(۷) اسی طرح روزے کا دُنیوی آخری فائدہ یہ ہے کہ جسم انسانی میں بیماریوں سے لڑنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو قوتِ دِفاع (Immunity) رکھی ہے اُسے تقویت حاصل ہوتی ہے، اس کو دلیل سے سمجھو! دنیا میں جتنی تعداد میں انسان بستے ہیں اُن کو بیماریاں بھی ہوتی ہیں، ان کے ڈاکٹر اور حکیم بھی الگ الگ ہوتے ہیں، لیکن کیا جتنی تعداد میں دنیا میں جانور رہتے ہیں اُن کے بھی ڈاکٹر اسی تعداد میں ہیں؟ نہیں، اُن کے ڈاکٹر انسانوں کے مقابلے میں کم کیوں ہیں؟ وہ اس لیے کہ اکثر جانور اپنی بیماری کا ایک گھریلو علاج یہ جانتے ہیں کہ جب وہ بیمار ہو جاتے ہیں تو کھانا چھوڑ دیتے ہیں، یہ کھانا چھوڑ دینا ان کی شفایابی کا سبب بن جاتا ہے، جسم میں بیماری سے لڑنے کے لیے جو قوتِ دِفاع اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت کی گئی ہے بھوک سے اُسے مضبوطی ملتی ہے، لہٰذا جانور بھوکا رہ کر اپنی بیماری دور کرتا ہے۔ حاصل کلام یہ کہ روزے کا ایک دُنیوی فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کی وجہ سے جسم کی قوتِ دِفاع کو تقویت مل جاتی ہے۔

روزے کے اُخروی فوائد:

اب روزے کے اُخروی فوائد بھی ملاحظہ فرمائیں!

(۱) روزے کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا فائدہ وہ ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں بیان فرمایا: ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ روزہ رکھنے کی وجہ سے تمھاری زندگی میں تقویٰ پیدا ہوگا، اللہ تعالیٰ کا ڈر پیدا ہوگا۔

روزے سے تقویٰ کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا ڈر کیسے پیدا ہوگا؟ تو اسے مثال سے سمجھیے کہ روزے کی حالت میں ہم ایک بند کمرے میں ہوں، جہاں فریج بھی موجود

ہو، پانی بھی موجود ہو، لیکن ہم نہیں پیتے، کیوں کہ ہمیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں، یہاں تک کہ وضو میں کُلّی کرنے کے لیے جو پانی منہ میں ڈالا ہے اس میں بھی ہم احتیاط برتتے ہیں کہ کہیں حلق میں کوئی قطرہ نہ اُتر جائے، میرا روزہ ہے اور اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں، یہ تصوّر ہمیشہ رہتا ہے، تقویٰ یہ ہے کہ ہمیں ہر وقت اس بات کا استحضار رہے کہ میرا اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، اس لیے مجھے یہ کام نہیں کرنا ہے، اسی کیفیت کا نام تقویٰ ہے، اور یہی روزے کے ذریعے چاہا جا رہا ہے، جس کی مشق اس طرح کرائی جاتی ہے کہ تین جائز چیزوں (کھانا، پینا اور جماع) کو چھوڑ دو، اور ٹریننگ اس طرح ہوئی کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کو مان کر ایک مہینے تک تین جائز چیزیں چھوڑ سکتا ہے تو وہ گیارہ مہینے کی زندگی میں حرام چیزوں کو بآسانی چھوڑ سکتا ہے۔

ایک وہم کا اِزالہ:

یہاں کسی کو سوال ہوسکتا ہے کہ اس آیت کریمہ سے تو معلوم ہوا کہ روزے سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے کلام سے زیادہ سچا کلام کسی کا نہیں ہوسکتا:

﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ۝۸۷﴾ (النساء : ۸۷)

﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ۝۱۲۲﴾ (النساء : ۱۲۲)

اس آیت کریمہ کے تناظر میں ہم اپنے گریبان میں جھانکیں تو پتہ چلے گا کہ ہم میں سے کوئی تیس پینتیس سال سے روزہ رکھ رہا ہے، کوئی چالیس پچاس سال سے روزہ رکھ رہا ہے، تو پھر اِتنے سالہا سال کے روزے ہم میں اللہ تعالیٰ کا ڈر کیوں پیدا نہیں کر رہے ہیں؟ ہماری زندگیوں میں تقویٰ کہاں ہے؟ جب ہم روزہ رکھتے ہیں تو اس کا فائدہ کیوں نظر نہیں آ رہا؟

جواب اس کا یہ ہے کہ حدیث پاک میں فرمایا گیا: "الصَّوْمُ جُنَّةٌ"(۱) روزہ ڈھال ہے۔ڈھال کسے کہتے ہیں؟ ڈھال اس آلے کا نام ہے جس سے دشمن کے حملے کو روکا جائے، تو روزہ ڈھال ہے، جس کے ذریعے نفس وشیطان کی طرف سے ہونے والے حملوں کو روکا جاتا ہے۔

لیکن میرے بھائیو! اگر ڈھال پھٹی ہوئی ہو تو وہ دُشمن کے حملوں کو روکنے میں ناکام رہے گی اور دُشمن کا وار لگ جائے گا، اسی طرح ہمارے روزے بھی کوتاہیوں سے خالی نہیں ہیں، اسی لیے اُن سے جو فوائد ہمیں حاصل ہونے چاہیے تھے وہ نہیں ہو رہے ہیں۔

ہمیں اگر بس (Bus) کے ذریعے سفر کرنا ہو تو ہم ٹکٹ خریدتے ہیں، ٹکٹ خریدتے وقت اگر کنڈکٹر کو ہم پھٹا ہوا نوٹ دیں تو وہ اسے قبول نہیں کرے گا، وہ فوراً کہے گا کہ یا تو دوسرا نوٹ دو یا بس سے اُتر جاؤ، جب اس فانی دُنیا میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لیے پھٹا ہوا نوٹ کام نہیں دیتا تو ظاہر سی بات ہے کہ کوتاہیوں سے بھرے ہوئے روزوں کے ذریعے ہم میں تقویٰ کیسے پیدا ہوگا؟ اور ہمیں جنت کا ٹکٹ کیسے مل سکے گا؟

ہمارے روزے مختلف قسم کی کوتاہیوں سے بھرے ہوئے ہیں، روزے میں ہم تینوں چیزیں تو چھوڑ دیتے ہیں، لیکن غیبت پھر بھی ہوتی ہے، بدنگاہی بھی ہوتی ہے، زبان پر جھوٹ بھی جاری رہتا ہے، درحقیقت ان گناہوں کے سبب ہمیں روزے کا نور اور تقویٰ حاصل نہیں ہو پاتا۔

ایک حسّی مثال:

دیکھو! ہم کسی عالی شان مسجد میں بیٹھے ہوں، جہاں اے سی کی ٹھنڈک، کولنگ

(۱) رواه الترمذي/ أبواب الإيمان / باب ما جاء في حرمة الصلوٰة / رقم الحديث : ۲٦١٦.

(Cooling) سے ہم فائدہ اُٹھا رہے ہوں، تو اس ٹھنڈک کو برقرار رکھنے کے لیے ہمیں دو باتوں کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے، ایک یہ کہ اے سی کی سوئچ آن (Switch on) ہو اور دوسرا یہ کہ تمام دروازے اور کھڑکیاں ہمیں بند رکھنی ہوں گی، تب ہی ہم اے سی کی ٹھنڈک سے فائدہ اُٹھا سکیں گے، اسی طرح روزے کی روحانیت اور نورانیت سے فائدہ اُٹھانے کے لیے ہمیں دو کام کرنے پڑیں گے، ایک تو سحری یا نیت کے ذریعے سوئچ آن کرنی پڑے گی، اور دوسرا کام یہ کہ دِن بھر گناہوں کو ترک کرنا ہوگا، اگر ہم نے سحری کے ذریعے روزے کی سوئچ تو آن کر دی، لیکن گناہوں کی کھڑکیاں اور دروازے بند نہیں کیے تو روزے کا نور اور تقویٰ ہماری زندگی میں پیدا نہیں ہوگا، یہی وجہ ہے کہ سالہا سال کے روزے بھی ہماری زندگیوں میں تقویٰ کا انقلاب پیدا نہیں کر پا رہے ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ روزے کا اُخروی فائدہ یہ ہے کہ اس سے ہماری زندگیوں میں تقویٰ پیدا ہوگا۔

(۲) روزے کا دوسرا اُخروی فائدہ: ایک حدیث قدسی میں مروی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" الصَّوْمُ لِيْ، وَأَنَا أَجْزِيْ بِهٖ."(۱)

"روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔"

ایک سوال اور اس کا جواب:

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ ہم جتنی بھی عبادتیں کرتے ہیں وہ تمام اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہی تمام عبادتوں کا ثواب عطا فرماتے

---

(۱) رواه البخاري/ رقم الحديث : ۷٤۹۲.

ہیں، پھر اس حدیث پاک میں خصوصی طور پر روزے ہی کے بارے میں یہ کیوں فرمایا کہ ''روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔''

شراحِ حدیث نے اس سوال کے جواب میں فرمایا ہے کہ ہم جتنی عبادتیں کرتے ہیں اُن تمام میں سب سے زیادہ اِخلاص روزے میں پایا جاتا ہے، روزے میں اعلیٰ درجے کا اِخلاص ہے، اور وہ اس لیے کہ دیگر عبادتوں کی کیفیت میں غور کریں تو پتہ چلے گا کہ اگر ہم مسجد میں نماز پڑھ رہے ہوں تو سب دیکھیں گے کہ ہم نماز پڑھ رہے ہیں، گھر میں نماز پڑھیں گے تو گھر والے دیکھیں گے کہ نماز پڑھ رہے ہیں، زکوٰۃ دے رہے ہوں تب بھی غریب کو پتہ چلے گا کہ سیٹھ صاحب نے مجھے زکوٰۃ دی ہے، اور ہمارے معاشرے میں حج کے تو کیا کہنے! مہینوں پہلے سے اعلان شروع ہو جاتا ہے کہ حاجی صاحب فلاں تاریخ کو سفر حج پر روانہ ہوں گے، دعوتِ طعام دی جارہی ہے، پھر سفر حج سے واپسی پر بھی اِعلان ہوتا ہے کہ حاجی صاحب حج کر کے تشریف لائے ہیں، اب یہ ''حاجی صاحب'' کہلاتے ہیں، ایک فرض عبادت کی ادائیگی پر یہ ڈگری مل گئی! حالانکہ فرض کی ادائیگی تو ضروری ہے، اس پر اس قسم کے اَلقاب دیے جائیں تو نماز پڑھنے پر نمازی، روزہ رکھنے پر رمضانی، زکوٰۃ دینے پر زکاتی بھی ہونا چاہیے! یہ ہمارے معاشرے کا بگاڑ ہے کہ حج جیسی فرض عبادت کی ادائیگی پر خود کو ''حاجی صاحب'' کہلوانا حج کے اِخلاص کو ضائع کرنا ہے۔

معاشرے میں رِیاکاری کا بگاڑ:

اس رِیاکاری کا بگاڑ ہمارے معاشرے میں کس حد تک پھیل گیا ہے اس کا اندازہ ایک حکایت سے لگائیے کہ ایک ایسے ہی حاجی صاحب کے یہاں کچھ مہمان آئے، میزبان حاجی صاحب نے اُن کی خاطر داری کے لیے اپنے بیٹے کو پکارتے ہوئے کہا: بیٹا! مہمان

آئے ہیں، ان کو آبِ زَم زَم پلاؤ، اور اُس صراحی سے پلاؤ جو ہم سولھویں حج کے موقع پر لائے تھے۔ حاجی صاحب دراَصل یہ بتانا چاہتے تھے کہ انھوں نے سولہ حج کیے ہیں۔ ایسی رِیاکاری عمل کی برکت اور ثواب کو ختم کردیتی ہے۔

بہر حال روزے میں اِخلاص دیگر تمام عبادات کے مقابلے میں زیادہ پایا جاتا ہے، اس لیے کہ جب تک روزے دار بندہ خود نہ بتائے وہاں تک اس کا روزے دار ہونا کسی کو معلوم نہیں ہو سکے گا، روزے دار کی ظاہری ہیئت دیکھ کر کوئی نہیں بتا سکتا کہ حضرت روزے سے ہیں یا ''روز جیسے'' یعنی بغیر روزے کے ہیں، صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ بندہ روزے سے ہے یا نہیں، لہٰذا روزے میں اِخلاص زیادہ پایا جاتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "الصَّوْمُ لِيْ" روزہ میرے لیے ہے۔ پھر روزے کا فائدہ بھی بیان فرمایا کہ "وَأَنَا أَجْزِيْ بِهٖ" روزے کا ثواب میں خود دوں گا۔

ہم جتنے بھی نیک اَعمال کرتے ہیں اُن کا ثواب اللہ تعالیٰ ہمیں فرشتوں کے ہاتھوں دِلواتے ہیں، لیکن روزے کے ثواب کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ روزے کا ثواب اس قدر عظیم ہے کہ میں خود اپنی جانب سے اس کا بدلہ دوں گا، درمیان میں فرشتوں کا واسطہ نہیں ہوگا۔ سوچو کہ روزے کی فضیلت کتنی بڑی ہے۔

جس کا رَب اُس کا سب:

ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ کسی بادشاہ نے اعلان کیا کہ مجھے اپنا خزانہ رِعایا کے درمیان تقسیم کرنا ہے، جس کی شکل یہ ہوگی کہ سب لوگ آئیں اور جو جس چیز پر ہاتھ رکھے گا وہ چیز اُسے مل جائے گی، رِعایا میں سے کسی نے سونے پر، کسی نے چاندی پر، کسی نے موتی پر، غرض جس کو جو چیز پسند آئی اس پر اپنا ہاتھ رَکھ دیا، ایک سمجھ دار اور ہوشیار باندی نے سب

سے آخر میں بادشاہ پر اپنا ہاتھ رَکھ دیا، اب جس نے سونے پر ہاتھ رکھا تھا اُسے سونا ملا، جس نے چاندی پر ہاتھ رکھا تھا اُسے چاندی ملی اور جس باندی نے بادشاہ پر ہاتھ رکھا تھا اُسے بادشاہ کے واسطے سے پورا خزانہ مل گیا، بادشاہ جس کا ہوگیا پورا خزانہ اسی کا ہوگیا، اسی طرح اللہ تعالیٰ جس کا ہوگیا اس کا سب کچھ ہوگیا، بالفاظِ دیگر یوں کہیے کہ ساری کائنات اسی کی ہو گئی، کیوں کہ اللہ تعالیٰ زمین وآسمان اور دونوں کے درمیان تمام موجودات کے مالک ہیں:

﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ (المائدة : ۱۸)

حاصل یہ کہ روزے کی فضیلت کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس کا بدلہ میں خود ہوں۔

(۳) ایمان اور ثواب کی اُمید کے ساتھ جو بندہ روزہ رکھے گا اُس کے اگلے سارے گناہ معاف ہوجائیں گے۔

"مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا، غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ."(۱)

(۴) حدیث پاک میں روزے کا ایک اور فائدہ بتایا گیا ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں، اُن میں سے ایک دروازے کا نام "بَابُ الرَّيَّان" ہے، یہ دروازہ روزے دار بندوں کے لیے مخصوص ہوگا، اِس دروازے سے صرف روزے دار بندے ہی داخل ہوں گے۔

" فِيْ الْجَنَّةِ ثَمَانِيَةُ أَبْوَابٍ، فِيْهَا بَابٌ يُسَمَّى رَيَّانَ، لَا يَدْخُلُهٗ إِلَّا الصَّائِمُوْنَ."(۲)

(۱) رواه البخاري/ رقم الحديث : ۳۸.

(۲) رواه البخاري/ كتاب بدء الخلق / باب صفة أبواب الجنة / رقم الحديث : ۳۲۵۷.

بابُ الریّان کی دُنیوی مثال:

روزے دار بندوں کی اس خصوصیت کو ایک مثال سے سمجھیے کہ ہوائی جہاز سے سفر کے لیے جب ہم ائیرپورٹ پہنچتے ہیں تو کسٹم کی جگہ پر تین لائن ہوتی ہیں، ایک لائن اُن مسافرین کی ہوتی ہے جو اُسی ملک کے باشندے ہیں، جو کہیں سے آرہے ہوتے ہیں یا کسی اور ملک میں جارہے ہوتے ہیں، دوسری لائن ان مسافرین کی ہوتی ہے جو کسی دوسرے ملک سے آئے ہوں یا دوسرے ملک جارہے ہوتے ہیں، وہ اسی ملک کے باشندے نہیں ہوتے، ان دونوں لائنوں میں کسٹم والوں کی چیکنگ بڑی سخت ہوتی ہے، جب کہ تیسری لائن فلائٹ کے اسٹاف کی ہوتی ہے، فلائٹ کے عملے کی چیکنگ صرف مخصوص ٹوکن (بلاً) بتادینے سے پوری ہوجاتی ہے، ان کی چیکنگ دیگر مسافرین کی طرح سخت نہیں ہوتی۔

ایک نکتہ:

یہاں ضمناً ایک علمی نکتہ بھی سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے جہنم کے سات اور جنت کے آٹھ دروازے رَکھے ہیں، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ﴾ (الحجر: ٤٤)

’’جہنم کے سات دروازے ہیں۔‘‘

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب کے مقابلے میں وسیع ہے، اللہ تعالیٰ خود یہ چاہتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ بندے جنت میں جائیں، اس لیے جنت کے آٹھ دروازے اور جہنم کے سات دروازے بنائے گئے ہیں۔

(۵) اسی طرح حدیث پاک میں ہم نے سنا ہے کہ اِفطار کے وقت روزے دار بندہ جو دُعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں:

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: "لِلصَّائِمِ عِنْدَ إِفْطَارِهِ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ."(۱)

جس طرح مزدور جب اپنے مالک کا کوئی کام اچھی طرح کر کے اس کو خوش کر دے تو مالک اسے کہتا ہے کہ تو جو مزدوری چاہے مانگ لے، میں تجھے دے دوں گا، اسی طرح ایسا روزے دار جس نے اپنا روزہ تمام مکروہات سے بچتے ہوئے مکمل کیا ہو، پھر اِفطار کے وقت وہ اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگے تو اُس کی دُعا قبول ہوتی ہے۔

یہ بات ذہن نشین رکھیں کہ اِفطار کا وقت بہت ہی مبارک اور دُعا کی قبولیت کا وقت ہے، بڑے اَفسوس کی بات ہے کہ اتنا قیمتی وقت عموماً ہم ضائع کر دیتے ہیں، اکثر مرد حضرات اِفطاری کا سامان خریدنے میں اور خواتین گھر والوں کی مختلف فرمائش کے مطابق مختلف النوع کھانے پکانے میں اپنا قیمتی اور مبارک وقت ضائع کر دیتی ہیں۔ اس طرح دُعا کی قبولیت سے ہم خود بھی محروم اور گھر والے بھی محروم رہتے ہیں۔

آج کی اِس مبارک مجلس میں آپ حضرات کی خدمت میں خصوصی پیغام یہ پیش کرنا ہے کہ اپنے گھروں کا ایسا ماحول بنائیں کہ قبیل الافطار، افطار سے دس پندرہ منٹ پہلے گھر کے تمام اَفراد بچوں کے ساتھ دسترخوان پر جمع ہو جائیں اور دُعا میں مشغول ہوں۔

میرے بھائیو! اللہ تعالیٰ کو یہ ادا بے حد پسند آئے گی کہ تمام نعمتیں موجود ہیں، لیکن معصوم بچے تک ان نعمتوں کو ہاتھ نہیں لگا رہے ہیں، صرف اس وجہ سے کہ اب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں آیا، اللہ تعالیٰ ہماری اِس ادا کو ضرور پسند فرمائے گا اور اس وقت اِجابت میں ہم جو دُعا مانگیں گے ضرور قبول ہوگی، اس لیے عزم کرلیں کہ ہمیں اس فضیلت کو کبھی بھی گنوانا نہیں ہے۔

---

(۱) رواه البيهقي في شعب الإيمان/ فصل ما يفطر الصائم عليه... / رقم الحديث : ٣٦٢٤.

یہ روزے کے کچھ دُنیوی اور اُخروی فوائد وفضائل بتائے گئے، اب مجھے دو چار باتیں اور بھی بتانی ہیں۔

رمضان کا کورس:

حکیم الامت حضرت مولانا اَشرف علی تھانویؒ نے ماہِ رمضان کا ایک کورس بنایا ہے اور فرمایا کہ رمضان میں چار کام کرو:

(۱) تقلیل طعام۔(کم کھانا)

(۲) تقلیل منام۔(کم سونا)

(۳) تقلیل کلام۔(کم بولنا)

(۴) تقلیل الاختلاط مع الانام۔لوگوں سے ملنا جلنا، میٹنگ اور ملاقات کم کرنا۔

اس پس منظر میں ہمیں اپنی رمضان کی راتوں کے بارے میں بہت غور وفکر کی ضرورت ہے کہ ہمارا کھانا، پینا اور سونا اس مبارک مہینے میں کم ہوا ہے یا زیادہ؟ اَفسوس کی بات ہے کہ ماہِ رمضان میں ہمارا معمول دیکھ کر تو یہ لگتا ہے کہ گویا رمضان کھانے پینے اور سونے کا مہینہ ہے، جب کہ حقیقت میں رمضان عبادت کا مہینہ ہے۔

تقلیل طعام:

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ نے ''فضائلِ اعمال'' میں اس حالت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ سحری میں سیر ہوکر کھالیا، حفظ ما تقدّم ہوگیا، پھر اِفطاری میں دِن بھر کی تلافی کرلی، بلکہ کھانے کے اَوقات اور بڑھ جاتے ہیں، عام دِنوں میں تین وقت کھاتے ہیں، جب کہ رمضان میں اولاً سحری میں کھاتے ہیں، پھر مغرب کی

اَذان ہوتے ہی اِفطاری کا کھانا، پھر مغرب کی نماز کے بعد بھی کھانا پینا چلتا ہے، اور تراویح کے بعد بھی ایک دور چلتا ہے، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس ماہِ مبارک کے مبارک وقت کو ہم کھانے میں کم اور عبادت میں زیادہ صرف کرتے۔

ماہِ رمضان میں زیادہ کھانے کی وجہ سے پریشانیاں کتنی بڑھ جاتی ہیں اس کے متعلق ایک واقعہ سنو! ایک نئے نئے حافظ صاحب تراویح میں تلاوت فرمارہے تھے، پیچھے مصلی حضرات میں سے ایک صاحب خوب سیر ہوکر کھانا کھانے کے بعد تشریف لائے تھے، اب وہ ڈکار کی آواز نکال رہے ہیں اور حافظ صاحب یہ سمجھ رہے ہیں کہ مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے اس لیے لقمہ دیا جارہا ہے، حالانکہ یہ لقمہ نہیں، بلکہ بارگاہِ بطن میں لقمہ شرفِ قبول سے ہمکنار ہوا اس کا اعلان تھا! اس طرح مجمع میں ڈکارنے سے عام لوگوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے، اس بات کا خیال رکھنا چاہیے۔

فتاویٰ عالمگیری کے حاشیے میں ایک بات لکھی ہے کہ جو انسان بسیار خور (بہت کھانے والا) ہوتا ہے، جس کو ہر وقت کھانے کی عادت ہوتی ہے، اس کو دنیا میں یہ نقصان ہوتا ہے کہ اس کی بات کا کسی پر اثر نہیں ہوتا اور اُسے بھی کسی بات کا اثر نہیں ہوتا، ایسے بسیار خور کو دنیا میں ہی عذاب ملتا ہے۔

عجیب بات تو یہ ہے کہ ہمیں اپنے مطلب کی آیات واَحادیث خوب یاد رہتی ہیں، رمضان میں تقلیل طعام کے فضائل بیان ہوں گے تو فوراً سوال ہوگا کہ حدیث پاک میں تو ہے کہ رمضان میں مؤمن کا رِزق بڑھادیا جاتا ہے۔[1] ہمارے پاس دلیل ہے، اس لیے ہم زیادہ کھانا کھارہے ہیں۔ تو یاد رکھنا چاہیے کہ رِزق صرف کھانے کو ہی نہیں کہا جاتا، بلکہ رزق

(۱) صحيح ابن خزيمة / المجلد الثالث/ رقم الحديث : ۱۸۸۷.

کے مفہوم میں تمام وہ چیزیں داخل ہیں جن سے انسان اپنی زندگی میں فائدہ اُٹھاتا ہے، اور حدیث پاک میں یہی مفہوم مراد ہے، روزے کا اصل مقصد تو شہوت کو کم کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کو بڑھانا ہے، یہ مقصد تقلیل طعام کی صورت ہی میں حاصل ہوسکتا ہے۔

تقلیل کلام:

کم کھانے پینے کے ساتھ کم بولنے کا معمول بھی رمضان میں بنانا چاہیے، اگرچہ یہ بہت ہی دُشوار ہے، کسی زمانے میں یہ مشہور تھا کہ عورتیں بہت بولتی ہیں، اس پر یہ لطیفہ بھی بنایا گیا کہ ایک مرتبہ مقابلہ ہوا کہ سب سے زیادہ جھوٹ کون بولتا ہے؟ تو پہلا نمبر وہ شخص لے گیا جس نے یہ کہا کہ ''پانچ عورتیں ایک ساتھ جمع ہوئیں اور وہ تمام خاموش تھیں۔'' پہلے یہ اِلزام صرف عورتوں پر تھا، لیکن آج کل کا معاشرہ بتا رہا ہے کہ اب یہ اِلزام غلط ہے، مرد حضرات اُن سے زیادہ بکواس کرتے ہیں۔

قرآنِ پاک میں حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے قصے میں اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم فرمایا تھا کہ اگر آپ کسی کو دیکھیں تو کہہ دیں کہ میں نے آج کسی سے بھی بات نہ کرنے کے روزے کی نذر مانی ہے:

﴿إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنسِيًّا ﴿٢٦﴾﴾ (مریم:۲۶)

غور کرنے کی ضرورت ہے کہ روزہ ہم پر شاق کیوں گزرتا ہے؟ اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ہماری زبان قینچی کی طرح چلتی رہتی ہے، غیبت کرتی رہتی ہے اور ہمیں تنبہ بھی نہیں ہوتا، ابتدا کسی اچھی بات سے ہوتی ہے، پھر آہستہ آہستہ غیبت تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور غیبت کو غیبت نہیں سمجھتے، اس پر ''اِظہارِ حقیقت'' کا پردہ ڈالتے ہیں۔ اس مبارک مہینے میں ہم اس بات کا اہتمام کریں کہ بوقت ضرورت بقدرِ ضرورت ہی بولیں، کچھ بھی بولنے سے

پہلے سوچ لیں کہ کہیں یہ لایعنی بات تو نہیں ہو جائے گی؟ جس میں نہ کوئی دینی فائدہ ہو نہ دُنیوی فائدہ، کوئی فائدہ نہ ہو تو بولنے کی کیا ضرورت ہے؟ بعض اللہ والے فرماتے ہیں کہ اگر ہمیں چپ رہنے کے مزے کا پتہ چل جائے تو ایک لفظ بولنا بھی بھاری بوجھ ہو جائے، چپّی کے اپنے مزے ہیں۔

بہر حال تیسری چیز کم بولنا ہے، اور اگر کم بولنا ہے تو یہ بھی ضروری ہو جائے گا کہ ہم لوگوں سے بے وجہ ملنا جلنا کم کر دیں، بے مقصد میٹنگ کم کر دیں، دوست واَحباب کے ساتھ بلا وجہ بیٹھنا بھی کم کر دیں اور اِس ماہِ مبارک کے ایک ایک سیکنڈ اور ایک ایک لمحہ کو غنیمت سمجھ کر اُسے پوری طرح وصول کرنے کی کوشش کریں۔

ماہِ رمضان کی تین تبدیلیاں:

کتابوں میں لکھا ہے کہ رمضان کی آمد کے بعد نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر تمام صلحائے اُمت کے معمولات میں تین تبدیلیاں آتی تھیں:

(۱) اُن کی عبادتوں میں اِضافہ ہو جاتا تھا، اُن کی عبادتیں بڑھ جاتی تھیں، لہٰذا اس ماہِ مبارک میں ہم بھی اپنی عبادتوں کو بڑھانے کا اہتمام کریں، عام دِنوں میں اگر تہجد کی توفیق نصیب نہیں ہوتی تو رمضان میں سحری کی وجہ سے یہ آسان ہو جاتا ہے، سحری کے لیے بیدار ہوتے ہی ہیں تو تہجد کا بھی اہتمام کریں، اوّابین، چاشت اور دیگر نوافل کا بھی اہتمام کریں۔

(۲) اس مبارک مہینے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخاوت، آپ کا صدقہ تیز آندھی سے بھی زیادہ ہو جاتا تھا، جیسا کہ حدیث پاک میں مروی ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: "كَانَ النَّبِيُّ ﷺ أَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ، وَكَانَ أَجْوَدَ مَا يَكُونُ فِي رَمَضَانَ، حِينَ يَلْقَاهُ جِبْرِيلُ،

وَكَانَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَلْقَاهُ كُلَّ لَيْلَةٍ فِيْ رَمَضَانَ حَتَّى يَنْسَلِخَ، يَعْرِضُ عَلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ الْقُرْآنَ، فَإِذَا لَقِيَهُ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ أَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنْ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ."(۱)

(۳) تلاوتِ قرآن پاک اور دُعاؤں کا اہتمام کریں، قرآن مجید اور رمضان کا بہت گہرا رشتہ ہے، اس لیے کہ قرآنِ پاک رمضان ہی میں نازل ہوا۔ بقول مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ: ''اس بابرکت موسم میں انسان کے کان میں پہلی بار نغمۂ اَزل کی سُریلی آواز بے ہوشوں کو بیدار اور ہوشیاروں کو مست کرنے والی پکار پہنچی، جس سے بڑھ کر کوئی دولت، جس سے اونچی کوئی نعمت، جس سے برتر کوئی رحمت عالم تصوّر میں نہیں۔'' چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ (البقرة : ۱۸۵)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ ''فضائلِ اعمال'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''اگر چہ بندہ اپنی نااہلی سے کچھ نہیں کر پاتا، لیکن گھر کی مستورات یومیہ بیس پارے پڑھنے کا اہتمام کرتی ہیں۔''

﴿وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ﴾ (المطففين : ۲٦)

عبادت میں ہمیں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنی چاہیے، کومپیٹیشن (Competition) یہاں ہونا چاہیے کہ اس بندے نے ایک دِن میں پانچ پارے پڑھے تو میں سات پڑھوں گا، اس طرح رمضان المبارک کو زیادہ سے زیادہ تلاوتِ قرآن میں گزارنے کی ضرورت ہے۔

اس مبارک مہینے میں ہم سب عہد کرلیں کہ زیادہ سے زیادہ تلاوت کا اہتمام

(۱) رواه البخاري/ باب أجود ماكان النبي ﷺ يكون في رمضان/ رقم الحديث : ۱۹۰۲.

کریں گے اور بات چیت کم سے کم کریں گے، جتنی لایعنی باتیں کم ہوں گی، مجلس بازی کم ہوگی اتنی ہی تلاوت زیادہ ہوگی۔ اللہ رب العزت ہمیں عمل کی توفیق سے نوازیں۔

دُعاؤں کا اہتمام:

آخری بات یہ ہے کہ دُعاؤں کا خوب اہتمام کریں، دُنیا میں کوئی بھی مقصد حاصل کرنا ہو، کوئی بھی کام کسی سے کروانا ہو تو عموماً تین طریقے آزمائے جاتے ہیں: (۱) زر (۲) زور (۳) زاری۔

''زر'' کے معنیٰ ہیں مال، یعنی پیسے دے کر بہت سی جگہ کام کروایا جاتا ہے، بسا اوقات لوگ غلط کام بھی پیسوں کے ذریعے کروا لیتے ہیں۔

دوسرا زور ہے، یعنی جہاں مال کی قوت کام نہ کر سکتی ہو وہاں جاہ یعنی مقام و مرتبہ یا جسمانی قوت کام کر جاتی ہے اور مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔

میرے بھائیو! اللہ تعالیٰ کے یہاں نہ کسی کا زر چل سکتا ہے اور نہ زور، وہاں نہ پیسہ کام آسکتا ہے نہ رُتبہ، اللہ تعالیٰ کے یہاں تو صرف بندے کی ''زاری'' یعنی رونا اور گڑگڑانا اور آنسوؤں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو منانا کام آسکتا ہے، پورے سال کے اَحوال جو ہمارے سامنے رونما ہوئے ان سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں سے بہت ناراض ہیں، اس مبارک مہینے کا موقع ہمیں ملا ہے، لہٰذا جلد از جلد اللہ تعالیٰ کو گریہ وزاری کر کے منالیں۔

﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴿٣٠﴾﴾ (الشوریٰ : ۳۰)

''تم پر جو کوئی بھی مصیبت آتی ہے وہ تمھارے کرتوتوں ہی کا نتیجہ ہے، اور اللہ تعالیٰ تو بہت سے گناہ (بغیر سزا کے) معاف فرما دیتا ہے۔''

ہمارے گناہ تو اِتنے زیادہ اور اِتنے سنگین ہیں ہم سخت سزا کے مستحق ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کا رحم و کرم ہی ہے کہ وہ ہمارے بہت سے گناہ تو بغیر سزا کے ہی معاف فرما دیتا ہے، بس ہمیں متنبہ کرنے کے لیے اور چوکنا رکھنے کے لیے ہمارے کچھ گناہوں کی سزا کے طور پر دُنیا میں سخت حالات پیدا فرماتے ہیں۔ ﴿لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝٤١﴾ (الروم : ٤١) ہم پر لازم ہے کہ اس مبارک مہینے میں ہم اپنے رب کو منالیں، اس سے تعلق کو مضبوط کرلیں، اپنے گناہوں پر سچی ندامت کا اِظہار کریں۔

ماہِ رمضان کی ناقدری:

ایک اور بات بطورِ خاص ملحوظ رکھیں کہ ہمارے بہت سے بھائی رمضان میں کچھ گناہوں کو چھوڑ دیتے ہیں، یہ اچھی بات ہے، لیکن رمضان کے بعد بھی ان گناہوں کا دوبارہ ارتکاب نہ ہو، اس کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے، توبہ کے مفہوم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ مستقبل میں گناہ نہ کرنے کا عزمِ مصمم بھی ہو، مثلاً ہم اپنے بہت سے بھائیوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ رمضان کا لحاظ کرتے ہوئے ڈاڑھی نہیں منڈواتے، لیکن افسوس کہ عید کا چاند نظر آتے ہی سب سے پہلا رُخ حجام کی دُکان ہوگا کہ رمضان تو گزر گیا، اب کلن شیو (Clean Shave) کروالو، ظاہر سی بات ہے کہ یہ رمضان المبارک کی کھلی ناقدری ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ترکِ معصیت کی توفیق بخشی تھی اُسے بھی بندے نے ٹھکرادیا۔ شیخ طریقت حضرت پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں کہ ''ایسا شخص رمضان کا ناقدرا ہے، اس کو رمضان کی قدر نہیں ہے، اگر رمضان کی قدر ہوتی تو پہلے دِن یہی دُعا کرلیتا اور ارادہ کرلیتا کہ آج سے اِس گناہ کو نہیں کرنا ہے، حالانکہ رمضان شروع ہوتے ہی اس نے ارادہ کرلیا تھا کہ رمضان بھر نہیں کٹواؤں گا، چاندرات کو کٹوالوں گا۔'' یہ توفیق الٰہی کی ناقدری

ہے، جو بہت خطرناک اور سنگین ہے۔

ہمیں کوئی بھی گناہ صرف وقتی طور پر نہیں چھوڑنا ہے کہ رمضان آ گیا، اس لیے ہم اس گناہ کو چھوڑ دیں گے، بلکہ پختہ طور پر دائمی ارادہ کرلیں کہ زندگی بھر کے لیے ہم اپنی جان اس گناہ سے چھڑا دیں گے۔

ادائے زکوٰۃ کا اہتمام:

اس ماہِ مبارک میں جن عبادت کو خصوصی طور پر ادا کیا جاتا ہے ان میں سے ایک عبادت زکوٰۃ بھی ہے، ماشاء اللہ اُمت مسلمہ میں ایک بہت بڑا طبقہ ایسا ہے جو زکوٰۃ نکالتا ہے، اللہ تعالیٰ اُن کی جان و مال میں خوب برکت عطا فرمائیں، لیکن عام طور پر اب بھی زکوٰۃ کے بہت سے مسائل سے ناواقفیت ہمارے معاشرے میں پائی جاتی ہے، ہمیں چاہیے کہ ہم علمائے کرام سے مسائل معلوم کریں کہ میرے پاس فلاں قسم کا مال اِتنی مقدار میں اِتنے وقت سے ہے، اس میں کتنی زکوٰۃ واجب ہوگی؟ یہ مسئلہ بھی یاد رکھیں کہ زکوٰۃ کی ادائیگی صرف رمضان المبارک ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ جیسے ہی اموالِ زکوٰۃ پر سال مکمل ہوجائے زکوٰۃ واجب ہوجائے گی، خصوصی طور پر رمضان میں زکوٰۃ کی ادائیگی اس لیے ہوتی ہے کہ رمضان میں ایک فرض عبادت کا ثواب ستر فرض کے برابر ہوجاتا ہے۔

اس ماہ میں نیکیوں کا بھاؤ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑھا دیا جاتا ہے، چنانچہ حدیث شریف میں مروی ہے کہ اس ماہ میں نفل عبادت کا ثواب فرض کے برابر اور ایک فرض کا ثواب ستر فرائض کے برابر ملتا ہے۔(۱)

ترمذی شریف کی ایک روایت میں ہے:

---

(۱) مشكوٰة المصابيح / كتاب الصوم / رقم الحديث : ١٩٦٥، ضعيف.

"تَسْبِيْحَةٌ فِيْ رَمَضَانَ أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ تَسْبِيْحَةٍ فِيْ غَيْرِهِ."(۱)

''ماہِ رمضان میں ایک مرتبہ ''سبحان اللہ'' کہنا غیر رمضان میں ایک ہزار مرتبہ کہنے سے بڑھ کر ہے۔''

اس کو ایک مثال سے سمجھو کہ اگر کوئی حکومت اپنی رِعایا میں یہ اعلان کر دے کہ جس کے پاس جتنی مقدار میں لوہا ہے وہ اسے حکومت کے خزانے میں جمع کروا دے اور اس کے عوض میں سونا لے جائے، تو ظاہر سی بات ہے کہ کئی لوگ اپنے گھر کے دروازے اور کھڑکیاں تک بھی توڑ کر ان میں سے لوہا نکال کر جمع کروائیں گے، تالا وغیرہ بھی توڑ کر جمع کروادیں گے، یہی سوچیں گے کہ ابھی ان لوہے کی چیزوں سے کمائی حاصل کرلو، بعد میں پھر بسائیں گے۔

خلاصۂ کلام:

خلاصہ یہ کہ رمضان المبارک کی عظمتوں، برکتوں اور فضائل کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی مکمل قدردانی کی جائے، اس کی حرمت کا پورا لحاظ کیا جائے کہ رمضان المبارک کا مہینہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہمارے پاس گویا شاہی مہمان ہے، ہمارے پاس یہ مہینہ بوجھ بن کر نہیں، بلکہ رحمت کی موج بن کر آتا ہے، اس لیے خدارا اُس کی حرمت کے منافی کوئی بھی کام ہم سے سرزد نہ ہو، اس کا خاص خیال رکھیں۔

رمضان کی حرمت کا لحاظ بھی سببِ مغفرت ہے:

علامہ عبدالرحمٰن صفوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حکایت بیان فرمائی ہے کہ ایک مجوسی نے اپنے بیٹے کو رمضان کے مہینے میں دِن میں کھاتے ہوئے دیکھ لیا تو اُسے مارا، کہ تو نے اس

(۱) رواه الترمذي: ۱۸۵/۲.

مہینے کی حرمت کا بھی لحاظ نہ کیا؟ کہتے ہیں کہ پھراسی ہفتے اس کا انتقال ہوگیا، توشہر کے کسی عالم نے خواب میں دیکھا کہ وہ جنت میں ہے، تعجب سے پوچھا: ”میاں! تم یہاں کیسے؟“ تو اس شخص نے کہا: ”جب میری موت کا وقت آیا توحرمت رمضان کی وجہ سے مجھے کلمہ پڑھنے کی توفیق دی گئی، لہٰذا میں کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگیا اور الحمدللہ! میرا خاتمہ ایمان پر ہوا۔ (۱)

اللہ رب العزت ہم سب کو کہی سنی باتوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں، سب سے زیادہ اس عاجز کو توفیقِ عمل سے نوازیں، اِن مبارک اَیام کے لمحات کو مکمل طور پر وصول کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، اس ماہِ مبارک سے متعلق تمام عبادات کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، خاص طور پر زکوٰۃ کے اہتمام کی توفیق سے نوازیں۔ آمین یارب العالمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

(۱) نزهة المجالس : باب فضل رمضان والترغيب في العمل الصالح فيه وما فيه من الفضل.

دُعا اَنمول عبادت ہے

BAYAN QR CODE

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، أَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللهُ تَعَالٰى فِيْ الْقُرآنِ الْمَجِيْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِيْدِ، أَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ﴾ (النمل : ٦٢)

وَقَالَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى:

﴿ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۝۶۰﴾ (المؤمن : ٦٠)

وَقَالَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى:

﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ ۭ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۝۱۸۶﴾(البقرة : ١٨٦)

وَقَالَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَاۗءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝۱۵﴾ (الفاطر:١٥)

وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ رضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: "الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ."[١]

وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: "الدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ."[٢]

(١) رواه أبوداود/ كتاب الصلوٰة/ رقم الحديث : ١٤٧٩.

(٢) رواه الترمذي / باب ما جاء في فضل الدعاء.

وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِي اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "إِنَّه مَنْ لَمْ يَسْأَلِ اللّٰهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ."(۱)

وَعَنْ سَلْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "إِنَّ رَبَّكُمْ حَيِيٌّ كَرِيْمٌ، يَسْتَحْيِيْ مِنْ عَبْدِه إِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَيْهِ أَنْ يَرُدَّهُمَا صِفْرًا."(۲)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ، وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

دُعا کی تعریف:

محترم سامعین! رمضان المبارک کی مبارک بہاروں کی آج ستائیسویں شب ہے، چوں کہ ہماری یہ مجلس دُعائیہ مجلس ہے تو مناسب سمجھا گیا کہ اولاً دُعا کے متعلق کچھ آداب، کچھ مستحبات اور کچھ شرعی ہدایات پیش کی جائیں۔

''دُعا'' عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنیٰ ہیں پکارنا۔ اور شرعی اصطلاح میں دُعا کا مطلب ہے اپنی مراد اُس ذات سے مانگنا جو اس حاجت اور ضرورت کو پورا کر سکے، یعنی اپنی چھوٹی بڑی ہر ضرورت کو اللہ تعالیٰ سے مانگنا شریعت کی اصطلاح میں دُعا کہلاتا ہے۔

خطبے میں پڑھی گئی آیات کا ترجمہ:

خطبے میں جو آیات واحادیث پڑھی گئیں، اولاً ان کا ترجمہ سمجھ لیتے ہیں، پھر آگے کی بات سمجھیں گے۔

---

(۱) رواه الترمذي/ أبواب الدعوات/ رقم الحديث : ۳۳۷۳.

(۲) رواه أبوداود/ كتاب الصلوٰة/ رقم الحديث : ۱۴۸۸.

سورۂ نمل کی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ یہ سوال فرمارہے ہیں کہ کون ہے وہ ذات جو پریشان حالوں کی آواز کو سنتا ہے، اُن کی پکار کو قبول کرتا ہے، اور اُن سے تکلیف کو دور کرتا ہے؟ اس کا جواب ظاہر ہے کہ وہ ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔

دوسری آیت کریمہ جو سورۂ مؤمن کی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''مجھ سے مانگو! میں تمھاری دُعا قبول کروں گا، جو لوگ میری عبادت سے تکبر اختیار کر کے منہ موڑلیں گے عنقریب وہ رُسوا ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔''

تیسری آیت کریمہ جو سورۂ بقرہ کی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اور جب میرے بندے میرے متعلق آپ سے سوال کریں تو آپ کہہ دیجیے کہ میں قریب ہوتا ہوں، جب دُعا کرنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پکار کو قبول کرتا ہوں، بس چاہیے کہ وہ مجھے ہی پکاریں اور مجھ پر ایمان رکھیں، تاکہ وہ راہ یاب ہوں۔''

چوتھی آیت کریمہ جو سورۂ فاطر کی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اے انسانو! تم سب ہی اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو، اللہ تعالیٰ کی ذات تو بے نیاز اور قابل ستائش ہے۔''

خلاصۂ روایات:

پہلی روایت حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تمام عبادتوں کی حقیقت دُعا ہی ہے۔''

دوسری روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تمام عبادتوں کا مغز اور خلاصہ دُعا ہی ہے۔''

تیسری روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جو بندہ اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اُس سے ناراض ہوتا ہے۔''

دُنیا میں اگر ہم کسی سے کچھ مانگیں تو پہلی مرتبہ وہ خوشی سے دے دے گا، دوسری مرتبہ منہ چڑھا کر دے گا، اور تیسری مرتبہ راستہ بتا دے گا، اور چوتھی مرتبہ صاف منع کر دے گا، لیکن اللہ تعالیٰ کی شان ممتاز ہے کہ اس سے نہ مانگو تو وہ ناراض ہوتا ہے، تو ہمیں اللہ تعالیٰ سے خوب مانگنا چاہیے۔

چوتھی روایت جو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمھارا رب باحیا اور کریم ہے، جب بندہ دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھاتا ہے تو اسے اس بات سے شرم آتی ہے کہ اپنے بندے کو خالی ہاتھ واپس لوٹا دیں۔

دُعا کی حقیقت:

دُعا صرف ان دُعائیہ الفاظ کا نام نہیں جو زبان سے ادا ہوتے ہیں، ان الفاظ کو تو زیادہ سے زیادہ دُعا کا لباس اور قالب کہا جا سکتا ہے، دُعا تو وہ ہے جو دِل کی گہرائی سے اِس یقین کے ساتھ کی جائے کہ زمین وآسمان کے سارے خزانے صرف اور صرف ربِ کریم کے قبضے واختیار میں ہیں، اور وہ اَپنے در کے سائلوں اور مانگنے والوں کو عطا فرماتا ہے، اور ہمیں تب ہی کچھ مل سکتا ہے جب وہ عطا فرمائے، اس کے در کے سوا ہم کہیں سے کچھ بھی نہیں پا سکتے، اِس یقین اور مکمل محتاجی وکامل بے بسی وعاجزی کے احساس سے بندے کے دِل میں جو خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے اور جس کا زبان سے اِظہار ہوتا ہے وہ ہے دُعا، اس میں الفاظ سے زیادہ دِلی جذبات اور کیفیات کی اَہمیت ہے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ دُعا صرف پڑھنے کی چیز نہیں؛ بلکہ دُعا مانگنے کی چیز ہے۔ دُعائیں دو طرح کی ہوتی ہیں، ایک تو وہ جو ہم ہاتھ اُٹھا کر اللہ تعالیٰ سے اپنی مختلف ضرورتوں کو مانگتے ہیں، اور دوسری وہ دُعائیں ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں مختلف

اَوقات اور مواقع کے لیے سکھائی ہیں، مثلاً گھر میں داخل ہونے اور گھر سے نکلنے کی دُعا، مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کی دُعا، کھانے سے پہلے اور بعد کی دُعا، وغیرہ، ہماری روزمرہ کی زندگی کا کوئی موقع ایسا نہیں جس کے لیے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اُمت کو دُعا نہ بتائی ہو۔

آپ غور کریں کہ فی الحال کرونا وائرس (Corona Virus) کا مرض عام ہے، اور اس وجہ سے دُنیا کے حالات ایسے ہیں کہ ہمارے بزرگ اور بڑی عمر کے لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنی زندگی میں کبھی ایسے حالات نہیں دیکھے، اور بڑے تعجب کی بات ہے کہ مسجد سے اعلان ہو رہا ہے کہ مسجد میں نہ آئیں، جہاں سے "حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ" کا اعلان ہوتا تھا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول دُعاؤں میں ایسے حالات کے متعلق بھی دُعا مروی ہے:

"اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبَرَصِ وَالْجُنُوْنِ وَالجُذَامِ، وَمِنْ سَيِّئِ الْأَسْقَامِ."(۱)

دیکھیے! سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دُعا کی جامعیت کا کمال کہ قیامت تک کتنی ہی بھیانک اور خطرناک بیماریاں آئیں گی اس وقت کسی کو معلوم نہیں تھا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "وَمِنْ سَيِّئِ الْأَسْقَامِ." فرما کر قیامت تک آنے والی بیماریوں سے حفاظت کے لیے اُمت کو دُعا بتا دی، جس کے معنیٰ ہیں کہ ایسی مہلک اور خطرناک بیماریاں جو ہمیں معلوم نہیں، اُن سے بھی اے اللہ! ہم تیری پناہ میں آتے ہیں۔ اور یہ دین اسلام کی خصوصیت ہے کہ اس میں زندگی کے ہر ایک گوشے اور ہر موقع کے لیے شرعی ہدایات موجود ہیں۔

دُعائیں ہماری حفاظت کا ذریعہ:

یہ دُعائیں ہماری حفاظت کا ذریعہ ہیں، ہمیں انھیں یاد بھی کرنا ہے اور دُعائیں اللہ

(۱) رواه أبوداود، كتاب الصلوٰة / رقم الحديث : ١٥٥٤.

تعالیٰ سے مانگنا بھی ہے، نیز اپنی نئی نسل کو بھی یاد کرانا ہے، انھیں بھی ہمیں اللہ تعالیٰ سے مانگنا سکھانا ہے، ہمارا بچہ جب مکتب میں جاتا ہے تو اُستاذ اُسے دُعائیں یاد کراتے ہیں، لیکن ان دُعاؤں کو بچے کی عملی (Practicely) زندگی کا حصہ بنانا والدین کی ذمے داری ہے۔

نماز کا خلاصہ بھی دُعا:

تمام عبادتوں میں سب سے زیادہ اَہمیت شریعت نے نماز کو دی ہے، نماز کا بھی خلاصہ دیکھا جائے تو وہ بھی دُعا کی شکل میں نکلتا ہے کہ نماز کی ہر رکعت میں دُعا مانگتے ہیں: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ (اے اللہ! ہماری سیدھے راستے کی طرف رہنمائی فرما) اور جب نماز ختم ہونے کے قریب ہوتی ہے تو پھر دُعا مانگتے ہیں: "اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ظُلْمًا كَثِيْرًا...الخ" تو نماز کی ابتدا بھی دُعا سے اور نماز کا اختتام بھی دُعا پر ہوتا ہے۔ دُعا کی اَہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کی ابتدا بھی دُعا سے فرمائی، کیوں کہ سورۂ فاتحہ کا بنیادی خلاصہ دُعا ہی ہے، اور قرآنِ مجید کا اختتام بھی دُعا پر ہے، کیوں کہ سورۂ ناس بھی مکمل دُعا ہے۔

دُعا مانگنے کا طریقہ:

یہ ہمارے رب کی کرم فرمائی ہے کہ اس نے ہمیں دُعا مانگنے کا حکم بھی فرمایا اور دُعا مانگنے کا طریقہ بھی سکھایا کہ دُعا کن آداب کے ساتھ مانگنی چاہیے۔ دُنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ جب کوئی سائل کسی خوشحال شخص اور کسی سیٹھ صاحب کے سامنے اپنی ضرورت پیش کرتا ہے تو اولاً اس کی تعریفیں کر کے اسے خوش کرتا ہے، پھر اپنی ضرورت پیش کرتا ہے، سورۂ فاتحہ ہمیں دُعا کا اَدب سکھاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے جب ہم ہدایت کی دُعا مانگیں تو اولاً اس کی حمد وثنا بیان

کی جائے، "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ" کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے سزاوار ہیں، جو تمام جہانوں کا رب ہے، جو بڑا مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے، روزِ جزا کا مالک ہے، ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں، اب اپنا مقصد پیش کیا جائے، تو ہمیں سیدھا راستہ دِکھادے۔ تو اس دُعا کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا اور ہدایت کے لیے قرآن کی شکل میں سورۂ بقرہ سے سورۂ الناس تک کی گائڈ لائنز (Guaid Lines) عطا فرمائی۔

دُعا کے فوائد:

(۱) دُعا کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اس سے دل کو سکون ملتا ہے، یہ دُعا کی نعمت صرف ایمان والوں کے پاس ہے، آپ دیکھیں کہ اس کرونا وائرس کے حالات میں لوگ کیسے دہشت زدہ، خوف زدہ اور سراسیمہ نظر آتے ہیں، لیکن جب مؤمن بندہ دُعا مانگ لیتا ہے تو مطمئن ہوجاتا ہے، کیوں کہ اس کا ایمان ہے کہ موت تو اپنے وقت پر آنے ہی والی ہے، ایسا مؤمن بندہ بیمار ہو یا نہ ہو، بہرحال دُعا کی وجہ سے اس کا ڈر ختم ہوجائے گا، کیوں کہ اسے یقین ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات جو کہ قادرِ مطلق ہے اس سے دُعا مانگ چکا ہوں، یہ بیش بہا دولت صرف ایمان والوں کے پاس ہے، غیر مؤمن کے پاس یہ قیمتی دولت نہیں ہے، اور اس کی وجہ سے ایسے حالات میں ان کی گھبراہت اور بوکھلاہٹ ہم دیکھتے ہیں۔

(۲) دُعا کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ دُعا مانگتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کا تعلق نصیب ہوجاتا ہے۔

(۳) دُعا عبادت ہے، اس لیے بندے کو آخرت میں اس کا ثواب بہرحال ملے گا، دُعا میں جو چیز مانگی گئی ہے وہ خواہ دُنیا میں ملے یا نہ ملے، لیکن اس دُعا کا ثواب آخرت میں تو ہرحال میں ملے گا۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اگر دُعا

سے مقصد حاصل ہو گیا تب تو مطلب کا مطلب اور ثواب کا ثواب، لیکن اگر مقصد اور مطلب حاصل نہ بھی ہوا تو ثواب تو کہیں گیا ہی نہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ دُعا بہر حال فائدے سے خالی نہیں، یا تو دُعا کی قبولیت کی وجہ سے دُنیا میں فائدہ ہوگا، یا اگر دُنیا میں قبولیت ظاہر نہیں بھی ہوئی تو دُعا چوں کہ عبادت ہے اس لیے آخرت میں ان شاء اللہ ضرور فائدہ ہوگا۔

(۴) دُعا میں سچے بندۂ مؤمن کو ایک لذت محسوس ہوتی ہے کہ میں ڈائریکٹ (Direct) اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کر رہا ہوں، اپنی درخواست، اپلیکیشن (Application) احکم الحاکمین کے دربار میں داخل (Submit) کر رہا ہوں، اور اس مناجات کی لذت صرف دُعا کرنے والا بندہ محسوس کرسکتا ہے، اس کیفیت کو الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔

دُعا نہایت آسان عمل:

دُعا اِتنا آسان عمل ہے کہ ہر حالت میں کیا جاسکتا ہے، کھڑے ہوں، بیٹھے ہوں، لیٹے ہوں، ہر حالت میں دُعا کی جاسکتی ہے، کسی بھی حالت میں دُعا کرنے کو اَدب کے خلاف نہیں کہا جائے گا، دُعا اِتنا آسان عمل ہے کہ خواتین کے لیے ناپاکی کے اَیام میں بھی ممنوع نہیں ہے، یہاں تک کہ اُن ایام میں دُعا کی نیت سے قرآن پاک کی آیت پڑھنا بھی جائز ہے، مثلاً "رَبَّنَا اٰتِنَا...الخ" قرآنِ مجید کی آیت ہے، اگر دُعا کی نیت سے پڑھ لے تو اِجازت ہے، ورنہ اس حالت میں قرآن پاک پڑھنا جائز نہیں۔

دُعا مانگنے والے چار قسم کے لوگ:

(۱) سیلفیش (Selfish) مطلب پرست لوگ، یہ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ

جب انھیں ضرورت پڑتی ہے تب ہی دُعامانگتے ہیں، عام حالات میں انھیں اللہ تعالیٰ یاد نہیں آتا، جب کسی بیماری یا مصیبت وحادثہ میں مبتلا ہوتے ہیں تب ہی اُن کو اللہ تعالیٰ کی یاد آتی ہے، مثلاً اگر زُکام، کھانسی اور بخار ہوگیا تو اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنے لگیں گے کہ یا اللہ! کہیں مجھے کرونا نہ ہوجائے، پھر لمبی لمبی دُعائیں مانگیں گے۔

(۲) دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو دُعا اس لیے مانگتے ہیں کہ دُعا مانگنا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، اُن کے دِلوں میں یہ بات راسخ ہوتی ہے کہ جس طرح نماز کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: "أَقِيْمُوْا الصَّلٰوةَ" اسی طرح "اُدْعُوْا رَبَّكُمْ" بھی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، اور دُعا بندے کی ضرورت ہے، یہ لوگ مطلب پرست بن کر نہیں مانگتے، بلکہ دیگر عبادات کی طرح دُعا مانگنا بھی ان کے معمولات کا حصہ ہوتا ہے۔

(۳) تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جن کو اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگنے میں لذت محسوس ہوتی ہے، جن کو اللہ تعالیٰ سے مناجات میں حلاوت نصیب ہوتی ہے، ایسے لوگوں کو تصوف کی اصطلاح میں ''واجد'' کہا جاتا ہے۔ ان مقبول بندوں کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ جب "يَارَبَّنَا، يَامَالِكَنَا، يَاخَالِقَنَا" کہہ کر وہ اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں تو اُن کو اللہ تعالیٰ کا نام لینے میں لذت آتی ہے۔

(۴) چوتھی قسم اللہ تعالیٰ کے اُن برگزیدہ بندوں کی ہے جن کی دُعا سے خود اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں، کہ میرے مقبول بندے نے مجھے پکارا ہے، ان لوگوں کا مقام اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بلند ہوتا ہے۔

دُعا کی شان ہی نرالی ہے:

حدیث شریف میں وارد ہے کہ دُعا ایسی چیز ہے جو تقدیر کو بھی پلٹ سکتی ہے۔

عَنْ سَلْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: "لَا يَرُدُّ الْقَضَاءَ إِلَّا الدُّعَاءُ، وَلَا يَزِيدُ فِي الْعُمْرِ إِلَّا الْبِرُّ."(۱)

دُعا کی شان ہی نرالی ہے، دُعا کے علاوہ دیگر تمام عبادات کا ضابطہ یہ ہے کہ ان میں اگر دُنیا داخل ہوگئی تو ان کا ثواب ختم ہوجائے گا، مگر دُعا ایسی عبادت ہے کہ اس میں بندہ خواہ دُنیا مانگے یا آخرت، بہرحال وہ عبادت ہی رہے گی۔ ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے صرف تقویٰ، اَعمالِ صالحہ اور جنت مانگے تب ہی عبادت ہو اور گاڑی، بنگلہ اور پیسے مانگے تو وہ عبادت شمار نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی دونوں جہان کی بھلائی مانگنے والے بندوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ○﴾ (البقرة : ۲۰۱)

''اور بعض بندے ایسے ہیں جو دُعا میں کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں دُنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی، اور ہمیں جہنم کے عذاب سے محفوظ فرما، یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے ان کے اَعمال کا اَجر ہوگا۔''

دُعا کی تین قسمیں ہیں:

(۱) بندہ خود اپنے حق میں دُعا کرے۔ اس کا خوب اہتمام ہونا چاہیے۔

(۲) دُعا کروانا۔ یعنی بندہ اپنے حق میں دُعا کرنے کے لیے کسی کو درخواست کرے، مثلاً کسی صاحب نسبت بزرگ سے، کسی نیک بندے سے درخواست کرے کہ آپ میرے لیے دُعا فرمادیں، یہاں ایک بات کا لحاظ ضروری ہے کہ دُعا کی درخواست رسمی طور پر

(۱) رواه الترمذي / أبواب القدر / رقم الحديث : ۲۱۳۹.

نہ کی جائے، جیسا کہ آج کل عموماً ہوتا ہے کہ سرسری کہہ دیتے ہیں کہ میرے لیے دُعا کر دیجیے! ایک مؤمن بندے کی دُعا مؤمن بندے کے حق میں قبول ہوتی ہے، حدیث شریف میں مروی ہے کہ ایک بھائی کی غائبانہ طور پر کی ہوئی دُعا دوسرے بھائی کے حق میں قبول ہوتی ہے، پھر اس میں اِخلاص بھی پایا جاتا ہے کہ جس بندے کے حق میں دُعا ہو رہی ہے اُسے معلوم بھی نہیں ہوتا، تو ایسی دُعا جلدی قبول ہوتی ہے، اس کا ثبوت بھی حدیث پاک سے ہے۔

اِمام الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سے دُعا کی درخواست:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ اسْتَأْذَنَه فِيْ العُمْرَةِ، فَأَذِنَ لَه، فَقَالَ: "يَا أُخَيَّ! لَا تَنْسَنَا مِنْ دُعَاءِكَ. وَقَالَ بَعْدُ فِيْ الْمدِيْنَةِ : "يَا أُخَيَّ أَشْرِكْنَا فِيْ دُعَاءِكَ." فَقَالَ عُمَرُ : "مَا أُحِبُّ أَنَّ لِيْ بِهَا مَا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ؛ لِقَوْلِه: "يَا أُخَيَّ!" (۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، آپ اپنے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عمرہ کے سفر میں روانہ ہونے کی اِجازت چاہی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اِجازت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے میرے پیارے بھائی! آپ ہمیں اپنی دُعاؤں میں یاد رکھیں، بھول نہ جائیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری زندگی میں سب سے زیادہ یادگار اور قیمتی جملہ جو میں نے سنا وہ نبئ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ جملہ تھا کہ آپ نے مجھ ناچیز سے فرمایا کہ "يَا أُخَيَّ!" مجھے اگر اس جملے کے بدلے ساری دُنیا بھی مل جائے تو میں دُنیا کو ٹھکرا دوں گا۔

اس واقعے میں غور کرنے سے دُعا کی اَہمیت کا اَندازہ ہوتا ہے کہ نبئ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(۱) مسند أحمد / مسند عمر بن الخطاب رضي الله عنه / رقم الحديث : ۱۹۵، إسناده ضعيف.

کا مقام تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بدرجہا بلند تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو سید الانبیا تھے، پھر بھی آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دُعا کی درخواست فرمائی۔

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی اُویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ سے دُعائے مغفرت کی درخواست:

اسی طرح ایک اور واقعہ منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مدینہ میں جب یمن سے ایک قافلہ آیا، جس میں مشہور تابعی حضرت اُویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت کے مطابق اُس قافلے میں حضرت اُویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کو تلاش کرنے لگے، تلاشِ بسیار کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیان کردہ صفات کے مطابق حضرت اُویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کو پہچان لیا تو سلام وخیریت دریافت کرنے کے بعد درخواست کی کہ آپ میرے حق میں استغفار کر دیجیے! حضرت اُویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نے تعجب ظاہر کرتے ہوئے عرض کیا کہ آپ تو صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، آپ ہی میرے حق میں استغفار فرما دیجیے! تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

"إِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يقول: "إِنَّ خَيْرَ التَّابِعِيْنَ رَجُلٌ يُقَالَ لَهُ: أُوَيْسٌ."(۱)

کہ تابعین میں سب سے افضل ایک شخص ہیں جن کو "اُویس القرنی" کہتے ہیں۔

پھر حضرت اُویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں استغفار کیا۔

اس واقعے سے سبق ملتا ہے کہ یہ بات ضروری نہیں کہ افضل ہی ہمیشہ مفضول کے حق میں دُعا کرے، بلکہ مفضول بھی افضل کے حق میں دُعا کر سکتا ہے، اور افضل اور بڑے شخص کو بھی چاہیے کہ وہ خود سے چھوٹے لوگوں کے پاس بھی دُعا کی درخواست کرنے میں

---

(۱) رواه مسلم / كتاب فضائل الصحابة / باب من فضائل أويس القرني / رقم الحديث : ٢٥٤٢.

رغبت رکھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے، اور تمام علمائے اُمت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کوئی بھی غیر صحابی کبھی بھی صحابی کے مقام کو نہیں پا سکتا، پھر بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تابعی حضرت اُویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ سے دُعا کی درخواست فرمائی۔ اس لیے کہ حسب بیانِ قرآن اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندوں میں سب سے معزز و افضل وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔[1] اور تقویٰ یہ دِل میں چھپی ہوئی چیز ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی مطلع نہیں ہوسکتا۔

کون مقبول ہے؟ کون مردود ہے؟ بے خبر! کیا خبر تجھ کو کیا کون ہے؟
جب تُلیں گے عمل سب کے میزان پر، تب کھلے گا کہ کھوٹا کھرا کون ہے؟

(۳) دُعا لینا: یعنی نفع رَسانی یا خدمت کے ذریعے کسی کو خوش کر کے بغیر کہے اُس کو دُعا دینے پر آمادہ کر دینا، آسان اَلفاظ میں یوں کہا جائے کہ "دُعا نکلوانا"۔ یہ دُعا کی تینوں قسموں میں بہترین قسم ہے، مثلاً طالب علم اپنے اُستاذ کو اپنے کسی کام سے ایسا خوش کر دے کہ بغیر کہے اُستاذ کے منہ سے دُعائیہ کلمات جاری ہو جائیں، یا بیٹا اپنے والدین کی خدمت کر کے انھیں اس قدر خوش کرے کہ والدین کے منہ سے خود بخود بیٹے کے حق میں دُعا جاری ہو جائے۔ یہ دُعا بہت جلدی قبول ہو جاتی ہے۔

ایک صحابیِ رسول کا عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

حضرت طلحہ بن البراء رضی اللہ عنہ ایک چھوٹی عمر کے صحابی تھے، آپ بہت بیمار ہو گئے، بالکل آخری وقت تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کی عیادت کے لیے تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محسوس فرما لیا کہ اب اُن کی زندگی کا آخری وقت ہے، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ مسجد قبا سے کچھ دور رہتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں تشریف لے گئے، عیادت فرمائی اور حاضرین سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب طلحہ کا انتقال ہو تو مجھے خبر کرنا، میں نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے

(۱) الحجرات: ۱۳.

آؤں گا، یہ فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے گئے، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے حاضرین سے فرمایا کہ اگر رات میں میری وفات ہو جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر مت کرنا، غور کرنے کی بات ہے کہ امام الانبیا دو جہاں کے سردار جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس کی نمازِ جنازہ پڑھائیں اس کے لیے کتنے عظیم شرف کی بات ہے، پھر بھی آپ رضی اللہ عنہ نے منع کر دیا، صرف اس وجہ سے کہ رات کے وقت تین چار میل کی دوری طے کر کے آنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف نہ ہو، اس لیے کہ درمیان میں یہود کی بستی تھی، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اپنی زندگی کے آخری موقع پر بھی اس بات کے لیے تیار نہیں تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی بھی طرح کی کوئی تکلیف پہنچے، اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر تشریف لا کر نمازِ جنازہ پڑھاتے تو اس میں ان کا بہت فائدہ تھا، لیکن آپ نے اپنے نجی فائدے کو نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور اُمت کے اجتماعی فائدے پر قربان کر دیا، چنانچہ آپ کا انتقال ہوا، گھر والوں نے ان کی وصیت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع نہیں دی، دوسرے دِن جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی قبر پر تشریف لے گئے اور یہ دُعا فرمائی:

"اَللّٰھُمَّ الْقَ طَلْحَةَ تَضْحَكُ إِلَيْهِ، وَيَضْحَكُ إِلَيْكَ".(۱)

"اے اللہ! آپ طلحہ سے اس حال میں ملیں کہ آپ انھیں دیکھ کر ہنس رہے ہوں اور وہ آپ کو دیکھ کر ہنس رہے ہوں۔"

ایک اہم نکتہ:

یہاں ایک نکتے کی بات سمجھ لیجیے! اگر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمازِ جنازہ میں تشریف لاتے اور وہی دُعا مانگتے جو نمازِ جنازہ میں مانگی جاتی ہے: "اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا

(۱) المعجم الأوسط للطبراني ٨/ ١٢٥ / رقم الحديث : ٨١٦٨.

...الخ" تو اس دُعا میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا نام نہ آتا، لیکن آپ نے قربانی دی تو اس کا اثر یہ ہوا کہ زبانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے آپ کا نام لے کر دُعا کی گئی، اِسے کہتے ہیں ''دُعا نکلوانا''۔ دُعا کی درخواست کرنے والے لوگ تو بہت سے مل جاتے ہیں، لیکن ''دُعا لینے والوں'' کی کمی ہے، ایک چھوٹی سی خدمت بھی بسا اَوقات مخدوم کے دِل سے دُعا نکال کر کام بنا دیتی ہے۔

دُعا کے متعلق ایک شیطانی فریب:

دُعا مانگنے میں بہت سی مرتبہ ہمارے نوجوان ایک شیطانی فریب کا شکار ہو جاتے ہیں، انھیں شیطان یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ میں دُعا کا اَہل نہیں ہوں، میری کیا اَوقات کہ میں اللہ تعالیٰ سے مانگوں؟ میں تو سراپا گنہگار ہوں، میں کیسے دُعا کر سکتا ہوں؟ یاد رہے کہ یہ شیطانی دھوکہ ہے، ایسا بندہ جو اپنے گناہوں کا اعتراف کر کے توبہ کرنا چاہتا ہو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت قریب ہوتا ہے۔

کسی دھاگا بننے والے سے کسی نے پوچھا کہ کونسا بندہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ قریب ہوتا ہے؟ گنہگار بندہ یا نیک بندہ؟ اس نے جواب میں کہا کہ میں کوئی عالم یا عارف نہیں ہوں، میں تو دھاگوں کے ذریعے کپڑے بنتا ہوں، ہماری ایک عادت ہوتی ہے کہ جہاں دھاگا کچا اور کمزور ہو وہاں ہماری نظر زیادہ ہوتی ہے، اور جو دھاگا اچھا اور مضبوط ہو اس کی زیادہ فکر نہیں رہتی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بندہ اپنے گناہوں سے ٹوٹ چکا ہو، جسے اپنے گناہوں کا اعتراف ہو، جب ایسا بندہ توبہ کرتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی عنایاتِ خاصہ ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں گناہوں سے توبہ کرنے والوں کی بہت قدر ہوتی ہے۔

گنہگار بندے کی دُعا بھی قبول ہوتی ہے:

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ ہم سب گنہگار ضرور ہیں، لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، ہم گنہگار ہو کر بھی شیطان سے زیادہ گنہگار تو نہیں، اور اللہ تعالیٰ تو اِتنے مہربان ہیں کہ شیطانِ لعین کو جب سجدے کے اِنکار پر نکال دیا گیا اور اللہ تعالیٰ اس وقت اس پر غضب ناک تھے، کہ اس نے حکم رب کا انکار کیا تھا، ایسے سخت غضب کے موقع پر بھی جب شیطان نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ مجھے قیامت کے دِن تک مہلت دی جائے، تاکہ میں انسانوں کو گمراہ کرسکوں، اس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے اس کا سوال رَد نہیں فرمایا، اور کہا گیا کہ تجھے قیامت تک مہلت دی جا رہی ہے، لیکن میرے مخلص بندے تیرے فریب میں نہیں آئیں گے۔

﴿قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ۝٣٤ وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ ۝٣٥ قَالَ رَبِّ فَأَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۝٣٦ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ ۝٣٧ إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ۝٣٨ قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝٣٩ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ۝٤٠﴾ (الحجر : ٣٤ إلىٰ : ٤٠)

دُعا میں ہونے والی عمومی کوتاہیاں:

دُعا میں ہماری ایک کوتاہی یہ ہے کہ ہم تمام چیزیں اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتے، جب کہ حدیث پاک میں مروی ہے کہ جوتے کا تسمہ (رسّی) اور نمک جیسی چیز بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو۔[1] یعنی معمولی سے معمولی چیز کا سوال بھی ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے کرنا چاہیے۔

---

(١) رواه الترمذي / أبواب الدعوات عن رسول الله ﷺ / رقم الحديث : ٣٦٠٤.

دُعا میں ہماری ایک کوتاہی یہ بھی ہے کہ ہم بہت سی چیزوں کو مستبعد اور ناممکن سمجھ کر اُن کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات قادرِ مطلق ہے، اس کے لیے کوئی بھی چیز بڑی نہیں، کوئی چیز اس کے لیے ناممکن یا مستبعد نہیں، ہماری عقل کسی چیز کو مُحال سمجھے، تب بھی اللہ تعالیٰ سے اس کے متعلق دُعا ضرور کرنی چاہیے۔ مثلاً ایک بندہ اگر ماہانہ پانچ ہزار روپے کماتا ہو، تو وہ اپنے متعلق یہ خیال کر لیتا ہے کہ میں حج کے لیے نہیں جا سکتا، اس لیے کہ میری تنخواہ بہت کم ہے، آدھا مہینہ بھی مشکل سے گزرتا ہے، قرض لے کر گذر بسر ہوتا ہے، میں حج کے لیے کیسے جا سکتا ہوں؟ لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ سے سفرِ حج کی آسانی کے لیے دُعا کرنا بھی چھوڑ دیتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مدار اَسباب پر نہیں، اللہ تعالیٰ بغیر کسی سبب کے بھی تمام چیزوں پر قادر ہیں، رات دِن ہم دیکھتے ہیں کہ کئی وسائل و اَسباب والے بندے حج کے لیے نہیں جا سکتے، اور بہت سے فقراء حج بیت اللہ سے مشرف ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرماتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں اگرچہ اسباب کی دُنیا میں کوئی کام کتنا ہی مشکل، مستبعد اور محال معلوم ہوتا ہو، لیکن اس کے لیے بھی اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے رہنا چاہیے۔

اسی طرح بعض مرتبہ اللہ تعالیٰ سے بڑی چیز مانگنے سے بندہ شرماتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے خزانے میں کوئی کمی نہیں ہے۔ ﴿وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ﴾ (الحجر: ۲۱) جب بھی اللہ تعالیٰ سے مانگیں تو دِل کھول کر مانگیں، وہ بھی اپنے خزانے کھول دینے میں کوئی کمی نہیں رکھے گا، ہاں، بندوں کے مانگنے میں کمی ہو سکتی ہے کہ اُن کو مانگنا نہیں آتا، اللہ تعالیٰ کی عطا میں کوئی کمی نہیں ہے۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے   تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا

اللہ تعالیٰ سے یہ بھی مانگیں کہ اے اللہ! ہمیں تو مانگنا ہی نہیں آتا، تو ہی ہمیں مانگنا سکھا دے، اس لیے کہ ہمیں نہیں معلوم کہ ہمیں کیا مانگنا چاہیے۔

دُعا کا ایک اَہم اَدب:

دُعا کے بہت سے آداب ہیں، جن میں سے ایک اَہم اَدب یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑا کر، رو رو کر دُعا کی جائے، اگر رونا نہ آئے تو رونے جیسی شکل بنائیں اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں کہ اے اللہ! میرا دِل سخت ہو گیا ہے، آنکھیں خشک ہو گئی ہیں، آنسو نہیں نکل رہے، مجھے قلبِ منیب عطا فرما کر عبدِ اَوّاب بنا دے۔

ہمارے بہت سے بھائی کہتے ہیں کہ مجھے مانگنا ہی نہیں آتا، ہاتھ اُٹھانے کے بعد کیا کہنا ہے مجھے نہیں آتا، تو گھبرانے کی ضرورت نہیں، وہ بڑا مہربان رب ہے، اسے ہماری تمام ضروریات اور تکالیف معلوم ہیں، اُسے اَلفاظ کی ضرورت نہیں، اسے سب زبانیں معلوم ہیں، ایک معصوم بچہ جو بولنا نہیں جانتا، اس کے رونے کو ماں خوب سمجھ لیتی ہے کہ وہ کیوں رو رہا ہے، جب ایک ماں اپنے بچے کے رونے کو بخوبی سمجھ لیتی ہے تو ہزاروں ماؤں سے زیادہ مہربان رَب ہمارے رونے کو کیوں نہیں سمجھے گا؟ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم رو کر، گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ کے سامنے سراپا سوال بن کر ندامت کے آنسوں کے ساتھ متوجہ ہوں۔

دُعا تمام حالات میں کی جائے:

علامہ سید عبدالمجید ندیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ''بعض حضرات کا خام خیال یہ ہے کہ عبادت تو بس نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ ہی کا نام ہے، نہیں بھائی نہیں، بلکہ مشکلات و

مصائب کے اوقات میں اللہ تعالیٰ ہی کو پکارنا اور دعا کرنا بھی عین عبادت ہے، قرآن کہتا ہے:

﴿أَمَّن يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ﴾ (النمل:٦٢)

''بھلا وہ کون ہے کہ جب کوئی بے قرار اسے پکارتا ہے تو وہ اس کی دعا قبول کرتا ہے اور تکلیف دور کر دیتا ہے۔''

وہ کون ہے جو بوقت ندا مصیبت زدہ کی دستگیری کرتا اور دکھ ٹالتا ہے؟ اللہ ہی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ دعا کا اہتمام مصیبت ہی کے وقت کیا جائے، جیسا کہ عام طور پر لوگ مصیبت کے وقت ہی دعا کرتے ہیں، راحت میں نہیں، دراصل یہ بندے کی خودغرضی کی بات ہے، دعا کا اہتمام خوشحالی اور تنگ حالی دونوں میں ہونا چاہیے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَسْتَجِيبَ اللّٰهُ لَه عِنْدَ الشَّدَائِدِ وَالْكَرْبِ، فَلْيُكْثِرِ الدُّعَاءَ فِي الرَّخَاءِ."(۱)

''جو بندہ یہ چاہے کہ اللہ تعالیٰ مشکلات میں اس کی دعا قبول فرمائے، تو اُسے چاہیے کہ خوش حالی کے وقت خوب دعا کرے۔''

قبولیتِ دعا کے خاص حالات واَوقات:

ویسے دعا کی قبولیت میں بنیادی اثر تو دعا کرنے والے کے رجوع الی اللہ، تعلق مع اللہ اور اس کی اندرونی کیفیت کا ہوتا ہے، جس کو قرآنِ کریم نے ''اضطرار'' سے تعبیر کیا، لیکن ان کے علاوہ بھی کچھ خاص احوال اور اوقات ایسے ہیں جن میں ربِ کریم کی رحمت وعنایت سے قبولیتِ دعا کی پوری اور قوی اُمید کی جاتی ہے۔ حدیث پاک سے دُعا کی قبولیت کے

(١) رواه الترمذي / باب ما جاء أن دعوة المسلم مستجابة / رقم الحديث : ٣٣٨٢.

جو خاص حالات واوقات معلوم ہوئے ہیں انھیں محقق اسلام حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مقبول ومعروف کتاب (معارف الحدیث، جلد:۵، صفحہ:۱۴۰) میں ذکر فرمایا ہے، وہ یہ ہیں:

(۱) فرض نمازوں کے بعد۔
(۲) ختمِ قرآن کے بعد۔
(۳) اذان واقامت کے بعد۔
(۴) میدانِ جہاد میں جنگ کے وقت۔
(۵) بارانِ رحمت کے نازل ہونے کے وقت۔
(۶) جس وقت کعبۃ اللہ آنکھوں کے سامنے ہو۔
(۷) ایسے جنگل بیابان میں جہاں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دیکھنے والا نہ ہو۔
(۸) میدانِ جہاد میں جب کمزور ساتھیوں نے بھی ساتھ چھوڑ دیا ہو۔
(۹) سفر (حج کا ہو، یا جہاد کا، یا کسی دینی یا دنیوی ضرورت کا، تو حالت سفر) میں
(۱۰) روزے کی حالت میں افطار کے وقت۔
(۱۱) عرفہ کے دن میدانِ عرفات میں۔
(۱۲) جمعہ کی خاص گھڑی میں۔
(۱۳) رات کے آخری حصے میں۔
(۱۴) شبِ قدر میں۔
(۱۵) بیماری میں۔

یہ بات ہمیشہ ملحوظ رکھنی چاہیے کہ دُعا سے مراد اس کی صورت نہیں ہے، بلکہ دُعا سے

مراد اس کی وہ کیفیت ہے جو ذکر کی گئی، اس لیے کہ پودا اُسی دانے سے اُگتا ہے جس میں مغز ہو، اور جس میں مغز ہی نہ ہو اس سے کیا امید کی جاسکتی ہے، ایسے ہی جس دعا میں حقیقت، رقت اور خشیت جیسی کیفیت ہی نہ ہو اس ''رسمِ دعا'' سے کیا اُمید کی جاسکتی ہے!

دعا کی قبولیت کا مطلب اور اس کی صورتیں:

اس موقع پر دُعا کی قبولیت کا مطلب بھی سمجھ لینا چاہیے، کیوں کہ بہت سے لوگ ناواقفیت سے دُعا کی قبولیت کا مطلب صرف یہی سمجھتے ہیں کہ بندہ دُعا میں اپنے مولیٰ سے کچھ بھی مانگے تو وہ فوراً مل جائے، اب اگر وہ نہیں ملتا تو سمجھتے ہیں کہ ہماری دُعا قبول نہیں ہوئی، حالاں کہ یہ بہت بڑی غلط فہمی اور نادانی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بندہ خواہ کتنا ہی علم حاصل کرلے، مگر اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کا علم بے حد ناقص ہے، بلکہ بندہ اپنی خلقت کے لحاظ سے ظلوم وجہول ہے، بہت سے بندے ہیں جن کے لیے مال و دولت فضل اور نعمت ہے، جب کہ بہت سوں کے لیے فتنہ ہے، بعض کے لیے حکومت قربِ الٰہی کا ذریعہ ہے اور بعض کے لیے اللہ تعالیٰ سے بُعد اور دوری کا سبب ہے۔

بندہ نہیں جانتا کہ کون سی چیز اس کے لیے مفید ہے اور کیا مضر ہے، کونسی چیز اس کے لیے بہتر ہے اور کونسی بدتر ہے۔ بسا اوقات بندہ ایسی چیز دعا میں مانگتا ہے جو اس کے لیے مفید نہیں ہوتی، یا اس کا عطا کرنا حکمت الٰہی کے خلاف ہوتا ہے، لیکن دوسری طرف اس کریم آقا کی شانِ کریمی کا یہ تقاضا ہوتا ہے کہ بندے نے مجھ سے دعا کی تو اس کی دعا رد نہ کی جائے، اس لیے باری تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ وہ دُعا کرنے والے کو کبھی بھی محروم نہیں لوٹاتا، بشرطیکہ وہ معاصی اور قطع رحمی کی دعا نہ مانگے تو اس کی دعا ضرور قبول کرتا ہے۔

اتنی تمہید کے بعد یہ بات سمجھ لو کہ دُعا کے قبول ہونے کی چند شکلیں ہیں:

(۱) بندے نے جس چیز کی دُعا مانگی ہے وہی اُسے مل جائے۔

(۲) بندے نے دُعا میں جو چیز مانگی ہے اُس سے بہتر مل جائے۔ اُسے مثال سے یوں سمجھیے کہ کسی نے بچے نے اپنے والد سے سائکل (Cycle) خریدنے کی فرمائش کی، مہربان و مشفق والد نے سوچا کہ بیٹا اٹھارہ سال کی عمر مکمل کر چکا ہے، اس کا لائسنس (Licence) بھی بن سکتا ہے، تو کیوں نہ اُسے بائک (Bike) ہی دے دی جائے، اور وہ اپنے بیٹے کو سائکل کی جگہ بائک دِلا دے۔ حاصل یہ کہ کبھی بندہ جو مانگتا ہے اس سے بہتر اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں۔

(۳) کبھی یہ ہوتا ہے کہ بندے نے دُعا میں جو چیز مانگی ہے اس میں اس کے لیے خیر نہیں ہوتی، تو اللہ تعالیٰ حکمۃً اس چیز کو روک دیتے ہیں، مثلاً چودہ سالہ بچہ اگر اپنے والد سے بائک کی فرمائش کرنے لگے تو والد مشفق ہونے کے باوجود اُسے نہیں دیں گے، وہ سوچیں گے کہ بچہ نو عمر ہے، بائک کو سنبھال نہیں پائے گا، ہوسکتا ہے حادثہ بھی ہو جائے جس سے وہ خود بھی پریشان ہو اور دوسروں کو بھی پریشانی میں ڈال دے، تو والد اپنے بیٹے سے کہے گا کہ بیٹا! ابھی آپ کی بائک چلانے کی عمر نہیں ہے، جب وقت آئے گا تو دِلائیں گے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ دُعا کو رَد نہیں فرماتے، بلکہ بعض مرتبہ مؤخر فرماتے ہیں، پھر وقت آنے پر عطا فرماتے ہیں۔

(۴) دُعا کی قبولیت کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ اُس دُعا کی وجہ سے بندے پر آنے والی کوئی مصیبت ٹال دی جاتی ہے۔ رات دِن ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے حادثات میں بھی بعض بندے ایسے بچ جاتے ہیں کہ دیکھنے والوں کو تعجب ہوتا ہے کہ یہ بندہ کیسے بچ گیا؟ وہ اسی دُعا کی بدولت ہوتا ہے جس کے متعلق بندے کو یہ لگ رہا تھا کہ قبول نہیں ہوئی۔

(۵) دُعا کی قبولیت کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ جو چیز بندے نے مانگی ہے وہ عطا نہ

ہو،لیکن بندے کی اِس دُعا کو اللہ تعالیٰ اس کے حق میں ذخیرۂ آخرت بنا دیتے ہیں،قبولیت دُعا کی یہ سب سے اچھی شکل ہے،حدیث پاک میں مروی ہے کہ بندہ جب دنیا میں کی ہوئی اپنی دُعاؤں کے نتائج آخرت میں ثواب کی شکل میں دیکھے گا تو وہ حسرت کا اِظہار کرتے ہوئے کہے گا کہ کاش! دُنیا میں میری کوئی دُعا قبول نہ ہوتی۔

"يَالَيْتَه لَمْ يُعَجَّلْ لَه شَيْءٌ مِنْ دُعَاءِه."(۱)

حدیث پاک میں ان صورتوں کو بیان کیا گیا ہے:

"عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: "مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَدْعُو بِدَعْوَةٍ لَيْسَ فِيهَا إِثْمٌ وَلَا قَطِيعَةُ رَحِمٍ إِلَّا أَعْطَاهُ اللّٰهُ بِهَا إِحْدَى ثَلَاثٍ: إِمَّا أَنْ تُعَجَّلَ لَهُ دَعْوَتُه، وَإِمَّا أَنْ يَدَّخِرَهَا لَه فِي الْآخِرَةِ، وَإِمَّا أَنْ يَصْرِفَ عَنْهُ مِنْ السُّوءِ مِثْلَهَا."(۲)

خلاصہ یہ ہے کہ دعا میں مانگی ہوئی چیز کا ملنا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے اور حکمت کے تابع ہے،بندے کا کام بس مولیٰ سے مانگنا ہے۔

ے

ہم تو مائل بہ کرم ہیں،کوئی سائل ہی نہیں
راہ دِکھلائیں کسے؟ رہ روِ منزل ہی نہیں (علامہ اقبالؒ)

ہم کو شکوہ ہے کہ ہمارا مدعیٰ نہیں ملتا
دینے والے کو گلہ ہے گدا نہیں ملتا
غفلت شعاری دیکھ کر بندے کی کہتا ہے کریم
دینے والا دے کسے؟ دستِ دُعا نہیں ملتا

---

(۱) كنز العمال / الجزء الثاني / رقم الحديث : ۳۲۹۰.

(۲) مسند أحمد / مسند أبي سعيد الخدري / رقم الحديث : ۱۰۷۰۹.

ایک شاعر کا انتقال ہونے لگا تو اُس نے ایک پرچی پر کچھ اَشعار لکھے اور وصیت کی کہ یہ پرچی میری قبر میں رکھ دینا۔

یارب! تیری رحمت کا اُمیدوار آیا ہوں
منہ ڈھانپے کفن سے شرم سار آیا ہوں
چلنے نہ دیا بارِ گناہ نے مجھ کو پیدل
تابوت میں کاندھوں پہ سوار آیا ہوں

ہماری دُعا قبول کیوں نہیں ہوتی؟

آج بہت سے دُعا کرنے والوں کے دلوں میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ جب دُعا کی قبولیت برحق ہے، تو پھر ہماری دُعائیں قبول کیوں نہیں ہوتیں؟ اس کے چند جوابات حدیث شریف میں ملتے ہیں:

(۱) جب کھانا، پینا اور پہننا حرام ہو، اور حرام ہی سے دعا کرنے والے کی نشوونما ہوئی ہو تو دعا قبول نہ ہوگی۔

"مَطْعَمُه حَرَامٌ، وَمَشْرَبُه حَرَامٌ، وَمَلْبَسُه حَرَامٌ، وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ، فَأَنّٰى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ."(۱)

معلوم ہوا کہ حرام کھانے اور حرام کمانے والے کی دُعا قبول نہیں ہوتی۔

(۲) جب بندہ غفلت کی حالت میں دعا مانگے تو ایسی صورت میں دعا قبول نہیں ہوگی۔ حدیث میں ہے:

"اُدْعُوْا اللّٰهَ وَأَنْتُمْ مُوْقِنُوْنَ بِالإِجَابَةِ، وَاعْلَمُوْا! أَنَّ اللّٰهَ لَا

(۱) رواه مسلم / باب قبول الصدقة من الكسب الطيب / رقم الحديث : ۱۰۱۵.

يَسْتَجِيْبُ دُعَاءً مِّنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لَاهٍ."(۱)

''اللہ تعالیٰ سے قبولیت کے یقین کے ساتھ دُعا مانگو، یاد رکھو کہ حق تعالیٰ اس بندے کی دعا قبول نہیں کرتا جس کا دل دعا کے وقت بھی اللہ تعالیٰ سے غافل اور بے پرواہ ہو۔'' اس سے پتہ چلا کہ غفلت کے ساتھ کی جانے والی دعا قبول نہیں ہوتی۔

(۳) بندہ اگر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی یا کسی رشتے دار سے قطع رحمی کی دعا کرے تو ایسی صورت میں بھی دعا قبول نہیں ہوگی۔ حدیث میں ہے:

"يُسْتَجَابُ لِلْعَبْدِ مَالَمْ يَدْعُ بِإِثْمٍ أَوْ قَطِيْعَةِ رَحِمٍ."(۲)

''بندہ کی دعا اس وقت تک قبول کی جاتی ہے جب تک وہ کسی گناہ اور قطع رحمی کا سوال نہ کرے۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی گناہ اور قطع رحمی کی دُعا قبول نہیں ہوتی۔

(۴) بندہ اگر دُعا کے بارے میں جلد بازی سے کام لے تو ایسی صورت میں بھی دُعا قبول نہیں ہوگی؛ کیوں کہ جلد بازی سے بعض اوقات مایوسی پیدا ہو جاتی ہے، پھر بندہ مایوس ہو کر دُعا کرنا چھوڑ دیتا ہے، جس کی وجہ سے وہ دُعا کی قبولیت کا استحقاق کھو دیتا ہے۔ حدیث میں مروی ہے:

" يُسْتَجَابُ لِأَحَدِكُمْ مَالَمْ يَعْجَلْ، يَقُوْلُ: "دَعَوْتُ، فَلَمْ يُسْتَجَبْ لِيْ"(۳)

''تمھاری دعا اس وقت تک قابلِ قبول ہوتی ہے جب تک کہ جلد بازی سے کام نہ لیا جائے، اور جلد بازی یہ ہے کہ بندہ کہے: ''میں نے دعا کی تھی، مگر وہ قبول ہی نہیں ہوئی۔''

(۱) رواه الترمذي / أبواب الدعوات عن رسول الله ﷺ / رقم الحديث : ۳٤۷۹.

(۲) رواه مسلم / باب بيان أنه يستجاب للداعي ما لم يعجل / رقم الحديث : ۲۷۳۵.

(۳) رواه البخاري / كتاب الدعوات / باب يستجاب للعبد ما لم يعجل / رقم الحديث : ٦۳٤٠.

بندے کا کام دُعا کر کے یقین رکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت دیر سویر ضرور اس کی طرف متوجہ ہوگی۔ پھر کبھی کبھی کسی مقصد کے حصول کے لیے بکثرت دُعائیں کرنا ہی ترقی اور قربِ الٰہی کا ذریعہ ہوتا ہے، جلدی دُعا قبول ہونے کی صورت میں اس نعمت عظمیٰ سے بھی محرومی ہوتی ہے۔

ایک عبرت آموز واقعہ:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک مرتبہ سخت قحط پڑا، لوگ پریشان اور بے حال ہوکر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوکر کہنے لگے: حضرت! دعا فرمائیں کہ اللہ رب العزت بارانِ رحمت نازل فرمادے، حضرت موسیٰ علیہ السلام دُعا کے لیے ستر ہزار بنی اسرائیل کے ہمراہ جنگل میں نکل گئے اور بارش کی دُعا فرمائی: ''الٰہی! معصوم بچوں، نیک بوڑھوں اور بے زبان جانوروں کے طفیل ہم پر رحم فرما کر بارانِ رحمت نازل فرما''۔

ہر نبی مستجاب الدعوات ہوتا ہے، اس اعتبار سے دُعا کے بعد بجائے اُمید بندھنے کے آسمان پہلے سے زیادہ صاف اور آفتاب پہلے سے زیادہ گرم ہوگیا، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہت حیرت ہوئی، پھر دعا کے لیے ہاتھ اٹھا کر عرض کیا: ''یا اللہ! اگر تیری بارگاہ میں میری وجاہت ختم ہوگئی ہے تو نبی آخر الزماں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے التجا کرتا ہوں کہ تو اپنی رحمت متوجہ فرما کر بارش نازل فرما۔'' اسی وقت وحی آئی: ''اے موسیٰ! تمھارا رُتبہ ہمارے یہاں بالکل نہیں گھٹا، مگر بات یہ ہے کہ تمھاری قوم میں ایک ہمارا نافرمان بندہ ہے، جو چالیس سال سے ہمیں ناراض کرتا رہا ہے، جب تک وہ موجود ہے ہم ہرگز ایک قطرہ بارش نہیں برسائیں گے، آپ اعلان کریں، تاکہ مجمع سے وہ نافرمان چلا جائے جس کے سبب بارش رُکی ہوئی ہے۔''

حکم پا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اعلان فرمایا، تو وہ نافرمان بندہ اپنی جگہ کھڑا رہا، چاروں طرف نظر ڈالی، جب اس کے علاوہ اور کوئی مجمع سے نکلتا نظر نہ آیا تو اُس

نے سوچا کہ اگر باہر نکلتا ہوں تو سب کے سامنے رُسوائی ہوتی ہے، اور اگر نہیں نکلتا تو میرے گناہوں کے سبب بارش نہ ہونے سے سب کے لیے پریشانی ہوتی ہے، سوچ کر دل میں توبہ کا فیصلہ کرلیا، پھر چہرے پر پردہ ڈالا اور غفار الذنوب، ستار العیوب سے معافی طلب کی: ''اے میرے ربِ کریم! یہ تیرا بندہ، سراپا گندہ، اپنے گناہوں پر نادم وشرمندہ اور طالب توبہ ہے:

"إِلٰهِيْ وَسَيِّدِيْ! عَصَيْتُكَ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً وَأَمْهَلْتَنِيْ، وَقَدْ أَتَيْتُكَ طَائِعًا فَاقْبَلْنِيْ."

یا اللہ! میں نے چالیس سال تک تیری نافرمانی کی، مگر تو مہلت دیتا رہا، اب تیری طرف توبہ کے ارادے سے متوجہ ہوا ہوں، پس قبول فرما، محروم نہ فرما، مایوس نہ فرما، بس پھر کیا تھا، روایت میں آتا ہے کہ ابھی تو دعا اور توبہ ختم بھی نہیں ہوئی کہ آسمان سے موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بڑا تعجب ہوا! عرض کیا: ''اے اللہ! ابھی تو وہ بندہ مجمع سے باہر نکلا بھی نہیں، پھر یہ بارش کیسے برسی؟'' ارشاد ہوا: ''موسیٰ! پہلے جس کی وجہ سے بارش رُکی تھی اب اُسی کی وجہ سے برسائی ہے، اس لیے کہ اس نے توبہ کر کے ہم سے صلح کر لی ہے، ہمیں راضی اور خوش کرلیا۔''(۱)

کسی نے سچ ہی کہا ہے:

مَرکبِ توبہ عجائبِ مَرکب است
تا فلک تازد بیک لحظۂ زیست

یعنی توبہ کی سواری عجیب تیز رفتار ہوتی ہے، جو ایک ہی لمحے میں آسمانوں تک پہنچ جاتی ہے۔

---

(۱) كتاب التوابين لابن قدامة المقدِسي / ص : ۱۱۵، ضعيف عند علماء الحديث.

اللہ تعالیٰ کی رحمت بے پناہ:

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے ''مدارج السالکین'' میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک بزرگ نے دیکھا کہ ایک ماں اپنے بچے کو گھر سے نکالتے ہوئے کہہ رہی ہے کہ نکل جا! تو نالائق ہے، آج کے بعد نظر مت آنا، تو نے مجھے بہت ستایا، بچے نے بڑی لجاجت کی، لیکن ماں نے بڑی سختی کے ساتھ اُس کو بھگا دیا، وہ بچہ کچھ ہی دور گیا اور ٹھہر کر اپنی عاقبت کے بارے میں سوچنے لگا، غور وفکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ جس گھر سے مجھے نکالا گیا بجز اس کے میرے لیے کوئی جائے پناہ نہیں، اور میری ماں کے علاوہ کوئی مجھے پناہ دینے والا نہیں، شکستہ دِلی کے ساتھ غمگین ہو کر اپنے گھر لوٹ آیا، دیکھا کہ دروازہ بند ہے، چوکھٹ پر سر رکھ کر سو گیا، جب ماں باہر آئی بچے کو اس حال میں دیکھ کر مادری محبت جوش میں آئی، بچے کو سینے سے چمٹا لیا، چوما اور روتے ہوئے کہنے لگی: ''اے میرے بیٹے! تو مجھے چھوڑ کر کہاں جائے گا؟ اور کون ہے میرے سوا جو تجھے ٹھکانہ دے گا؟ (۱)

ہم بھی اللہ تعالیٰ سے یہی کہیں گے: پیارے مہربان اللہ! تیرے دَر کے علاوہ ہمارے پاس کوئی دَر نہیں، تیری چوکھٹ کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں، تجھے چھوڑ کر کہاں جائیں گے؟ اور کون ہے جو ہمیں ٹھکانہ دے گا؟ آپ ہم سے راضی ہو جایئے۔ آمین۔

إِلٰهِيْ! عَبْدُكَ العَاصِيْ أَتَاكَ
مُقِرًّا بِالذُّنُوْبِ وَقَدْ دَعَاكَ
فَإِنْ تَغْفِرْ فَأَنْتَ لِذَاكَ أَهْلٌ
وَإِنْ تَطْرُدْ فَمَنْ نَرْجُوْ سِوَاكَ

اللہ تعالیٰ سے دست بہ دُعا ہوں کہ جو باتیں کہی گئیں اُن پر ہم سب کو عمل کی توفیق سے نوازیں۔ آمین یارب العالمین۔ وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

---

(۱) مدارج السالكين بين منازل إياك نعبد وإياك نستعين : ۲۳۵/۱.

عقیدۂ آخرت کی اہمیت

BAYAN QR CODE

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى، وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى. أَمَّا بَعْدُ.

فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فِيْ الْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ، أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٤﴾﴾ (العنكبوت : ٦٤)

وَقَالَ تَعَالٰى :

﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿١٦﴾ۖ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿١٧﴾ؕ﴾ (الأعلىٰ:١٦-١٧)

﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿٢٠﴾﴾ (الحديد : ٢٠)

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ :

"وَاللّٰهِ مَا الدُّنْيَا فِيْ الآخِرَةِ إِلَّا مِثْلُ مَا يَجْعَلُ أَحَدُكُمْ إِصْبَعَهٗ فِيْ الْيَمِّ، فَلْيَنْظُرْ بِمَ يَرْجِعُ."(١)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ، وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ والشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

تمہید:

محترم برادرانِ اسلام، عزیزو اور دوستو!

اللہ رب العزت سے دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ صحیح اور حق بات کہنے کی توفیق عطا فرمائیں، اللہ تعالیٰ عمل کی نیت سے کہنا اور سننا نصیب فرمائیں۔

---

(١) رواه مسلم / باب فناء الدنيا / رقم الحديث : ٢٨٥٨.

عزیزانِ گرامی! اللہ رب العزت نے ہم سب کو اپنے فضل وکرم اور احسان سے ایمان کی دولت عطا فرمائی۔ ایمان کو قبول کرنے کے بعد ہر مؤمن پر انتہائی اہم دو بنیادی فریضے عائد ہوتے ہیں جن کو عقیدہ اور عمل کہا جاتا ہے، پھر عمل میں بھی دو چیزیں ہیں: کرنے کے کام اور نہ کرنے کے کام۔ اور عقیدہ دِل سے پختہ یقین کے ساتھ ماننے کو کہا جاتا ہے۔

عقیدۂ آخرت:

اللہ تعالیٰ نے شریعت مطہرہ میں ہم سب کو جن عقیدوں، بلیفس (Beliefs) کی فہرست دی ہے اُن تمام میں اہم ترین عقیدۂ آخرت Beliefs In The Hereafter ہے۔ آخرت کی فکر کرنا، قبر کا استحضار، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا، اللہ عزوجل کے سامنے کھڑے ہو کر جواب دہ ہونا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے سوال، پھر ہم کو اس کا جواب دینا ہے، یہ آخرت کے مراحل ہیں، یہ فکر آخرت ہمارا بنیادی عقیدہ ہے۔

خلاصۂ قرآن:

قرآن مجید میں بہت سارے ٹاپکس (Topics) بہت سارے مضامین ہیں، لیکن مفسرین کی ایک بہت بڑی جماعت نے قرآن مجید کے مضامین اور ٹاپکس میں تین باتیں بنیادی طور پر ذکر کی ہیں؛ جیسا کہ حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر میں یہ بات ملتی ہے کہ تین باتیں بنیادی ہیں:

(۱) اثباتِ توحید یعنی اللہ رب العزت کو ماننا اور ایک ماننا۔

(۲) اثباتِ رسالت یعنی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کو ماننا۔

(۳) بعث بعد الموت یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جانا۔

یہ تین عقیدے قرآن مجید میں بنیادی ہیں، ان میں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا یعنی فکر آخرت بھی بہت اہم ہے۔

کثرتِ معاصی کی ایک بڑی وجہ عقیدۂ آخرت کی کمزوری:

آج ہم سب اپنے بارے میں محسوس کر سکتے ہیں کہ ہماری زندگی میں جو گناہ بڑھ رہے ہیں، نافرمانیاں بڑھ رہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی والے کام بڑھ رہے ہیں اس کی ایک بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارا عقیدۂ آخرت انتہائی کمزور ہو چکا ہے۔

ایک بات مجھے بتائیے کہ اگر مجھے کوئی شخص یہ آفر (Offer) دے اور پیشکش کرے کہ میں سو روپیہ انویسٹ (Invest) کروں گا تو تھوڑے عرصے کے بعد مجھے وہ سو روپۓ منافع کے ساتھ بڑھ کر ایک ہزار کی شکل میں ملیں گے تو میں کیا کروں گا؟ ظاہر بات ہے کہ اولاً میں اس آفر دینے والے شخص کے بارے میں غور کروں گا کہ اس پر کتنا بھروسہ کیا جاسکتا ہے؟ وہ کتنا بھروسہ مند، اَتھنٹِک (Authentic) مستند اور معتبر ہے؟ وہ جتنا مستند اور معتبر ہوگا اُسی قدر میں اُس پر بھروسہ کرکے اُس کے کہنے کے مطابق اپنا سرمایہ اِنویسٹ کروں گا، اگر اس شخص پر مجھے پورا بھروسہ ہوگا تو میری کوشش یہی رہے گی کہ میں زیادہ سے زیادہ سرمایہ اس کے کہنے کے مطابق اِنویسٹ کروں، تاکہ مجھے زیادہ پرافٹ (Profit) ملے، اس کے لیے میں پورا رِسک (Risk) اور خطرہ مول لینے کو تیار ہوجاؤں گا۔

پھر کیا وجہ ہے کہ رب العالمین، احکم الحاکمین اللہ عزوجل ہمیں ایک نیکی کا اَجر دَس نیکیوں کے برابر دینے کا وعدہ فرمارہے ہیں، پھر بھی ہمیں یقین نہیں ہوتا۔

﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۝۱۶۰﴾ (الأنعام: ۱٦٠)

''جو کوئی ایک نیکی لائے گا تو اس کے لیے (بطورِ اجر) اس جیسی دس نیکیاں ہیں، اور جو کوئی ایک گناہ لائے گا تو اس کو اس جیسے ایک (گناہ) کے سوا سزا نہیں دی جائے گی اور وہ ظلم نہیں کیے جائیں گے۔''

اللہ رب العزت سے زیادہ سچا کوئی ہو نہیں سکتا۔

﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا﴾ (النساء: ۸۷)

﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا﴾ (النساء: ۱۲۲)

اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچی بات کسی کی نہیں ہوسکتی، وہ رب العالمین فرماتے ہیں کہ تم نیکیوں کا اِنویسٹ کرو، میں تمھیں دس گنا ثواب دوں گا۔ انسان جھوٹا ہوسکتا ہے، وہ مال کی لالچ میں آسکتا ہے، فراڈ (Fraud) کرسکتا ہے، غبن اور دھوکہ کرسکتا ہے، مال دبا سکتا ہے، لیکن رب العالمین، احکم الحاکمین نے جو فرمادیا وہ کبھی غلط نہیں ہوسکتا، اس کے باوجود ہم اپنی نیکیوں کا اِنویسٹ کیوں نہیں کررہے ہیں؟ وجہ یہ ہے کہ ہمارا عقیدۂ آخرت کمزور ہے، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا یقین کمزور ہے۔

دو عقیدوں کی پختگی عمل میں آسانی کا باعث:

جس مؤمن بندے کے دو عقیدے مضبوط ہوجائیں گے ان شاء اللہ عملِ صالح اس کے لیے آسان ہوگا، گناہ سے بچنا آسان ہوجائے گا:

(۱) عقیدۂ آخرت یعنی مرنے کے بعد مجھے دوبارہ زندہ ہونا ہے اور میرے تمام اچھے اور برے اعمال کا حساب ہوگا۔

(۲) ﴿اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى﴾ (العلق: ۱٤) بندہ اس بات کا ہمیشہ استحضار رکھے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں، میں جو کچھ کر رہا ہوں، میری ایک ایک حرکت

ریکارڈ ہو رہی ہے، سی سی ٹی وی کیمرے میں جس طرح محفوظ ہوتا ہے، اللہ رب العزت میرے ہر عمل کو سیو(Save) کر رہے ہیں، محفوظ کر رہے ہیں۔ ﴿وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝۱۰ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝۱۱ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝۱۲﴾ اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ہر وقت ہر جگہ ایک ساتھ دیکھ رہے ہیں۔ ﴿اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝۱۴﴾

جس بندے کے یہ دو عقیدے مضبوط ہوں گے تو ان شاء اللہ اُس کے لیے اعمالِ صالحہ آسان ہو جائیں گے اور گناہ سے بچنا بھی آسان ہو گا۔

روح پر محنت اور باطن کی اصلاح:

آج میں اپنی دُنیوی زندگی کی بھاگ دوڑ پر ایک نظر ڈالتا ہوں، میں اپنی تمام نقل و حرکت ایکٹیویٹیس (Activities) پر، اپنے دن بھر کے کاموں پر ایک نظر ڈالتا ہوں تو میری پوری کوشش اپنے جسم کو بنانے پر اور اس کو مختلف قسم کی سہولیات مہیا کرانے پر مرکوز ہے، اپنی روحانی اصلاح اور اپنے اندرون کو سنوارنے کی محنت کم ہے۔

ہم کتنے وقت کھانا کھاتے ہیں؟ تین وقت، چار وقت یا پانچ وقت، یہ جسم کو غذا دینا ہوا، اس کے ساتھ یہ بھی سوچو کہ روح جو اصل ہے اس کو کتنی غذا دی جا رہی ہے؟ آج ہماری کل ٹوٹل (Totall) محنت جسم پر ہو رہی ہے۔

دیکھیے! مارکیٹ میں اس وقت سو سے زائد قسم کے شیمپو ملتے ہیں، بال کالے کرنے کے لیے، بال پتلے کرنے کے لیے، بال موٹے کرنے کے لیے، بال لمبے کرنے کے لیے، بال سیدھے کرنے کے لیے، بال گھنگریالے کرنے کے لیے، غرض ہر طرح کی سہولت مہیا ہے، تو دیکھو! انسان نے جب جسم پر محنت کی اور جسم پر اپنی صلاحیت کو لگایا تو بال جیسی چیز کے لیے کئی طرح کے شیمپو تیار کر لیے، یہ تو صرف ایک مثال ہے، ورنہ مارکیٹ میں غور کرنے

سے پتہ چلے گا کہ انسان نے اپنے جسم کی صحت، (Health) سے لے کر کھانے پینے اور رہنے تک کی تمام اشیا اور سہولیات مہیا کروالی ہیں، یہیں پر بس نہ کرتے ہوئے اب تو مرنے کے بعد کی وصیت (Will) بھی باضابطہ طور پر وکیل کے پاس پیشگی تیار کروالی جاتی ہے۔ غرض انسانوں نے مکمل طور پر ٹوٹلی (Totally) اپنی صلاحیت جسم پر لگادی، یہ اُسی کا نتیجہ ہے۔

لیکن کیا ہم نے کبھی یہ بھی سوچا کہ جو میری روح ہے، میرا اندرون ہے، جس کی غذا اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے، اللہ کی یاد ہے، اس کے لیے ہم کیا کر رہے ہیں؟ اس کے لیے ہماری کتنی محنت ہے؟ اور آج ہر انسان یہ چاہتا ہے کہ اِس دنیا کو میں اپنی جنت بنالوں، میری ایسی گاڑی ہو، میرا ایسا بنگلہ ہو، میرا ایسا گھر ہو، کئی خادم اور نوکر چاکر میرے آگے پیچھے چل رہے ہوں، میری پوری صلاحیت، میری پوری محنت میں دنیا پر لگا رہا ہوں، ہماری اس روِش کا اور اس فکر کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ہم نے دنیا کو ضرورت پوری کرنے کی جگہ سمجھنے کے بجائے اُسے چاہت پوری کرنے کی جگہ سمجھ رکھا ہے۔ آخرت کے لیے میں کیا کر رہا ہوں؟ یہ سوچنے والی بات ہے، عقیدۂ آخرت کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔

میرے بھائیو! نقل وعقل دونوں کا تقاضا یہ ہے کہ ہماری ساری توجہ وطلب اور فکر و کوشش بس آخرت ہی کی بہتری کے لیے ہو، دنیا ضرورت پوری کرنے کی جگہ ہے، چاہت پوری کرنے کی نہیں، لہٰذا دنیا سے ہمارا تعلق بقدرِ ضرورت ہی ہو، ہم دنیا کے طلبگار بننے کے بجائے آخرت کے اُمیدوار بن جائیں، لیکن یہ اسی وقت آسان ہے جب آخرت کے حقائق کا مکمل یقین اور ان کا استحضار نصیب ہوجائے۔

آج صورتِ حال یہ ہے کہ آخرت کا کسی درجے میں ہمیں یقین تو ہے، مگر اس کا

استحضار ودھیان بہت کم ہے، اس لیے آخرت کے بجائے دنیا کی طرف ہماری رغبت اور توجہ زیادہ ہے، جب کہ حضراتِ انبیا علیہم السلام، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور صلحائے اُمت رحمہم اللہ کو یہ چیز مُیسّر تھی، جیسا کہ قرآنِ کریم نے ان کے امتیازی وصف کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿إِنَّآ أَخْلَصْنَٰهُم بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى ٱلدَّارِ ﴿٤٦﴾﴾ (ص : ٤٦)

''بے شک ہم نے اُن کو آخرت کے گھر کی یاد کی خاص (خصلت) کی وجہ سے چن لیا تھا۔''

اللہ تعالیٰ اپنے اُن نیک بندوں کے متعلق فرمارہے ہیں جن کو دارِ آخرت کا کامل یقین اور استحضار تھا کہ ہم نے ان کو ایک خاص وصف کے لیے چن لیا تھا، جو آخرت کے حقیقی گھر کی یاد تھی۔ یعنی یہ لوگ آخرت پر یقین رکھتے تھے، اس کا استحضار اور اس کو یاد رکھتے تھے، اس لیے ان کی ساری رغبتیں اور دلچسپیاں آخرت کے ساتھ خاص ہوگئی تھیں، دنیا کی رنگینیوں سے ان کا دل اُٹھ چکا تھا۔

میرے بھائیو! یہ ایک یقینی حقیقت ہے کہ دِل میں آخرت کا یقین اور اس کا استحضار پیدا ہوجانے کے بعد کسی بھی انسان کے لیے اس کی فکر اور تیاری کرنا، یعنی گناہوں سے بچنا اور نیکیوں کا اہتمام کرنا آسان ہوجاتا ہے۔

ایک عبرت ناک واقعہ:

اس سلسلے میں ایک نہایت عبرت ناک واقعہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں حضرت عبید بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ مشہور تابعی گذرے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی فصیح زبان عطا فرمائی تھی، اُن کی مجلس میں مشہور صحابی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی بیٹھا کرتے تھے اور ان کی دِل پر اثر کرنے والی گفتگو سے پھوٹ پھوٹ کر روتے تھے۔

مکہ مکرمہ میں ایک جوان عورت شادی شدہ تھی، اللہ تعالیٰ نے اسے غیر معمولی حسن سے نوازا تھا۔ یہ حسن بھی بڑی عجیب چیز ہے، بڑے بڑے بہادر، پہلوان اور سورما اس کے ایک نگاہِ غلط انداز کے وار سے ڈھیر ہوکر مُرغِ بِسمِل کی طرح تڑپنے لگتے ہیں، وہ بہادر جو کسی کے داؤ میں نہ آتا ہو بسا اوقات حسن کی بھولی سی نظر سے اس کے قلب وجگر کی حالت دگرگوں ہوجاتی ہے۔

یہ خاتون ایک دِن آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ رہی تھی، شوہر سے کہنے لگی: ''کوئی شخص ایسا ہوسکتا ہے جو یہ چہرہ دیکھے اور اس پر فریفتہ نہ ہو؟'' شوہر نے کہا: ''ہاں، ایک شخص ہے، حضرت عبید بن عمیر!'' اُس عورت کو شرارت سوجھی، کہنے لگی: ''اگر آپ مجھے اِجازت دیں تو ابھی میں انھیں بھی اسیرِ محبت بنائے دیتی ہوں'' شوہر نے اِجازت دی، تو وہ حضرت عبید بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئی اور کہا: ''مجھے آپ سے تنہائی میں ایک ضروری مسئلہ پوچھنا ہے'' حضرت عبید بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ مسجدِ حرام کے ایک گوشے میں اس کے ساتھ الگ کھڑے ہوگئے، تو اس نے اپنے چہرے سے نقاب سرکایا اور اس کا چاند سا حسین چہرہ قیامت ڈھانے لگا، حضرت عبید رحمۃ اللہ علیہ نے اُسے بے پردہ دیکھ کر فرمایا: ''اللہ کی بندی! اللہ سے ڈر'' وہ کہنے لگی: ''میں آپ پر فریفتہ ہوگئی ہوں، آپ میرے متعلق غور کرلیں''...... دعوتِ گناہ کی طرف اشارہ تھا، مگر حضرت عبید رحمۃ اللہ علیہ اُس کے جھانسے میں کب آنے والے تھے، فرمایا: ''میں چند سوالات پوچھتا ہوں، اگر تو نے ان کے صحیح جوابات دے دیے تو میں تیری دعوت پر غور کرسکتا ہوں'' اس نے ہامی بھر لی، تو فرمایا: ''موت کا فرشتہ جب تیری روح قبض کرنے آجائے، اس وقت تجھے یہ گناہ اچھا لگے گا؟'' کہنے لگی: ''ہرگز نہیں'' فرمایا: ''جواب درست ہے۔'' فرمایا: ''جب لوگوں کو قیامت کے دِن اعمال نامے پیش کیے جارہے ہوں گے اور تجھے اپنے متعلق

معلوم نہ ہوگا کہ وہ دائیں ہاتھ میں ملے گا یا بائیں میں؟ کیا اس وقت تجھے یہ گناہ اچھا لگے گا؟'' کہنے لگی: ''ہرگز نہیں'' فرمایا: ''جواب صحیح ہے۔'' فرمایا: ''پل صراط عبور کرتے وقت تجھے اس گناہ کی خواہش ہوگی؟'' کہنے لگی: ''ہرگز نہیں'' فرمایا: ''جواب درست ہے'' پھر فرمایا: ''جب تو آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑی ہوگی اس وقت تجھے اس گناہ کی رغبت ہوگی؟'' کہنے لگی: ''بالکل نہیں'' اس پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''اللہ کی بندی! اللہ سے ڈر اور فکرِ آخرت کر!''

اس نصیحت سے اس عورت کے دل کی کائنات بدل گئی۔

دِل سے جو بات نکلتی ہے اَثر رکھتی ہے
پر نہیں، طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

جب وہ گھر لوٹی تو حالت یہ تھی کہ دُنیوی لذتیں اُسے بے حقیقت معلوم ہونے لگیں، ساری رغبتیں آخرت کے ساتھ خاص ہوگئیں، پہلے اس کی ہر رات شبِ زُفاف ہوا کرتی تھی، مگر اب ہر رات شبِ عبادت بن گئی۔ (۱)

کسی نے کیا خوب کہا ہے:

فکرِ دنیا کر کے دیکھا، فکرِ عقبٰی کر کے دیکھ
سب کو اپنا کر کے دیکھا، رَب کو اپنا کر کے دیکھ

دُنیوی زندگی کی حقیقت وحیثیت:

قرآن مجید کی جو آیت کریمہ خطبے میں تلاوت کی گئی اُس کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:
''اور (اے لوگو!) یہ دنیا کی زندگی کھیل اور تماشے کے سوا کچھ نہیں ہے، اور حقیقت

(۱) کتاب الثقات للعجلی: ۲/۱۱۹، از: ''کتابوں کی درسگاہ میں'' ص: ۵۳۔

میں آخرت کا گھر ہی (صحیح) زندگی ہے۔کاش! وہ لوگ (یہ راز) جانتے ہوتے۔'' (العنکبوت)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ دنیا کی زندگی تو کھیل کود ہے۔اس کی مثال یوں سمجھ لو کہ اسٹیڈیم لگا ہوا ہے، کھیل چل رہا ہے جو بہت جلد ختم ہونے والا ہے۔اصل زندگی تو آخرت کی ہے، جو لامحدود ہے، اَن لمیٹیڈ (Unlimited) ہے۔

اللہ تعالیٰ آگے فرمارہے ہیں: کاش! انسان یہ بات جان لیتے، کاش انسان یہ بات سمجھ جاتے کہ جس دنیا کے پیچھے ہماری پوری صلاحیت لگ رہی ہے وہ مختصر سے وقت کے لیے ہے، آخرت ہی کی زندگی دائمی ہے۔دُنیا دارالفنا ہے، آخرت دارالبقا ہے۔دُنیا دارالغرور ہے، آخرت دارالسرور ہے۔دُنیا دارالعمل ہے، آخرت دارالجزا ہے۔

دنیا کو ترجیح دینا اور آخرت سے غافل ہونا:

جمعہ میں امام صاحب اکثر سورۂ اعلیٰ کی تلاوت کرتے ہیں، اسی کی دو آیتیں خطبے میں تلاوت کی گئیں، اللہ رب العزت نے اس آیت میں ہم انسانوں کی ایک بیماری کا ذکر فرمایا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب دنیا کی لائف اور آخرت کی لائف کے کمپیریژن (Comparison) اور تقابل کا موقع ہوتا ہے اور دو تقاضے جمع ہوجاتے ہیں تو تم دنیا کی زندگی کو پرایوریٹی (Priority) اور ترجیح دیتے ہو، آخرت کو بھول جاتے ہو، دُنیا کی محبت کے غلبے میں آخرت کو پس پشت ڈال دیتے ہو، حالانکہ آخرت کی زندگی ہی اصل ہے، جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔

حساب وکتاب کو قیامت تک مؤخر کرنے کی وجہ:

یہاں ایک سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بندوں کے اعمال کے

حساب و کتاب کو آخرت تک مؤخر (Delay) کیوں کیا؟ یہ بھی تو ہوسکتا تھا کہ جس بندے کی موت ہوجائے اُس کا حساب و کتاب فوراً ہوجاتا، اللہ تعالیٰ تو حساب کے دِن کے مالک ہیں: ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ وہ جو چاہے کرسکتے ہیں، لہٰذا یہ بھی کرسکتے تھے کہ جو بھی بندہ مر جائے اُس کا حساب فوراً مکمل (Finish) ہوجائے، پھر آخرت تک مؤخر (Delay) کرنے کی کیا وجہ؟

اس سوال کے علما نے بہت سے جوابات بیان فرمائے ہیں، اُن میں سے ایک جواب یہ بھی ہے کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب کوئی بندہ مرجاتا ہے تو اُس کے تمام اعمال کا سلسلہ بند ہوجاتا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ."(۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب انسان کی موت ہوجاتی ہے تو تین اعمال کے علاوہ دیگر تمام اعمال کا سلسلہ بند ہوجاتا ہے، وہ تین اعمال یہ ہیں: (۱) صدقۂ جاریہ (۲) علم نافع (۳) اولادِ صالح۔

حدیث پاک کا خلاصہ یہ ہے کہ بندے کی موت کے ساتھ ہی اُس کے تمام اعمال کا سلسلہ بند ہوجاتا ہے، یعنی کسی بھی عمل میں اَب اِضافہ یا کمی کی گنجائش نہیں، گویا بندے کے تمام اعمال کا اِکاؤنٹ (Account) بند (Close) کردیا جاتا ہے، صرف تین اعمالِ صالحہ ایسے ہیں جو اس سے مستثنٰی ہیں کہ اُن تین اعمال کا ثواب بندے کو موت کے بعد بھی

(۱) رواه مسلم / باب ما يلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته / رقم الحديث : ۱۶۳۱.

قیامت تک ملتا رہے گا، یعنی اِن تین اعمال کی فائلیں (Files) بند نہیں کی جاتیں:

(۱) صدقۂ جاریہ، مثلاً کسی نے مسجد بنا دی، جس میں نماز پڑھی جاتی ہے، مدرسہ بنایا، جس میں طلبہ پڑھتے ہیں، وغیرہ۔ تو جب تک اس مسجد میں نمازی نماز پڑھتے رہیں گے اور مدرسے میں طلبہ پڑھتے رہیں گے اُس کے بنانے والے کو مرنے کے باوجود ثواب ملتا رہے گا۔

(۲) علم نافع، یعنی دین کا علم کسی کو سکھایا، طلبہ کو پڑھایا، کتابیں لکھیں، غرض کسی بھی طرح علم دین کی نشر و اشاعت کی، جس سے لوگ دینی فائدہ اُٹھا رہے ہیں اور عمل کر رہے ہیں، تو جب تک لوگ عمل کرتے رہیں گے اُس بندے کو ثواب ملتا رہے گا۔

(۳) اولادِ صالح، کسی بندے نے اپنی اَولاد کی دینی تعلیم و تربیت کے ذریعے انھیں نیک صالح بنایا، پھر اُس بندے کے مرنے کے بعد بھی اولاد نیک اعمال کرتی رہتی ہیں اور اپنے والدین کے حق میں دُعائے خیر کرتی رہتی ہیں، تو اس کا ثواب بھی مرنے کے باوجود اُس بندے کو ملتا رہتا ہے۔

یہاں سوچو کہ اگر مرنے کے بعد فوراً بندے کے اعمال کا حساب بالکل کلیئر (Clear) کر دیا جاتا اور اُس کے اعمالِ صالحہ کا اِکاؤنٹ (Account) مکمل طور پر بند کر دیا جاتا تو نیک بندے کے اِن تینوں اعمالِ صالحہ کا ثواب قیامت تک جاری نہ رہتا، تو یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے نیک بندوں پر بے انتہا فضل و احسان ہے کہ اس نے ہر مرنے والے بندے کے لیے فوراً حساب و کتاب کا سلسلہ قائم نہیں فرمایا؛ بلکہ اُسے قیامت تک مؤخر کیا ہے۔

یہاں ایک اَہم بات یہ بھی یاد رکھیں کہ جس طرح اِن اعمالِ صالحہ کا اَجر و ثواب قیامت تک جاری رہتا ہے اسی طرح اگر کوئی بندہ کسی گناہ کے کام کو رائج کر کے مر گیا، یا گناہ

کا کوئی ذریعہ اپنے پیچھے چھوڑ گیا، مثلاً کسی باپ نے اپنی لاڈلی بیٹی کی رُخصتی کے موقع پر ٹی وی خرید کر گِفٹ (Gift) دیا، تو جب تک اُس ٹی وی کو دیکھنے والے دیکھیں گے اُس وقت تک مرنے کے بعد بھی اُس شخص کے گناہوں میں اِضافہ ہوتا رہے گا اور عذاب ہوتا رہے گا۔

بہرحال عقیدۂ آخرت کو ہمیں اپنے دلوں میں راسخ کرنے کی سخت ضرورت ہے، ہم اپنا مزاج بنالیں کہ ہمہ وقت آخرت کا استحضار رہے، تو ان شاء اللہ اس سے اعمالِ صالحہ کو اَنجام دینا ہمارے لیے آسان ہوجائے گا۔

دُنیا و عقبیٰ میں سے اَغلب کو معلوم کرنے کی کسوٹی:

شروع میں ایک بات گزر چکی کہ جب کسی بھی بندے کو دو ایسے تقاضے درپیش ہوں جن میں سے ایک دُنیا کا تقاضا ہے اور دوسرا آخرت کا، تو اُسے چاہیے کہ وہ آخرت کے تقاضے کو ترجیح دے کر اُسی کے مطابق عمل کرے۔

اب آگے ہمیں یہ بھی سمجھنا ہے کہ ہمیں کیسے معلوم ہوگا کہ مجھ پر دُنیا غالب ہے یا آخرت؟ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت غالب ہے یا شیطانی، شہوانی اور نفسانی خواہشات کا مجھ پر غلبہ ہے؟ اس کو چیک (Check) کرنا ہے تو اس کے لیے کیا معیار ہوگا؟ اُس کا تھرمامیٹر (Thermometer) کیا ہوگا؟

تو تین چیزیں ایسی ہیں جن میں غور و فکر کر کے ہم یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ مجھ پر دُنیا غالب ہے یا آخرت؟ اور ضرورت کے وقت میں ترجیح کسے دیتا ہوں؟ وہ تین باتیں یہ ہیں:

(۱) اگر دُنیوی مال و متاع کی فراوانی ہوجائے، بزنیس (Business) کا خوب فروغ ہوجائے، کاروبار اچھی طرح چل پڑے، اس کے بعد اگر فرائض و واجبات چھوٹنے لگیں، نمازوں سے غفلت ہونے لگے، مامورات کی اَنجام دہی میں کوتاہی ہونے لگے،

تو یہ پہلا معیار ہے جس سے ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ اَب خطرہ کی گھنٹی (Emergency Alarm) بج چکی ہے، اَب ہمیں غفلت چھوڑ کر بیدار اور متوجہ (Attention) ہونے کی ضرورت ہے، اس لیے کہ دُنیاوی مال ومتاع کے حصول کے بعد بطورِ شکر فرائض وواجبات کی جانب زیادہ توجہ ہونی چاہیے تھی، اس کے بجائے اُن میں خلل پیدا ہونے لگا ہے۔ یہ علامت ہے اس بات کی اَب دُنیا کی محبت دِل میں راستہ بنا رہی ہے، جو ہر حال میں مہلک اور رِسکی (Risky) ثابت ہوگی۔

یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ دُنیا کی محبت مطلقاً مذموم نہیں ہے، کیوں کہ دُنیوی اموال کے بغیر تو زندگی گزارنا ہی مشکل ہو جائے گا، انسانی زندگی کے قیام کے لیے مال ضروری ہے، جس سے وہ اپنے مصالح ومنافع کا بندوبست کر سکے، اور اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اُن نیک بندوں کی تعریف کی ہے جو اللہ تعالیٰ سے دُنیا وآخرت دونوں کی بھلائی چاہتے ہیں، چنانچہ فرمایا:

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝۲۰۱﴾ (البقرۃ : ۲۰۱)

’’اور ان میں سے ایسے بھی ہیں جو عرض کرتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں (بھی) بھلائی عطا فرما اور آخرت میں (بھی) بھلائی سے نواز اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔‘‘

اس آیت کریمہ میں اُن مؤمن بندوں کی نیک خصلت بیان کی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ سے دُنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی چاہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ دُنیا مطلقاً مذموم اور بری نہیں ہے، ورنہ قرآنِ پاک میں اُسے ’’خیر‘‘ سے تعبیر نہ کیا جاتا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک

میں کئی جگہوں پر دُنیوی مال ومتاع کو خیر بھی فرمایا ہے:

﴿وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ ۝۸﴾ (العٰدیٰت : ۸)

''اور انسان مال کی محبت میں بڑا سخت ہے۔''

اس آیت کریمہ میں مال کو خیر کہا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دُنیوی مال بھی ضروری ہے، لیکن اُس کی محبت کا دِل میں اس طرح جاگزیں ہو جانا کہ آخرت بھی تباہ ہو جائے یہ مذموم ہے۔

اس کو ایک مثال سے یوں سمجھیے کہ کشتی کے چلنے کے لیے پانی ضروری ہے، جب تک کشتی پانی کی سطح پر ہوگی چلتی رہے گی، لیکن اگر پانی کشتی کے اندر آنا شروع ہو جائے تو یقینی طور کشتی ڈوب جائے گی۔

علامہ رومی رحمۃ اللہ علیہ ''مثنوی'' میں فرماتے ہیں:

آب در کشتی ہلاکِ کشتی است　　　آب اَندر زیر کشتی پُشتی است

یعنی پانی کا کشتی میں داخل ہو جانا کشتی کی ہلاکت کا سبب ہے، جب کہ پانی کی سطح پر کشتی کا ہونا یہ سواری ہے۔

تو کشتی کے چلنے کے لیے پانی کا کشتی سے باہر ہونا ضروری ہے، اسی طرح انسانی زندگی کے لیے بھی دُنیوی مال ضروری ہے، لیکن دِل کے اندر وہ اپنی جگہ نہ بنالے اس بات کا دھیان رکھنا بھی ضروری ہے۔

اگر مال کی وُسعت کے بعد فرائض وواجبات میں خلل پیدا ہونے لگے تو یہ ہماری زندگی کی کشتی میں گویا سراخ ہے، جسے فوری طور پر بند نہیں کیا گیا تو کبھی نہ کبھی لے ڈوبے گا۔

(۲) منہیات، یعنی وہ تمام چیزیں جو اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہیں، اُن کا ارتکاب

ہونے لگے تو یہ بھی اس بات کی علامت ہے کہ دِل میں دُنیا کی محبت غالب ہے، مثلاً سود حرام ہے، لیکن کاروبار کو بڑھانے کے لیے سودی لین دین کیا جائے، یہ جانتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کے بارے میں بڑی سخت وعید بیان فرمائی ہے:

﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝۲۷۸ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ (البقرۃ:۲۷۸، ۲۷۹)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ بھی سود میں سے باقی رہ گیا ہے چھوڑ دو اگر تم (صدقِ دل سے) ایمان رکھتے ہو، پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے اعلانِ جنگ پر خبردار ہو جاؤ۔''

اگر بندہ اس طرح کی حرام چیزوں کو برتنے سے اجتناب نہ کرے تو یہ دوسری علامت ہے اس بات کی کہ اَب دُنیا کی محبت دِل میں اپنی جگہ بنا رہی ہے، یہ گویا انسانی زندگی کی کشتی میں دوسرا سراخ ہو گیا۔

(۳) حقوق العباد کی ادائیگی میں کوتاہی، مال کی محبت میں بندہ اس قدر اَندھا ہو جائے کہ وہ لوگوں کی حق تلفی کرنے لگے، اُن کے حقوق مارنے لگے، کسی کا قرض باقی ہے، جسے ادا نہ کیا جائے، غریب کا حق مارا جائے، کسی کی زمین پر ناجائز طور پر قبضہ کر لیا جائے، باپ کے مرنے کے بعد بہنوں کو اُن کی میراث کا حق شرعی نہ دیا جائے، تو یہ سب حقوق العباد میں کوتاہی ہے، یہ بھی اس بات کی علامت ہے کہ دُنیا اب دِل میں بیٹھ گئی ہے، گویا یہ انسانی زندگی کی کشتی کا تیسرا سراخ ہے، اگر اسے بھی فوری طور پر بند نہ کیا جائے تو اَنجام ہلاکت تک پہنچے گا۔

تین بڑے دھوکے جو ہم کو لگے ہیں:

بندوں میں معاصی کی کثرت کی وجہ تین غلط فہمیاں بھی ہیں، جو بہت سے بندوں

میں پائی جاتی ہیں:

(۱) پہلی غلط فہمی (Misunderstanding) یہ ہے کہ بہت سے بندے یہ سوچ کر گناہ سے باز نہیں آتے کہ اللہ تعالیٰ غفور ورحیم ہے، وہ ہر گناہ کو معاف کر دینے والا ہے، اور اسی مغفرت کی اُمید پر بندہ گناہ پر گناہ کیے جاتا ہے، یہ ایک ایسا دھوکہ ہے کہ ایسے بندے کو توبہ کی توفیق بھی کم ہی ملتی ہے، اس لیے کہ وہ ہر طرح سے بالکل مطمئن ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے تمام گناہوں کو معاف کر ہی دینے والا ہے، پھر کیا فکر ہے؟

یہ ایسی خام خیالی ہے جو معاصی کے دَہانے کھول دیتی ہے، بندے کے دل میں جب بھی کسی گناہ کا خیال آئے تو اُسے یہ سوچ لینا چاہیے کہ جو اللہ غفور ورحیم ہیں وہی عزیز وذو انتقام بھی ہیں، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝﴾ (آل عمران : ٤)

''اور اللہ تعالیٰ بڑا غالب انتقام لینے والا ہے۔''

نیز اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے:

﴿اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِیْدٌ ۝﴾ (البروج : ١٢)

''بیشک آپ کے رب کی پکڑ بہت سخت ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی پکڑ ایسی سخت ہے کہ اُس کے مانند کسی کی پکڑ نہیں ہوسکتی، چنانچہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿فَمَنْ یَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّیْۤ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ۝﴾ (المائدة : ١١٥)

''پھر تم میں سے جو شخص (اس کے) بعد کفر کرے گا تو یقیناً میں اسے ایسا عذاب

دوں گا کہ تمام جہان والوں میں سے کسی کو بھی ایسا عذاب نہ دوں گا۔‘‘

میرے بھائیو! اللہ تعالیٰ کی رحمت بے شک بہت وسیع ہے، اسی طرح اُس کا عذاب بھی بہت خطرناک ہے۔لہٰذا ہمیں دونوں باتیں یادرکھنی ہیں۔

اس موقع پر یہ اصول بھی یادرکھیں کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کلی طور پر مطمئن و بے خوف (Fearlessness) ہوجانا یہ بھی کفر ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا اُمید ہوجانا (Hopelessness) کفر ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ (الأعراف : ۹۹)

’’پس اللہ تعالیٰ کی مخفی تدبیر سے کوئی بے خوف نہیں ہوا کرتا سوائے نقصان اٹھانے والی (کافر) قوم کے۔‘‘

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بالکل صاف طور پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کفار ہی مطمئن و بے خوف ہوسکتے ہیں، مؤمن بندوں کی یہ شان نہیں؛ بلکہ مؤمن بندے تو معاصی کا خیال آنے پر اللہ تعالیٰ کا خوف بھی رکھتے ہیں اور اُس کی رحمت سے مغفرت کی اُمید بھی رکھتے ہیں۔

دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بالکل نا اُمید ہوجانا کہ وہ مجھے ہرگز معاف نہیں کرے گا یہ بھی کفر ہے، چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿إِنَّهُ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ (یوسف:۸۷)

’’بیشک اللہ کی رحمت سے صرف وہی لوگ مایوس ہوتے ہیں جو کافر ہیں۔‘‘

یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا اُمید ہونا یہ بھی کفار کا شیوہ ہے، مؤمنین تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اُمیدوار ہوتے ہیں۔

حاصل یہ کہ مؤمن بندے سے جو ایمان مطلوب ہے وہ ایسا ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اُمید بھی ہو کہ اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے اور ساتھ ہی اُس کے عذاب کا خوف بھی مستحضر ہو کہ پتہ نہیں، کس گناہ پر مؤاخذہ ہوجائے، اُسی کو نبیِ پاک ﷺ نے حدیث پاک میں بیان فرمایا:

"عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: "لَوْ يَعْلَمُ الْمُؤْمِنُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الْعُقُوْبَةِ مَا طَمِعَ بِجَنَّتِهٖ أَحَدٌ، وَلَوْ يَعْلَمُ الْكَافِرُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الرَّحْمَةِ مَا قَنَطَ مِنْ جَنَّتِهٖ أَحَدٌ."[۱]

کہ گر مؤمن بندہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مطلع ہوجائے تو وہ کبھی بھی جنت کی تمنا نہیں کرے گا اور کافر بندہ اُس کی رحمت کا حقیقی مشاہدہ کرلے تو وہ کبھی جنت سے مایوس نہ ہو۔

اسی کو ہمارے علما بیان کرتے ہیں کہ "الإِيْمَانُ بَيْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ." یعنی ایمان اللہ تعالیٰ کے عذاب کے خوف اور اس کی رحمت سے اُمید کے درمیان ہے۔ دونوں پہلو مؤمن بندے میں ہونے چاہیے، محض خوف بھی نہیں، ورنہ وہ مایوسی تک لے جائے گا، اور محض اُمید ہی اُمید بھی نہ ہو، ورنہ وہ ارتکابِ معاصی کا سبب بن جائے گا۔

(۲) دوسری غلط فہمی جو کثرتِ معاصی کا سبب بنتی ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے بہت سے نوجوان گناہ کے وقت یہ سوچتے ہیں کہ ابھی میری عمر ہی کیا ہے؟ ساری عمر پڑی ہے توبہ کرنے کے لیے، بعد میں توبہ کرلیں گے، ابھی جو گناہ کرنے ہیں وہ تمام کرلیتا ہوں، اور بوڑھا ہونے کے بعد نیک بن جاؤں گا اور توبہ کرلوں گا، مسجد کا پابند بن کر ٹوپی پہن لوں گا،

(۱) رواه مسلم / كتاب التوبة / باب في سعة رحمة الله / رقم الحديث : ۲۷۵۵.

ابھی تو "ٹوپی پہنانے" کا کام کرلیتا ہوں، پچاس سال کی عمر کے بعد مصلّٰی پکڑ لوں گا، ابھی تو لوگوں سے جس طرح بھی اور جس قدر بھی مال مل جائے جمع کرلیتا ہوں، پھر اخیری عمر میں توبہ کرلوں گا، تو یاد رہے کہ یہ توبہ قبول نہیں ہوگی، حقوق العباد اس طرح معاف نہیں ہوتے، سارے حرام اموال کا طوق کل قیامت کے دِن میں گلے میں پہنا دیا جائے گا۔

میرے بھائیو! توبہ کے لیے اپنی باقی ماندہ عمر پر بھروسہ کرتے ہوئے گناہ کرنا بہت ہی خطرناک ہے، کسی بندے کو کچھ نہیں پتہ کہ موت کب آجائے گی، کب زندگی کی شام ڈھل جائے گی اور زندگی کا سورج غروب ہوجائے گا۔

(۳) تیسری غلط فہمی جو ارتکابِ معاصی کا سبب بنتی ہے وہ یہ ہے کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے آقا، امام الانبیا، جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم مؤمن بندوں کے لیے شفاعت کرنے والے ہیں، تو اللہ تعالیٰ معاف فرما ہی دیں گے، اگر اسی خام خیالی کی بنیاد پر گناہ کیا جائے تو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو شافع الامم ہیں، آپ کی شفاعت تو تمام اُمتوں کے لیے ہوگی، لیکن یہاں ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اوّلین شفاعت کے حقدار کون ہوں گے؟ پہلی شفاعت اُن مؤمنین کے لیے ہوگی جو اپنی جانب سے گناہ سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں، لیکن بتقاضائے بشریت اُن سے گناہ صادر ہوجاتے ہیں۔

اسے ایک مثال سے سمجھو! کہ اگر کوئی طالب علم یا اسٹوڈنٹ (Student) مدرسے یا کالج میں داخلہ (Admission) لینا چاہتا ہے، لیکن داخلے کے لیے مطلوب معیار کے مطابق اُس کا رِزلٹ (Result) نہیں ہے، کچھ نمبر اور پرسنٹیج (Percentage) کم ہیں، مثلاً مطلوب معیار کے مطابق پچاس پرسنٹیج (Percentage) ہونے چاہیے، لیکن اُس کے اڑتالیس یا اُنچاس پرسنٹیج (Percentage) ہیں، پھر اگر وہ کسی اثر ورسوخ

والے اور پرنسپل کے جان پہچان والے شخص کے پاس جا کر التجا کرے کہ پلیز! آپ میری سفارش کر دیں تو داخلہ ہو جائے گا، تو یہ شخص سفارش کر سکتا ہے، لیکن اگر کوئی اسٹوڈنٹ (Student) امتحان میں مکمل طور پر فیل ہو گیا ہو اور وہ اس شخص کے پاس آ کر کہے کہ آپ کی پرنسپل صاحب سے اچھی جان پہچان ہے، آپ میری سفارش کر دو، تو کیا وہ سفارش کے لیے تیار ہو گا؟ ہرگز نہیں، کیوں کہ دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے، ایک کوشش کے باوجود تھوڑے نمبرات سے پیچھے رہ گیا، تو وہ سفارش اور رعایت کا حقدار بن سکتا ہے، جب کہ دوسرے نے تو کوشش ہی نہیں کی، پھر اس کی رِعایت کیسے ہوگی؟

قیامت کے دِن اعمال کا حساب و کتاب ایک ایسا امر ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی لختِ جگر، نورِ نظر لاڈلی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ بیٹی! مجھ سے دُنیا میں جو کچھ مانگنا چاہو مانگ لو، قیامت کے دِن میں تمھیں کچھ کام نہ آؤں گا۔

چنانچہ بخاری شریف کی حدیث ہے:

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ أَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ ﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴿٢١٤﴾﴾ قَالَ: "يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! -أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا- اشْتَرُوا أَنْفُسَكُمْ، لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا، يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ! لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا، يَا عَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ! لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا، وَيَا صَفِيَّةُ عَمَّةُ رَسُولِ اللّٰهِ! لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا، وَيَا فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ! سَلِينِي مَا شِئْتِ مِنْ مَالِي، لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا."(١)

---

(١) رواه البخاري / كتاب الوصايا / باب : هل يدخل النساء والولد في الأقارب؟ / الرقم : ٢٧٥٣.

اس روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی جانب سے نبیٔ پاک ﷺ کو حکم ہوا کہ آپ اپنے خاندان والوں میں بھی اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کیجیے![1] تو آپ ﷺ نے قریش، بنی عبد مناف، اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ، اپنی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اور اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خطاب کر کے صاف لفظوں میں فرمادیا کہ میں تمھیں قیامت کے دِن کچھ کام نہیں آؤں گا، یہاں تک کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی فرمایا کہ بیٹی ہونے کے ناتے مجھ سے دُنیوی مال ومتاع میں سے جو چاہیں مانگ لو، لیکن آخرت کے معاملے میں مجھ پر بھروسہ کر کے مت بیٹھ جانا؛ بلکہ اللہ تعالیٰ سے ہر وقت خائف رہنا۔

اگر نبیٔ پاک ﷺ کی شفاعت پر اعتماد کر کے بیٹھ جانے کا حق کسی کو ہوتا تو سب سے پہلے اہل بیت کو ہوتا، اس لیے کہ آپ ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے اِتنی محبت فرماتے تھے کہ جب کبھی آپ ﷺ کسی سفر میں روانہ ہوتے تو آخری ملاقات حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فرماتے، پھر جب سفر سے واپس آتے تب بھی مسجد میں دو رکعات ادا فرمانے کے بعد سب سے پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ملتے۔[2]

نیز کئی روایات میں وارد ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''فاطمہ میرا ٹکڑا ہے، یعنی میرا خون ہے، اُسے جس چیز سے تکلیف ہوتی ہے اُس سے مجھے بھی تکلیف ہوتی ہے۔''[3]

آپ ﷺ کو اپنی لختِ جگر سے اِس قدر محبت ہونے کے باوجود آخرت کے معاملے میں آپ نے محض شفاعت پر اعتماد کر لینے سے منع فرمایا، تو ہم اور آپ کونسا استحقاق

---

(۱) الشعراء : ۲۱٤.

(۲) المستدرك للحاكم / ذكر مناقب فاطمة بنت رسول الله ﷺ / رقم الحديث : ٤٧٣٩.

(٤) رواه البخاري / كتاب فضائل أصحاب النبي ﷺ / باب مناقب قرابة رسول الله ﷺ / رقم الحديث : ۳۷۱٤.

رکھتے ہیں؟

تو نبیٔ پاک ﷺ کی شفاعت کے اوّلین حقدار وہ مؤمنین ہوں گے جو گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں، پھر بھی اگر اُن سے غلطی سے گناہ صادر ہو جاتا ہے تو وہ توبہ کرنے کے لیے اخیری عمر کا انتظار نہیں کرتے؛ بلکہ فوراً توبہ کرتے ہیں، اُس کے بعد وہ اللہ کے نبی ﷺ کی شفاعت کی اُمید رکھتے ہیں۔

چرچے اور تبصرے کے بجائے اللہ تعالیٰ سے تعلق:

اس وقت ملک کے موجودہ حالات کے پیشِ نظر کچھ باتیں عرض کرنے کی ضرورت سمجھتا ہوں، اس وقت ملک بھر میں جو احتجاج اور ریلیاں وغیرہ ہو رہی ہیں وہ جائز ہیں یا نہیں؟ ہمیں احتجاج کرنا چاہیے یا نہیں؟ یہ عاجز اپنی اَوقات نہیں سمجھتا کہ اس پر کچھ روشنی ڈالے، ہمارے بڑے ان شاء اللہ ان مسائل کے متعلق ہماری بہتر رہنمائی فرمائیں گے۔

لیکن مجھے ایک بات کی طرف اپنے نوجوان بھائیوں کو خاص توجہ دِلانی ہے کہ جب بھی اس طرح کے حالات آتے ہیں تو ہم واٹس ایپ پر ویڈیوز دیکھنے میں، اخبارات میں نیوز پڑھنے میں اور اِدھر اُدھر کے لاحاصل مذاکرات میں اپنا وقت برباد نہ کریں، تبصرہ بازی کے بجائے اتنا وقت ہم اپنے رب سے تعلق قائم کرنے میں لگائیں، اللہ تعالیٰ سے حالات کی اصلاح کی التجا کریں، حدیث پاک میں دُعا کو مؤمن کا ہتھیار کہا گیا ہے:

"الدُّعَاءُ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ."(۱)

''دُعا مؤمن بندے کا ہتھیار ہے۔'' دُعا کے ذریعے بندہ اپنے رب سے تعلق قائم کرسکتا ہے، ہم میں سے ہر ایک یہ سوچے کہ کیا میرا تعلق اللہ تعالیٰ سے قائم ہے؟ کیا میرا تعلق

(۱) المستدرك للحاكم / كتاب الدعاء والتكبير والتهليل والتسبيح والذكر.

اللہ تعالیٰ سے مضبوط ہے؟ میں نے اللہ تعالیٰ سے بات کی؟ لوگوں میں بیٹھ کر تو ہم خوب چرچا کر لیتے ہیں، خوب تبصرے کرتے رہتے ہیں کہ وہاں ایسا ہوگیا، وہاں ویسا ہوگیا، فلاں جگہ ہم جیت گئے، اور جس ذات کے ساتھ ایسے حالات میں رجوع کرنے کی زیادہ ضرورت ہے، جس کے دربار میں اپلیکیشن (Application) داخل کرنے کی ضرورت ہے، جہاں ہمیں احتجاج کرنے کی بھی ضرورت نہیں پڑتی؛ بلکہ ہمارے صرف دو آنسو سے کام نکل جاتا ہے، اُس ذاتِ فعال لما یرید کے دربار میں ہم نے کوئی بات نہیں کی، کوئی درخواست نہیں دی، کاش! ہم اُس ربِ غفور کے دربار میں روتے، گڑگڑاتے اور اپنے درد کو سناتے، تو وہ سننے والا ہماری ضرور سنتا اور ہمارے سخت حالات کو آسانی اور خوشحالی میں بدل دیتا۔

دُنیا دارالابتلا ہے:

میرے بھائیو! ہمارا تو یہ ایمان ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مؤمن بندوں کو خوف کے ماحول سے بھی آزماتے ہیں، فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۗ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾﴾ (البقرۃ : ۱۵۵)

’’اور ہم ضرور بالضرور تمھیں آزمائیں گے کچھ خوف اور بھوک سے اور کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے۔ اور (اے حبیب!) آپ (ان) صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجیے۔‘‘

اللہ تعالیٰ اِس آیت کریمہ میں فرماتے ہیں کہ ہم تمھیں (یعنی مؤمنین کو) خوف ودہشت کے ذریعے بھی آزمائیں گے، ایمان قبول کیا ہے تو آزمائش بھی آئے گی، اس مغالطے میں ہرگز نہ رہیں کہ ہم تو بڑے نمازی ہیں، بڑے اطاعت گزار اور نیک ہیں، پھر ہم

پر حالات کیوں آتے ہیں؟ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑا نہ کوئی نمازی تھا، نہ آپ سے بڑھ کر کوئی دین دار تھا، نہ کوئی آئے گا، اگر ایمان ہی کی بنیاد پر حالات ہمیشہ معمول کے مطابق نارمل (Normal) رہتے تو ہمارے آقا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حالات کبھی نہ آتے، میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر طائف میں کیسے سخت حالات آئے یہ کسی پر مخفی نہیں۔ خود اللہ تعالیٰ مؤمنین کو خطاب کر کے فرمارہے ہیں:

﴿ اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَلَمَّا يَاۡتِكُمۡ مَّثَلُ الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِكُمۡ ؕ مَسَّتۡهُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلۡزِلُوۡا حَتّٰى يَقُوۡلَ الرَّسُوۡلُ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ مَتٰى نَصۡرُ اللّٰهِ ؕ ﴾ (البقرة : ٢١٤)

’’کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ تم (یوں ہی بلا آزمائش) جنت میں داخل ہو جاؤ گے؟ حالانکہ تم پر تو ابھی ان لوگوں جیسی حالت (ہی) نہیں بیتی جو تم سے پہلے گزر چکے، انھیں تو طرح طرح کی سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں اور انھیں (اس طرح) ہلا ڈالا گیا کہ (خود) پیغمبر اور ان کے ایمان والے ساتھی (بھی) پکار اُٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟‘‘

اِس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا معمول رہا ہے کہ وہ مؤمنین کو آزماتے ہیں کہ بندے اللہ تعالیٰ کی جانب رجوع کرتے ہیں یا نہیں؟

ایسے مواقع میں سب سے اہم بات یہی ہے کہ حالات خواہ کسی بھی طرح کے ہوں، مالی (Financially) طور پر پریشانی ہو، گھریلو پریشانی ہو، ملکی وملّی پریشانی ہو، تمام حالات نے ہمیں چاروں طرف سے گھیر لیا ہو، اور ہمیں اُن سے رستگاری کا کوئی راستہ نہ ملے، ہم اپنے آپ کو اسباب ووسائل کے ہوتے ہوئے بھی بالکل مایوس محسوس کرنے لگیں تو ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ کی جانب رجوع کریں، دُعا کا اہتمام کریں۔

طائف میں جس وقت نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سخت ترین حالات آئے، ایسے حالات تھے کہ نہ ہماری زبان میں اُسے بیان کرنے کی طاقت ہے اور نہ کسی دِل میں اُن حالات کا درد برداشت کرنے کی طاقت ہے، ایسے وقت میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی دُعا کی:

"اَللّٰهُمَّ إِلَيْكَ أَشْكُوْ ضَعْفَ قُوَّتِي، وَقِلَّةَ حِيلَتِي، وَهَوَانِي عَلَى النَّاسِ، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ! أَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِينَ، وَأَنْتَ رَبِّي، إِلَى مَنْ تَكِلُنِي؟ إِلىٰ بَعِيدٍ يَتَجَهَّمُنِي، أَمْ إِلَى عَدُوٍّ مَلَّكْتَهُ أَمْرِي؟ إِنْ لَمْ يَكُنْ بِكَ غَضَبٌ عَلَيَّ فَلَا أُبَالِي، وَلَكِنَّ عَافِيَتَكَ هِيَ أَوْسَعُ لِي، أَعُوذُ بِنُورِ وَجْهِكَ الَّذِي أَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ، وَصَلَحَ عَلَيْهِ أَمْرُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، مِنْ أَنْ تُنْزِلَ بِي غَضَبَكَ، أَوْ تُحِلَّ عَلَيَّ سَخَطَكَ، لَكَ الْعُتْبَىٰ حَتَّى تَرْضَىٰ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِكَ."[1]

کہ اے اللہ! میں اپنی کمزوری، تدبیر کی کمی اور اِن لوگوں کے سامنے اپنی کم وقعتی کی شکایت کرتا ہوں، اے ارحم الراحمین! تو کمزوروں کا رب ہے، اور تو ہی میرا رب ہے، تو مجھے کن لوگوں کے حوالے کر رہا ہے؟ ایسے لوگوں کے حوالے جو مجھے ہنکار رہے ہیں، یا دشمنوں کے حوالے جن کو تو نے میرا اختیار دے رکھا ہے، اگر اس حال میں بھی تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے، لیکن مجھے تیری عافیت کی زیادہ ضرورت ہے، میں تیری ذات کی پناہ میں آتا ہوں جس کے نور سے تاریکیاں دور ہو جاتی ہیں، اور جس سے دنیا و آخرت دونوں سنور جاتی ہیں، اس بات سے پناہ چاہتا ہوں کہ تیرا غضب مجھ پر اُترے یا تیری ناراضی مجھ پر ہو، تیری ہی جانب میں رجوع کرتا رہوں گا یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے، اور

---

(۱) البداية والنهاية / فصل في ذهابه صلى الله عليه وسلم إلى أهل طائف يدعوهم، ٣٣٨/٤

تیرے سوا کسی کی کوئی قوت وتدبیر کچھ کام نہیں کرسکتی۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِتنے سخت ترین حالات کو بھی دِل کی رضا مندی کے ساتھ جھیل کر اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے حوالے کردیا، جسے تفویض کہا جاتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کے مقبول اور کامل ایمان والے بندوں کی صفت ہے، یہ صفت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں نمایاں طور پر پائی جاتی تھی، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ (آل عمران:۱۷۳)

”(یہ) وہ لوگ (ہیں) جن سے لوگوں نے کہا کہ مخالف لوگ تمھارے مقابلے کے لیے (بڑی کثرت سے) جمع ہو چکے ہیں سو ان سے ڈرو، تو (اس بات نے) ان کے ایمان کو اور بڑھا دیا اور وہ کہنے لگے: ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔“

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ڈرانے والوں نے جب کہا کہ لوگوں نے تم پر حملہ کرنے کے لیے پوری تیاری کرلی ہے، تو وہ ڈرے نہیں، بلکہ اُن کے ایمان میں مزید قوت پیدا ہوگئی کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی مار نہیں سکتا، کوئی کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی کوئی طاقت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے راستے کی مبارک محنت میں ہمیں یہ سکھایا جاتا ہے کہ کرنے دھرنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، اس کی چاہت کے بغیر درخت کا پتہ تک ہل نہیں سکتا، پھر ہم بے ایمان لوگوں سے کیوں ڈریں؟ اصل ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنا ایمان مضبوط کریں، جیسا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان تھا، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طائف والوں کے پتھر برداشت کر کے بھی دُعا میں اللہ تعالیٰ سے یہی کہا کہ یا اللہ! اگر آپ مجھ سے راضی

ہیں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں، لیکن میرے پیارے رب! اگر یہ حالات مجھ پر اس لیے آرہے ہیں کہ آپ مجھ سے ناراض ہیں تو آپ کو راضی کرنا میرا اوّل فریضہ ہے، لہٰذا جب تک آپ راضی نہیں ہوں گے میں آپ کی جانب رجوع کرتا رہوں گا، حالانکہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تو ایک بات طے (Fix) تھی کہ اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہیں، چنانچہ فرمایا:

﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰىؕ۝۵﴾ (الضحیٰ : ۵)

''اور آپ کا رب عنقریب آپ کو (اتنا کچھ) عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے، (اے حبیب!)۔''

اسی طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں بھی اللہ عزوجل نے یہ اعلان فرما دیا تھا:

﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ﴾ (المجادلة : ۲۲)

''اللہ تعالیٰ اُن (صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم) سے راضی ہو گیا ہے اور وہ لوگ بھی اللہ سے خوش ہیں۔''

اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اصحابِ نبی دونوں فریق سے خوش تھے، پھر بھی اُن پر حالات آرہے تھے، ہمارے حق میں تو یہ بات طے شدہ ہے کہ حالات ہماری نافرمانیوں کی وجہ سے آرہے ہیں۔

نامساعد اور کشیدہ حالات کے لیے چند معمولات:

اسی کے ساتھ اہل اللہ نے ایسے نازک حالات میں چند معمولات بتائے ہیں اُن کو بھی پڑھنے کا خاص اہتمام کریں، تعداد (Figure) بھی بتائی جاتی ہے، ہم اپنے اعتبار سے کم از کم ایک ایک تسبیح تو ضرور پڑھ لیا کریں۔

اس آیت کریمہ کا بکثرت وِرد کریں:

﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (الأنبياء:۸۷)

اسی طرح: "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ"(۱) کا بھی بکثرت وِرد کریں۔

نیز یہ دُعا بھی کثرت سے پڑھتے رہیں:

"اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَجْعَلُكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ."(۲)

اور: "رَبِّ إِنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ." (القمر:۱۰) بھی پڑھتے رہیں۔

اِن تمام دُعاؤں کا اہتمام کریں، اپنے رب سے تنہائیوں میں باتیں کریں، اللہ تعالیٰ کے سامنے آنسو بہائیں، اُمت مسلمہ بہت شدید حالات کی شکار ہے، ان حالات میں جب تک اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمارا مضبوط کنیکشن نہیں ہوگا اور سچا تعلق قائم نہیں ہوگا تب تک حالات بدلنا مشکل ہے، حالات میں تبدیلی صرف اللہ تعالیٰ ہی کر سکتے ہیں، لہٰذا اُس سے ہمارا تعلق اُستوار ہونا چاہیے۔

اخیر میں اللہ تعالیٰ سے دست بہ دُعا ہوں کہ وہ ہمارے حالات کو بہتر بنا دیں، ہم سے راضی ہو جائیں اور ہم تمام کو آئندہ بھی ایسے اعمال کی توفیق دیں جس سے وہ راضی ہو جائیں۔ نیز عقائد واَعمال کی اِصلاح فرمائیں، خصوصاً آخرت کا استحضار نصیب فرمائیں۔ آمین یارب العالمین۔

وَأٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

* * *

---

(۱) رواه البخاري / كتاب الدعوات / باب الدعاء إذا علا عقبة / رقم الحديث : ٦٣٨٤.

(۲) رواه أبوداود / كتاب الصلوٰة / باب ما يقول الرجل إذا خاف قوما / رقم الحديث : ١٥٣٧.

سنتوں کا اہتمام

اور ڈاڑھی

BAYAN QR CODE

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، أَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ الْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِيْدِ، أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۱﴾ (آل عمران : ۳۱)

وَقَالَ تَعَالٰى:

﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ﴾ (الحشر : ۷)

وَقَالَ تَعَالٰى:

﴿وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ﴾ (النساء : ۱۱۹)

وَقَالَ تَعَالٰى:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝۵۷﴾ (الأحزاب : ۵۷)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ، وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

تمہید:

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! آج کی اس مبارک مجلس میں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کا اہتمام اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں میں سے اہم ترین سنت جس سے آج ایمان والے مردوں کی ایک بہت بڑی تعداد خالی ہے یعنی ڈاڑھی کے متعلق کچھ باتیں عرض

کرنے کا ارادہ ہے، بسا اَوقات رمضان المبارک کے ختم ہوتے ہی؛ بلکہ چاند رات کو ہی سب سے پہلا گناہ جو ہوتا ہے وہ عمومی طور پر رمضان بھر میں جتنی ڈاڑھی آئی ہے اُسے ختم کرنے کا ہوتا ہے۔ اس لیے آج یہ عاجز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں اور بطورِ خاص ڈاڑھی کے متعلق کچھ باتیں عرض کرنا چاہتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو سنتوں کا اہتمام نصیب فرمائیں اور خصوصاً نوجوانوں کو ڈاڑھی کی اَہمیت سمجھنے اور اس کا اہتمام کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین۔

خطبے میں پڑھی گئی آیات کا ترجمہ:

قرآن مجید کی جو آیات تلاوت کی گئیں پہلے ہم اُن کا ترجمہ سمجھ لیتے ہیں:

پہلی آیت سورۂ آل عمران کی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ’’نبی جی! آپ ایمان والوں سے فرما دیجیے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، میرے نقش قدم پر چلو۔ (اس اتباع کے تمھیں دو فائدے ہوں گے) اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائیں گے (اور بتقاضائے بشریت جو گناہ تم سے ہو جاتے ہیں) انھیں اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں گے۔‘‘

دوسری آیت کریمہ سورۂ حشر کی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ تمھیں دیں وہ لے لو، اور جن چیزوں سے تمھیں منع کریں اُس سے رُک جاؤ۔‘‘

تیسری آیت کریمہ سورۂ نساء کی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ شیطان کی بات نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ شیطان نے کہا کہ میں اُن (انسانوں) کو حکم دوں گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی خلقت میں، اس کی بناوٹ میں تغیر اور چینجنگ (Changing) کریں گے۔‘‘

چوتھی آیت کریمہ سورۂ احزاب کی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ’’وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف پہنچاتے ہیں اُن پر دنیا وآخرت میں اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے اور اُن کے لیے رُسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔‘‘

سنت کی تعریف مع اقسام:

اللہ رب العزت کی جانب سے عطا کردہ زندگی کا عطیہ نہایت ہی قیمتی ہے، اُس کی قدر یہی ہے کہ ہم اِس زندگی کو صحیح طریقے کے مطابق گذاریں، اور زندگی گذارنے کا وہ طریقہ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے اُس سے زیادہ صحیح، نفع بخش، پیارا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ اور طریقہ نہ کوئی ہے اور نہ ہوسکتا ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے کو سنت کہتے ہیں، اِسی لیے شریعت میں سنت کی بہت ہی زیادہ اہمیت آئی ہے، کیوں کہ سنت کے لغوی معنیٰ ہیں: ''طریقہ''، اور جب سنت کی نسبت احکامِ شریعت کی طرف ہو تو اُس کے معنیٰ ہوں گے واجب سے کم درجے کے اعمال و احکام، لیکن جب اُس کی نسبت صاحبِ شریعت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کی جائے تو اُس کا عام مطلب ہوتا ہے: رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ، یعنی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ مختلف اعمال و اقوال اور اخلاق و احوال جو قابل عمل ہیں اور احادیث میں بیان کیے گئے ہیں، خواہ اُن کا تعلق طبعی و بشری اُمور سے ہو یا شرعی و دینی اُمور سے، دوسرے لفظوں میں یہ کہ وہ نبوی طریقہ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطورِ عادت اختیار فرمایا ہو یا بطورِ عبادت، پھر عادت و عبادت میں بھی اُس نبوی طریقے کا درجہ فرض کا ہو یا واجب کا، سنتِ مؤکدہ کا ہو یا غیر مؤکدہ کا، سب کے سب سنت کے اصطلاحی مفہوم میں داخل ہیں، مثلاً ایمان لانا تو فرض ہے، جس کے بغیر کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول نہیں، لیکن ایمان لانا اِس اعتبار سے سنت بھی ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ ہے، اِسی طرح ہر مسلمان مرد و زن پر روزانہ دِن رات میں پانچ مرتبہ نماز پڑھنا تو فرض ہے، لیکن یہ اِس اعتبار سے سنت بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ ہے، اِسی طرح رمضان کے روزے اور صاحبِ استطاعت پر زندگی میں ایک مرتبہ حج کرنا وغیرہ اگرچہ فرائض ہیں، لیکن اِس اعتبار سے کہ اِن تمام اُمور و

احکام پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمل فرمایا، لہٰذا سنت بھی ہیں، اِسی طرح ایک مشت ڈاڑھی رکھنا یوں تو واجب ہے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دائمی طریقہ ہونے کے سبب سنت بھی ہے، نیز نماز، تراویح، فجر وظہر سے قبل اور ظہر، مغرب اور عشا کے بعد کی سنتیں یوں تو مؤکدہ ہیں، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ ہونے کے سبب سنت بھی ہیں، اِسی طرح عصر وعشا سے قبل کی سنتیں غیر مؤکدہ ہیں، لیکن یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقۂ عبادت ہونے کے سبب سنت ہیں۔

اِس کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ طریقہ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطورِ عادت اختیار کیا مثلاً کھانے، پینے، اٹھنے، بیٹھنے، چلنے، پھرنے، سونے اور جاگنے وغیرہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو طریقہ ہے اُس پر عمل کرنا اگرچہ فرض وواجب تو نہیں، بلکہ مستحب ہے، لیکن یہ سب بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس عادات ہونے کے سبب سنت ہیں، اور اُن پر عمل کرنا علامتِ محبت ہے، اور سنت کی یہ قسم سنن زوائد کہلاتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ سنت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقۂ زندگی کو کہتے ہیں۔

ایسا کام جس میں نقصان کا اِمکان نہیں:

دُنیا کا ہر عقل مند انسان یہ چاہتا ہے کہ مجھے زیادہ سے زیادہ نفع اور پرافٹ (Profit) ملتا رہے اور میں نقصان سے بچا رہوں، ہر ذی شعور، عقل مند انسان کی یہی خواہش ہوتی ہے، اور اس کے لیے وہ تجربہ کار ماہرین سے مشورہ کرتا رہتا ہے، اُن سے رجوع کرتا رہتا ہے، لیکن اس کے باوجود ہمیشہ نفع ہونا ضروری نہیں؛ بلکہ نقصان بھی ہوسکتا ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ دُنیا کے ہر کام میں نفع ونقصان کے اِمکانات ہوتے ہیں۔ صرف ایک کام ایسا ہے جس میں سو فی صد نفع ہی نفع ہے، نقصان کا کوئی اِمکان ہی نہیں، اور وہ ہے اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اس میں نفع حتمی اور یقینی ہے۔

سنتوں کا اہتمام کرنے والا مقامِ محبوبیت پر فائز:

جس بندے کی زندگی میں سنتوں کا اہتمام ہوگا وہ لوگوں کا محبوب بن جائے گا، فرشتوں کا محبوب بن جائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب بن جائے گا، یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بھی محبوب بن جائے گا۔ چنانچہ حدیث پاک میں اس بات کی وضاحت ملتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتے ہیں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم فرماتے ہیں کہ تم بھی اس بندے سے محبت کرو، چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اُس بندے سے محبت کرتے ہیں، پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام آسمان میں اعلان فرماتے ہیں کہ تمام فرشتے بھی اس بندے سے محبت کریں، لہٰذا تمام آسمان والے اُس بندے سے محبت کرتے ہیں، یہاں تک کہ اُس بندے کی محبت زمین پر بھی عام کر دی جاتی ہے اور سب لوگ اُس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: "إِنَّ اللّٰهَ إِذَا أَحَبَّ عَبْدًا دَعَا جِبْرِيلَ، فَقَالَ: إِنِّي أُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبَّهُ، قَالَ: فَيُحِبُّهُ جِبْرِيلُ، ثُمَّ يُنَادِي فِي السَّمَاءِ، فَيَقُولُ: إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبُّوهُ، فَيُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ، قَالَ: ثُمَّ يُوضَعُ لَهُ الْقَبُولُ فِي الْأَرْضِ."(۱)

بہت سے اللہ والے ایسے ہوتے ہیں جن سے ہم نے کوئی بیان نہیں سنا، کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا، لیکن اس کے باوجود اُن کی عقیدت ہمیں متاثر کر دیتی ہے، اس لیے کہ اُن کی زندگیوں میں سنتوں کا اہتمام اس قدر ہوتا ہے کہ وہ ہمیں متاثر کر دیتا ہے۔

ہماری سوچ یہ بنی ہوئی ہے کہ جس کے پاس دُنیوی مال و متاع اور روپے پیسے

(۱) رواہ مسلم / کتاب البر والصلة والآداب / رقم الحدیث : ۲۶۳۷.

ہوں گے وہی کامیاب ہے، اور جس کے پاس یہ چیزیں نہیں وہ کامیاب نہیں ہے، اصل بات یہ ہے کہ جس کی زندگی میں سنتوں کا اتباع ہوگا وہ کامیاب اور بامراد ہے، بہت سارے مال دار لوگ پریشان ہیں، اُن کی زندگی میں چین وسکون نہیں ہے، دُنیوی اَسباب و وسائل کے ذریعے چین وسکون نہیں خریدا جاسکتا۔ بہت سے مال دار یہ شکوہ کرتے ہیں:

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مرجائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے؟

اس صورتِ حال سے لوگ دوچار ہیں، ہماری زندگیوں میں سکون نہ ہونے کا حقیقی سبب دین داری کا فقدان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقوں کا نہ ہونا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو فائدے بتائے ہیں وہ کسی اور عمل یا مجربات، وظائف وغیرہ سے حاصل نہیں ہوسکتے، اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ اگر میرا پسندیدہ بندہ بننا چاہتے ہو تو میرے محبوب نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرو۔ لہٰذا جو بندہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بندہ بن جائے گا، اور جس بندے کو اللہ تعالیٰ کی محبت مل جائے اُس کے تمام کام آسان ہوجائیں گے، اُس کی دُنیا اور آخرت دونوں سنور جائیں گی۔

دین کی نسبت کی برکت:

ایک اللہ والے دین کی باتیں لوگوں کو بتانے کے لیے ایک جگہ تشریف لے گئے، اتفاق سے وہ سیر وسیاحت کی جگہ تھی، وہاں ان کا بہت اعزاز و اکرام ہوا، لوگوں نے اپنی گاڑیاں پیش کردیں کہ حضرت! ہماری گاڑی سے سفر فرمائیں، اپنے گھر پیش کردیے کہ حضرت! ہمارے گھر تشریف لائیں، وہ اللہ والے اپنے مرید سے فرمانے لگے: دیکھو! اللہ

تعالیٰ نے ہمیں پیسہ بھی دیا ہے، ہم چاہتے تو اس جگہ سیر و سیاحت کی نیت سے آتے، بہترین ہوٹل (Hotel) میں ہمارا قیام بھی ہوتا، مال کی وجہ سے سب کچھ ہوسکتا تھا، لیکن یہ جو عزت و اِکرام کا سلوک لوگ ہمارے ساتھ کر رہے ہیں، ہمارے لیے فرشِ راہ بنے ہوئے ہیں یہ صرف دین کی نسبت کی برکت ہے، ہم خود کو دین دار تو نہیں کہہ سکتے، لیکن یہ ضرور ہے کہ لوگوں کا ہمارے ساتھ یہ محبت بھرا سلوک دین کی نسبت پر ہے۔

جو بھی کرو سنت کے مطابق کرو:

حضرت جی مولانا انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ''ہم یہ نہیں کہتے کہ سب سنتوں پر عمل کرو؛ بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ جو کچھ کرو وہ سنت کے مطابق کرو۔''

ہم بہت سے کام کرتے ہیں، لیکن کام کرتے وقت ہماری نیت سنت پر عمل کرنے کی نہیں ہوتی، بس عادۃً ہم اس کام کو کر لیتے ہیں، مثلاً ہم چپل پہن رہے ہیں تو سیدھا پاؤں (داہنا پاؤں) پہلے چپل میں رکھیں، عموماً لوگوں کا سیدھا پاؤں ہی پہلے چپل میں جاتا ہے، لیکن اس وقت اتباعِ سنت کی نیت نہیں ہوتی، اس لیے ثواب ضائع ہو جاتا ہے، اگر یہی کام ہم اتباعِ سنت کی نیت سے کرتے تو ساتھ میں ثواب بھی مل جاتا۔ تو ہمیں چاہیے کہ ہر کام اتباعِ سنت کی نیت سے کریں۔

ہم اپنی زندگیوں میں سنت کیسے لائیں؟

اپنی زندگیوں میں اگر ہم اتباعِ سنت کی عادت بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سریت کو پڑھنا ہوگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت جتنی پڑھیں گے اُسی قدر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہمارے دلوں میں راسخ ہوگی، دنیا میں سب سے زیادہ جس موضوع

(Topic) پر لکھا گیا ہے وہ نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ ہے، مختصر بھی لکھا گیا، مفصل بھی موجود ہے اور درمیانی بھی، لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ اَب موبائل فون نے کتب بینی کا ذوق ہی ختم کر دیا، جب ہم سیرت پڑھیں گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت دِل میں جاگزیں ہوگی، اور جب محبت دِل میں آجائے تو اتباعِ سنت ہمارے لیے آسان ہو جائے گا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَأَطَعْتَه　　　إِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيْعٌ

''اگر تیری محبت سچی ہوتی تو تو اپنے محبوب کی اِطاعت کرتا، اس لیے کہ محبت کرنے والا تو اپنے محبوب کی اِطاعت کیا کرتا ہے۔'' تو پہلے سیرت، پھر محبت، پھر اتباع۔

سیرتِ رسول کا مطالعہ ازحد ضروری:

آج ہماری نوجوان نسل اپنے بال، کپڑے اور وضع قطع سے متعلق ہر چیز میں فلمی اَداکاروں اور کھلاڑیوں کی نقالی کرتی ہے، جب کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الأحزاب : ۲۱)

''تمھارے لیے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں بہترین نمونہ (Perfect Ideal) ہے۔''

کوئی بھی ہیرو (Hero) ایکٹر (Actor) یا کھلاڑی مؤمنین کا آئیڈیل نہیں بن سکتا، ہماری نوجوان نسل ایسے لوگوں کو اپنا آئیڈیل اس لیے تصور کرتی ہے کہ انھوں نے ان کو ٹی وی اور موبائل کی اسکرین پر اِتنا دیکھا کہ اُن کی محبت اُن کے دلوں میں بیٹھ گئی، پھر بچوں میں یہ جذبہ پیدا ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں کہ وہ بھی ان جیسے بنیں، وہ سوچیں گے کہ ہم بھی اُن جیسے بال بنائیں، اُن جیسا لباس پہنیں، خواہ وہ لباس عقل وخرد اور فطرت سے کوسوں دور ہی کیوں

نہ ہو۔اس بے جا محبت کی انتہا یہ ہے کہ کوئی ایکٹر مرتا ہے تو اس کے چاہنے والے اس کی مغفرت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ کیا اس کی مغفرت ہو جائے گی؟ یہی بے جا محبت ہماری نسل کے فساد میں بہت بڑا رول (Role) ادا کرتی ہے۔

سنت کے اہتمام پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے رہبری:

جب زندگی میں اتباعِ سنت کا اہتمام ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے رہبری ہوتی ہے، قرآن مجید کی ایک آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط﴾ (العنکبوت : ٦٩)

جو لوگ ہمارے راستے میں محنت کرتے ہیں خواہ کسی بھی طرح ہو، اللہ تعالیٰ کے راستے میں نکل کر محنت کرتے ہیں، مدرسے میں پڑھ کر پڑھا کر محنت کرتے ہیں، اپنی زندگی میں اتباعِ سنت کے لیے محنت کرتے ہیں، اُن کو ہم ضرور بالضرور ہمارے راستوں کی رہبری کرتے رہیں گے۔

حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ اُنگلی پکڑ کر ہم اُس کو چلاتے ہیں، پھر سنت اُس کی فطرت اور نیچر (Nature) بن جاتی ہے، اُس کی طبیعت بن جاتی ہے۔

ہمارے ذہنوں میں ولی کا تصوّر:

آج لوگ ولی اُسی کو سمجھتے ہیں جو بہت زیادہ کرامات دِکھائے، ایک غلط تصوّر یہ بھی ہے کہ زندہ شخص کبھی ولی ہو ہی نہیں سکتا، ولی تو وہ ہوتا ہے جو مر چکا ہو، بہت سی دفعہ آپ نے سنا ہوگا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں: ''آج تو میں نے زندہ ولی دیکھا ہے۔'' یہ تصوّر قطعاً غلط ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ کی اتباعِ سنت سے لبریز زندگی:

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ایک بہت بڑے ولی گزرے ہیں، اُن کے پاس ایک شخص اُن کی صحبت سے فائدہ اُٹھانے کے لیے حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ حضرت! میں نے آپ کا بہت نام سنا ہے، آپ کی صحبت میں رہنا چاہتا ہوں، چنانچہ آپؒ نے اِجازت عطا فرمائی، وہ شخص دَس سال تک اُن کی صحبت وخدمت میں رہا، دَس سال کے بعد ایک دِن اُس نے روانگی کا ارادہ کیا، حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اچانک روانہ ہونے کی وجہ دریافت کی، تو وہ شخص کہنے لگا کہ میں نے سن رکھا تھا کہ آپ بہت بڑے ولی ہیں، بہت بڑے اللہ والے ہیں، میں تو دَس سال سے آپ کی صحبت وخدمت میں ہوں؛ مگر میں نے تو کبھی آپ کی کوئی کرامت دیکھی ہی نہیں، تو آپ ولی کیسے ہو سکتے ہیں؟ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اچھا! یہ بتاؤ کہ آپ نے دَس سال میں مجھے کبھی کوئی ایسا عمل کرتے دیکھا ہے جو سنت کے خلاف ہو؟ اُس نے کہا: نہیں، تو یہ بھی کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ "الاِسْتِقَامَةُ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ كَرَامَةٍ."

دین سے قریب ہونے والوں کے تئیں لوگوں کا غلط رویہ:

ہمارے معاشرے میں آج کل ایک عجیب برائی پھیل گئی ہے کہ اگر کوئی اللہ کا بندہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے گناہوں کو چھوڑ کر دین سے قریب ہونا چاہے اور اس کے لیے نیکی کی طرف آتا ہے، اعمالِ صالحہ اور اتباعِ سنت کی کوشش کرتا ہے تو لوگ اُس کا مذاق اُڑانے لگتے ہیں، اس پر جملے کستے ہیں کہ ''یہ تو بہت صوفی بن گیا'' یہ بہت ہی خطرناک چیز ہے، یاد رکھیں کہ اس قسم کی طعن وتشنیع سے اگر وہ بندہ دین سے ہٹ گیا تو مذاق اُڑانے والوں پر بھی اس کا

وَبال آئے گا، علاوہ ازیں یہ دین کا استہزا بھی ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے عذاب دیا جاتا ہے، پھر جس طرح دین کا استہزا حرام ہے اسی طرح اللہ والوں کا استہزا، اُن کا مذاق اور ٹھٹھا بھی حرام ہے، دین پر چلنے والے اور اتباعِ سنت کی کوشش کرنے والے کا مذاق بھی اس میں داخل ہے، یہ اس قدر خطرناک چیز ہے کہ اس کے متعلق ایک حدیث قدسی میں فرمایا گیا:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : "إِنَّ اللّٰهَ تَعَالیٰ قَالَ: "مَنْ عَادَىٰ لِي وَلِيًّا فَقَدْ أٰذَنْتُه بِالْحَرْبِ."(۱)

''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص میرے کسی ولی (مقرب بندے) سے دشمنی رکھے گا تو میں اُس سے جنگ کا اعلان کرتا ہوں۔''

سنتوں کو معمولی سمجھنا ہلاکت کا باعث:

سنن نبویہ کو معمولی سمجھنا یہ دین کا استخفاف ہے، کسی بھی دینی امر کو ہلکا یا حقیر خیال کرنا یہ حرام ہے، یہ گناہ اِتنا سنگین ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے بندوں کا فوری مؤاخذہ بھی ہو جاتا ہے۔

ایک حدیث پاک اس کے متعلق وارد ہے:

عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ أَنَّ رَجُلًا أَكَلَ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشِمَالِهِ، فَقَالَ: "كُلْ بِيَمِينِكَ"، قَالَ: "لَا أَسْتَطِيعُ"، قَالَ: "لَا اسْتَطَعْتَ، مَا مَنَعَهُ إِلَّا الْكِبْرُ". قَالَ: "فَمَا رَفَعَهَا إِلَى فِيهِ."(۲)

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ آپ کے والد نے

(۱) رواه البخاري / كتاب الرقاق / باب التواضع / رقم الحديث : ۶۵۰۲.

(۲) رواه مسلم / كتاب الأشربة / باب آداب الطعام والشراب وأحكامها / رقم الحديث : ۲۰۲۱.

آپ کے سامنے یہ حدیث بیان فرمائی کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اپنے بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''دائیں ہاتھ سے کھایئے!'' اس نے کہہ دیا کہ میں ایسا نہیں کرسکتا، حالانکہ اُسے کوئی عذر بھی نہیں تھا، محض تکبر کی وجہ سے اُس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان مبارک کا انکار کر دیا، اُس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم کبھی ایسا کر بھی نہیں سکو گے۔ راوی فرماتے ہیں کہ پھر کبھی بھی وہ شخص اپنا ہاتھ منہ تک نہیں اُٹھا سکا۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو رحمۃ للعالمین تھے، آپ نے طائف کے موقع پر ظلم کرنے والوں کو معاف کر دیا، فتح مکہ کے موقع پر بھی ظلم کرنے والوں کو معاف فرمادیا، نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی کسی کو بددعا نہیں دیتے تھے، تو اس موقع پر اس شخص کو بددعا کیوں دی؟ کہ اب تیرا دایاں ہاتھ کبھی کام نہیں کرے گا، تو اس کے ذریعے کبھی کھا نہیں سکے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے اس بددعا کی شکل میں چھوٹی سی سزا نہ دی جاتی تو سنت کے استخفاف (معمولی سمجھنے) کی وجہ سے اُس بندے پر اللہ تعالیٰ کی پکڑ آتی، جو اُس کے حق میں مزید ہلاکت کا باعث بن جاتی، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے از راہِ شفقت و رحمت اس پر مہربانی فرماتے ہوئے چھوٹی سی سزا کے ذریعے اس کا معاملہ آسان فرمادیا۔

اللہ والوں کے مختلف رَنگ:

ایک شخص کسی اللہ کے ولی کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ہم نے سنا ہے کہ بزرگوں کے مزاج اور رنگ الگ الگ ہوتے ہیں، آپ مجھے اس کی کوئی مثال بتاؤ، اُس شخص کے اِصرار پر اللہ والے بزرگ نے فرمایا کہ فلاں مسجد میں چلے جاؤ، وہاں آپ کو تین بزرگ ذکر میں بیٹھے ہوئے ملیں گے، تم تینوں کو ایک ایک مکا مار کر آجاؤ۔ چنانچہ وہ شخص اُس مسجد میں پہنچا اور

پہلے شخص جو ذکر میں مشغول تھے انھیں مکا مار دیا، ذکر کی لذت میں اس بزرگ کو پتہ ہی نہیں چلا کہ کیا ہوا، پھر یہ شخص دوسرے بزرگ کے پاس آیا اور انھیں بھی مکا مارا، تو انھوں نے فوراً پیچھے مڑ کر اس شخص کا ہاتھ پکڑ لیا اور پوچھا کہ کہیں آپ کو چوٹ تو نہیں لگی؟ اب یہ شخص تیسرے بزرگ کے پاس گیا اور انھیں مکا مارا، تو اس بزرگ نے بھی اُسے فوراً مکا مار دیا۔

اس شخص نے اُس اللہ والے بزرگ کے پاس جا کر تینوں کی حالت بیان کی، تو اللہ والے بزرگ نے فرمایا کہ پہلے بزرگ پر ذکر اللہ کی لذت و ذوق اس قدر غالب تھا کہ وہ ذکر اللہ میں گویا مستغرق و محو ہو گئے تھے، اس لیے انھیں پتہ تک نہیں چلا کہ باہر کی دُنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ اور دوسرے بزرگ پر اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی تئیں شفقت و ہمدردی کا رَنگ غالب تھا، اس لیے انھوں نے خود مکا کھا کر بھی آپ کو پوچھا کہ کہیں چوٹ تو نہیں لگی؟ اور تیسرے بزرگ پر ایک الگ ہی قسم کی شفقت کا رنگ غالب تھا، چوں کہ انھیں ذکر اللہ کے دوران مکا مار کر تکلیف پہنچائی گئی تو انھیں فوراً خیال آیا کہ اِس تکلیف کا بدلہ اگر میں نہیں لوں گا تو اللہ تعالیٰ لیں گے، اور جب اللہ تعالیٰ کی جانب سے کاروائی ہوگی تو بڑی سخت ہوگی، اس لیے انھوں نے ازراہِ شفقت آپ کو بڑی ہلاکت سے بچانے کے لیے مکا مار دیا، تاکہ من جانب اللہ فوری طور پر مؤاخذہ نہ ہو۔

خلاصہ یہ کہ اَولیاء اللہ کے مزاج اور اُن کے معاملات بہت عجیب و غریب ہوتے ہیں، بسا اَوقات وہ عام لوگوں کی فہم سے باہر ہوتے ہیں۔ تو ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹی سزا کے ذریعے اُس شخص کو بڑی ہلاکت سے بچا لیا۔

ترکِ سنت پر ایک عبرت آموز واقعہ:

تارکِ سنت کو ڈرنا چاہیے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ سنت سے مُنہ موڑنے والے سے اللہ

تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض ہو کر مُنہ موڑ لیں۔ اِس سلسلے میں ''اھوال القیامۃ'' میں علامہ زین الدین ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عبرت ناک واقعہ نقل فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ اُن کے پاس ایک ایسا شخص آیا جو کفن چور تھا، مگر اب وہ اُس قبیح حرکت سے باز آچکا تھا اور توبہ کر کے زندگی گزار رہا تھا، علامہ زین الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اُس سے پوچھا کہ ''تم مسلمانوں کے کفن چراتے رہے ہو اور تم نے مرنے کے بعد اُن کی حالت دیکھی ہے، یہ بتاؤ کہ جب تم نے اُن کے چہرے کھولے تو اُن کا رُخ کس طرف تھا؟'' اُس نے جواب دیا کہ ''اکثر چہرے قبلہ کے رُخ سے پھرے ہوئے تھے'' حضرت زین الدین رحمۃ اللہ علیہ کو بڑا تعجب ہوا، کیوں کہ دفن کرتے ہوئے تو مسلمان کا چہرہ قبلہ رُخ کیا جاتا ہے، اِس لیے آپؒ نے اِس بارے میں اِمام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا، تو انھوں نے پہلے تو تین مرتبہ "إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ" پڑھا، پھر فرمایا کہ ''یہ وہ لوگ ہوں گے جو اپنی زندگی میں سنتوں سے مُنہ موڑنے والے تھے۔''(۱)

ڈاڑھی تمام اَنبیا علیہم السلام کی سنت:

ڈاڑھی کی سنت بہت پیاری اور اَہم سنت ہے، یہ تمام اَنبیائے کرام علیہم السلام کی بھی سنت رہی ہے۔(۲) جس سے آج ایمان والوں کی ایک بڑی تعداد کوتاہی میں مبتلا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ تم اپنی مونچھوں کو کترواؤ اور اپنی ڈاڑھیوں کو چھوڑ دو، اور اس عمل کے ذریعے مجوس کی مخالفت کرو۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰه عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلىَّ اللّٰهُ

(۱) حکایتوں کا گلدستہ، صفحہ: ۱۹۲، مولانا اسلم صاحب شیخوپوری رحمۃ اللہ علیہ۔

(۲) رواه الترمذي / أبواب النكاح / باب ما جاء في فضل التزويج والحث عليه/ الرقم : ۱۰۸۰.

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "جُزُّوا الشَّوَارِبَ، وَأَرْخُوا اللِّحَىٰ، خَالِفُوا الْمَجُوسَ."(۱)

اس حدیث پاک سے پتہ چلا کہ مونچھ کتروانا اور ڈاڑھی کو بڑھانا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہے۔ علاوہ ازیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ "جو شخص کسی غیر مسلم قوم کی مشابہت اختیار کرے گا اُس کا حشر اُن ہی کے ساتھ ہوگا۔"

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:" مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ."(۲)

یہ حدیث پاک ہماری تنبیہ کے لیے کافی ہے، اگر ہمارا چہرہ غیروں کے مشابہ ہوگا تو نعوذ باللہ ہمارا حشر بھی ویسا ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی اس گناہِ بے لذت سے حفاظت فرمائے۔

نیز ابوداؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث مروی ہے، جس میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس چیزوں کو فطرت میں سے بتایا ہے، جن میں سے مونچھ کا کاٹنا اور ڈاڑھی کا بڑھانا بھی مذکور ہیں۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْها قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: "عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ، قَصُّ الشَّارِبِ، وَإِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ، وَالسِّوَاكُ، وَالِاسْتِنْشَاقُ بِالْمَاءِ، وَقَصُّ الْأَظْفَارِ، وَغَسْلُ الْبَرَاجِمِ، وَنَتْفُ الْإِبِطِ، وَحَلْقُ الْعَانَةِ، وَانْتِقَاصُ الْمَاءِ، يَعْنِي الِاسْتِنْجَاءَ بِالْمَاءِ."(۳)

فرمایا: "دس چیزیں فطرت میں سے ہیں: (۱) مونچھوں کا کٹوانا۔ (۲) ڈاڑھی کا

(۱) رواه مسلم / كتاب الطهارة / رقم الحديث : ٢٦٠.

(٢) رواه أبوداود / كتاب اللباس / باب في لبس الشهرة / رقم الحديث : ٤٠٣.

(٣) رواه أبوداود / كتاب الطهارة / باب السواك من الفطرة / رقم الحديث : ٥٣.

بڑھانا۔ (۳) مسواک کرنا۔ (۴) ناک میں پانی ڈال کر اُسے صاف کرنا۔ (۵) ناخون تراشنا۔ (۶) بدن (یا انگلیوں) کے جوڑوں کی لکیروں (یا ہر اُس جگہ کو جہاں میل جمع ہوتا ہے اچھی طرح دھونا۔ (۷) بغلوں کے بال صاف کرنا۔ (۸) زیر ناف کے بال صاف کرنا۔ (۹) پانی سے اچھی طرح استنجا کرنا۔''

دَسویں چیز بعض روایات میں کلی کرنا مذکور ہے۔

اس حدیث پاک میں لفظ فطرت کا ایک مطلب محدثین نے یہ لکھا ہے کہ نبیوں کا طریقہ اور سنت۔ اور ایک مطلب اس کا نیچر (Nature) ہے۔ جس کا ذکر قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ﴾ (الروم:۳۰)

''تم اللہ تعالیٰ کی اُس فطرت کے مطابق رہا کرو جس پر تمھیں اُس نے پیدا کیا ہے، اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں تغیر کی کوشش نہ کرو۔''

قرآن مجید کی آیت جو خطبے میں مذکور ہے اس میں شیطان کا یہ فریب ذکر کیا گیا ہے کہ اس نے کہا تھا کہ میں انسانوں کو گمراہ کرنے کے لیے انھیں حکم دوں گا کہ وہ اللہ کی تخلیق کو بدل دیں۔ لہٰذا جو لوگ بھی ڈاڑھی منڈوانے کا ارتکاب کرتے ہیں وہ اسی شیطانی فریب کے شکار ہیں۔

حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں یہ بات لکھی ہے کہ ڈاڑھی کٹانے والا اللہ تعالیٰ کی بناوٹ میں چینج (Change) اور تبدیلی کر کے تغیر خلق اللہ کا مرتکب بنتا ہے۔[1]

(۱) تفسیر بیان القرآن: ۱/ ۴۰۹۔

ایک شبہے کا اِزالہ:

یہاں ایک کنفیوژن (Confusion) دور کرنے کی ضرورت ہے کہ بہت سے لوگ پوچھتے ہیں کہ ڈاڑھی رکھنا سنت ہے یا واجب؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسے سنت اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ ہے اور اس کا حکم حدیث پاک سے ثابت ہے، لیکن ایک مشت (مٹھی) کے بقدر ڈاڑھی رکھنا واجب ہے اور اُس کا کٹوانا حرام ہے، ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ ڈاڑھی رکھنا واجب ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھیے کہ عید کی نماز واجب ہے، لیکن اس کو سنت بھی کہا جاتا ہے، اس لیے کہ عید کی نماز کا حکم صراحتاً قرآنِ پاک میں مذکور نہیں ہے؛ بلکہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے، سنت (حدیث) سے ثابت ہونے کی وجہ سے اُسے سنت بھی کہا جاتا ہے، لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا حکم واجب ہے، اسی طرح ڈاڑھی کا ثبوت حدیث پاک سے ہے اس وجہ سے اُسے سنت کہا جاتا ہے، لیکن حکم اس کا واجب ہے۔

ایک مشت ڈاڑھی کا ثبوت:

ڈاڑھی کے ایک مشت کے بقدر ہونے کا ثبوت بھی احادیث سے ملتا ہے، چنانچہ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، آپ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہر و عصر کی نمازیں جو کہ سری (خاموش) ہوتی ہیں اُن میں قرأت فرماتے تھے؟ آپ نے جواب دیا کہ ہاں، پوچھا گیا کہ کیسے پتہ چلتا تھا؟ تو آپ نے فرمایا: نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ڈاڑھی مبارک کی حرکت سے پتہ چلتا تھا۔

عَنْ خَبَّابِ بْنِ الأَرَتِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قِيلَ لَهُ: "كَانَ

النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ؟ "قَالَ: "نَعَمْ"، قِيلَ: "بِأَيِّ شَيْءٍ كُنْتُمْ تَعْرِفُونَ ذَلِكَ؟ "قَالَ: "بِاضْطِرَابِ لِحْيَتِه."(۱)

اس حدیث سے پاک سے معلوم ہوا کہ اگر ڈاڑھی ایک مشت سے کم ہو، مثلاً خشخشی ہو یا فرنچ کٹنگ (French Cutting) ہو تو اس میں پیچھے کی جانب سے حرکت نظر نہیں آسکتی۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معمولات میں یہ بات ملتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ڈاڑھی مبارک میں کنگھا فرماتے تھے، ظاہری بات ہے کہ اگر ڈاڑھی ایک مشت سے کم ہو، مثلاً فرنچ کٹ ہو تو اُس میں کنگھا کیسے کیا جاسکتا ہے؟ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ڈاڑھی مبارک لمبی تھی۔ اسی طرح دیگر انبیائے کرام علیہم السلام اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بھی یہ ثبوت ملتا ہے کہ ان کی ڈاڑھیاں گھنی تھیں۔

اسی طرح وضو کی سنتوں میں یہ بھی داخل ہے کہ ڈاڑھی کا خلال کیا جائے، اب اگر ڈاڑھی ایک مشت سے کم ہو، فرنچ کٹ ہو تو اُس میں خلال کیسے ہوگا؟ معلوم ہوا کہ ڈاڑھی کا ایک مشت ہونا ضروری ہے۔

ایک مشت ڈاڑھی رکھنا واجب ہے:

ائمۂ اربعہ (امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ) کے نزدیک ڈاڑھی رکھنا واجب اور ضروری ہے۔ اور منڈوانا حرام ہے۔

افسوس کی بات ہے کہ اُمت مسلمہ کی ایک بہت بڑی تعداد ڈاڑھی سے اعراض کرتی ہے اور اُسے کٹا دیتی ہے۔ حالانکہ ڈاڑھی کٹانا یہ فساق وفجار کی علامت ہے، اور مسئلہ یہ

(۱) مسند أحمد / أول مسند البصريين / حديث خباب بن الأرت / رقم الحديث : ۲۱۰٦۱.

ہے کہ فاسق کی اِمامت مکروہ ہے، تو ڈاڑھی منڈوانے والے کی اِمامت بھی مکروہ شمار ہوگی۔

ڈاڑھی مردانگی کی علامت اور سامانِ زینت:

اللہ رب العزت نے اپنی قدرت سے دنیا کے تمام ہی مرد وعورت کے درمیان امتیاز اور فرق پیدا کرنے کے لیے ظاہری اور باطنی اعتبار سے کچھ خصوصیات وعلامات ایسی پیدا فرمادیں کہ اُن کے ذریعے مسٹر (Mister) اور میڈم (Madam) میں پہچان قائم ہوجاتی ہے، منجملہ اُن کے مردوں کی ایک ظاہری خصوصیت وعلامت ڈاڑھی ہے، تو عورتوں کی ایک ظاہری خصوصیت وعلامت چوٹی ہے، ڈاڑھی مردوں کے لیے رجولیت اور مردانگی کی علامت ہے، تو چوٹی عورتوں کے لیے نسوانیت کی علامت ہے، ڈاڑھی سے مرد کی شکل مردانہ نظر آتی ہے، تو چوٹی سے عورت کی شکل زنانہ نظر آتی ہے، اگر مرد وعورت اپنی اِس ظاہری خصوصیت وعلامت کو ختم کردیں تو بظاہر یہ پہچان مشکل ہوجاتی ہے کہ مسٹر ہے یا میڈم؟

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بات ذکر فرمائی ہے کہ اگر کسی عورت کو ڈاڑھی کے بال نکل آئے تو مستحب یہ ہے کہ وہ اُس کا حلق کرالے اور صاف کردے۔ اس سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ڈاڑھی ہونا یہ مردوں کی شان ہے؛ بلکہ یہ مردِ مؤمن کا یونیفارم (Uniform) علامت اور شعار ہے۔

باطن کے ساتھ ظاہر کی رِعایت بھی ضروری:

شریعت مطہرہ میں مؤمنین کو جن اَعمال کا مکلّف کیا گیا ہے اُن اعمال کا ایک رُخ ظاہری ہے اور ایک رُخ باطنی ہے، دونوں کی رِعایت نہایت ضروری ہوتی ہے، اس کو ایک مثال سے یوں سمجھیے کہ اگر کوئی شخص پولس میں بھرتی ہونا چاہتا ہو، اور وہ یہ کہے کہ میں پولس کی

وَردی یعنی یونیفارم نہیں پہنوں گا، تو اس کا یہ مطالبہ کبھی سنا نہیں جائے گا، اس سے یہی کہا جائے گا کہ آپ بنیادی اُصول کی خلاف ورزی کر رہے ہو، اسی طرح مؤمن بندے کے لیے ایمان کے تقاضے کے مطابق اس کی ظاہری وضع قطع بھی اسلامی ہونا ضروری ہے۔

بہت سے بھائیوں کو یہ دھوکہ ہوجاتا ہے کہ اصل تو باطن ہے، وہی صحیح ہونا چاہیے، خواہ ظاہر کچھ بھی ہو، ظاہر سے کیا فرق پڑتا ہے؟ تو جان لینا چاہیے کہ یہ محض خام خیالی ہے، شریعت مطہرہ میں دونوں کا لحاظ ضروری قرار دیا گیا ہے۔

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی مثال یوں ذکر فرمائی ہے کہ ایک پرندہ جو تیز رفتاری سے اُڑنے والا ہو، اس کے پَروں کو اگر کوئی یہ کہتے ہوئے کتر دے کہ یہ تو پرندے کا ظاہر ہے، اس سے کیا فائدہ؟ تو ظاہری بات ہے کہ پَر کتر دیے جانے کے بعد وہ پرندہ اپنی پرواز کھودے گا، وہ اُڑ نہیں پائے گا۔ معلوم ہوا کہ ہر چیز کے ظاہر میں بھی ایک قوت ہوتی ہے جس کا اثر اندرون تک ہوتا ہے۔

ہمارے اُستاذِ محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب جون پوری رحمۃ اللہ علیہ سے اس عاجز نے یہ بات سنی ہے کہ ہر عمل کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہوتا ہے، عمل کا ظاہر اتباعِ سنت سے مضبوط ہوگا اور باطن اِخلاصِ نیت سے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان دونوں کے لحاظ کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

ڈاڑھی میں کونسا خضاب لگایا جاسکتا ہے؟

کسی شخص کی ڈاڑھی اگر سفید ہوگئی ہو اور وہ کوئی خضاب لگانا چاہتا ہے تو سیاہ خضاب کے علاوہ دوسرا کوئی بھی خضاب لگانے کی اُس کے لیے گنجائش ہے۔

ڈاڑھی کے متعلق کچھ غلط فہمیاں:

اس موقع پر ایک بات یہ بھی سمجھ لیں کہ کچھ لوگوں کو یہ اِشکال ہے کہ اکثر ہم نے یہ تجربہ کیا ہے کہ ڈاڑھی والا شخص دھوکے باز ہوتا ہے، اس طرح کہہ کر یہ لوگ اصل میں ڈاڑھی سے نفرت پیدا کر کے دین وسنت سے دور کرنا چاہتے ہیں۔

اس کے جواب کے لیے ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیں! حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسے میں ایک مرتبہ کسی طالب علم کے متعلق شکایت آئی کہ حضرت! اس طالب علم نے چوری کی ہے، حضرتؒ نے فرمایا کہ طالب علم چور نہیں ہوتا، بلکہ ممکن ہے کوئی چور طالب علم کی شکل اختیار کر کے مدرسے میں آ گیا ہو۔ اسی طرح اس کو بھی سمجھیں کہ ڈاڑھی رکھنے والا مؤمن بندہ دھوکے باز نہیں ہوتا، ہاں، یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی دھوکے باز اپنی شناخت چھپانے کے لیے اپنی شکل دین دار لوگوں جیسی بنائے اور ڈاڑھی اسی وجہ سے رکھ لے۔ جیسے کوئی بری عورت اپنے غلط کاموں کو چھپانے کے لیے برقع پہن لیتی ہے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ برقع پوش خواتین بری ہوتی ہیں؛ بلکہ یہ کہا جائے گا کہ وہ عورت بری ہے، جس نے اپنی شناخت چھپانے کے لیے برقع پہن رکھا ہے۔

ڈاڑھی کے متعلق بعض نوجوانوں کو یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ اگر ہم ڈاڑھی رکھیں گے تو ہمیں اچھا رِشتہ نہیں ملے گا۔ اس غلط فہمی کا علاج بھی حدیث پاک میں موجود ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دُنیوی نعمتوں میں سے بہترین نعمت نیک بیوی کو قرار دیا، چنانچہ فرمایا:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ."(۱)

---

(۱) رواه مسلم / كتاب الرضاع / باب خير متاع الدنيا المرأة الصالحة / رقم الحديث : ١٤٦٧.

''دنیا کی تمام چیزیں تھوڑی دیر برتنے (فائدہ اُٹھانے) کے لیے ہیں، اور اُن میں سب سے بہترین چیز نیک عورت (بیوی) ہے۔''

اگر ہم اس حدیث پاک میں غور کریں تو فوراً ہماری یہ غلط فہمی دور ہو جائے گی، اس لیے کہ اس حدیث میں نیک بیوی کو دُنیا کی سب سے بہترین چیز فرمایا گیا، اور ظاہری بات ہے کہ نیک بیوی اپنی دین داری کی وجہ سے ہمیشہ ڈاڑھی والے نیک شوہر کو ترجیح دے گی، نہ کہ ڈاڑھی منڈے کو، یہاں غلطی ہم سے ہوتی ہے کہ ہم اپنی بیویوں کے انتخاب میں نیکی کو معیار نہیں بناتے، اب یہ تو ظاہر بات ہے کہ جب ہم بے دین لوگوں میں رشتے داری تلاش کریں گے تو ڈاڑھی کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جائے گا۔

بعض غیر مسلم بھی ڈاڑھی رکھتے ہیں تو مخالفت کیسے؟

اب ایک بات اور سمجھنی ہے کہ شریعت مطہرہ میں غیروں کی مخالفت کا حکم ہے، اور ہم دیکھتے ہیں کہ بعض غیر مسلم بھی ڈاڑھی رکھتے ہیں، تو اُن کی مخالفت کیسے ہوگی؟ تو اس کا جواب بھی جان لیں کہ ہمیں ڈاڑھی رکھنے کے ساتھ مونچھ کتروانے کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا مونچھ کتروا کر ہم اُن کی مخالفت کر سکتے ہیں۔

نائی کے لیے ڈاڑھی کاٹنا جائز نہیں:

ڈاڑھی مسلمانوں کا شعار اور یونیفارم ہے، اس وجہ سے نائی کے لیے بھی جائز نہیں کہ ڈاڑھی کی کٹنگ (Cutting) کرے اور حرام کام کرنے میں کسی کی مدد کرے اور اُس کی اُجرت لے۔ بعض سائنس دانوں کی تحقیق میں یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ جو شخص بار بار چہرے پر اُسترا پھیرتا ہے تو اس سے آنکھوں کی رگیں بھی متاثر ہوتی ہیں، لہٰذا بار بار ڈاڑھی

منڈوانے والے کی بینائی بھی کمزور ہوسکتی ہے۔ پھر ڈاڑھی رکھنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے گردن اور سینے کی بہت سے جراثیم سے حفاظت ہوتی ہے۔

ڈاڑھی علامت حسن:

ڈاڑھی منڈوانے والا یہ سوچتا ہے کہ میں کلین شیو(Clean Shave) کی وجہ سے خوب صورت نظر آؤں گا، یہ سوچ بالکل غلط اور فاسد ہے، یہ فاسد ماحول کا اثر ہے، ڈاڑھی تو حسن کی علامت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ حسین اس دنیا میں نہ کوئی آیا اور نہ قیامت تک آئے گا۔ لطفؔ بدایونی فرماتے ہیں:

رُخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزمِ خیال میں، نہ دُکانِ آئینہ ساز میں

اگر ڈاڑھی خوب صورتی کی علامت نہ ہوتی تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ یہ نعمت کیوں عطا فرماتے؟ نیز انبیائے کرام علیہم السلام کی مقدس جماعت کو بھی اللہ تعالیٰ یہ نعمت عطا نہ فرماتے۔

بہت معذرت کے ساتھ عاجز یہ بات عرض کرنا چاہتا ہے کہ ہمارے نوجوان رمضان کے ختم ہوتے ہی چاند رات کو سب سے پہلے ڈاڑھی منڈوانے کی فکر کرتے ہیں، یہ کس قدر اللہ تعالیٰ کی ناشکری ہے کہ مبارک مہینے میں اللہ تعالیٰ نے اس کی عبادت اور اتباعِ سنت نبویہ کی توفیق دی، لیکن بندے نے خود اُسے ٹھکرا دیا۔

ڈاڑھی منڈوانے پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناگواری:

مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت ہے، جس میں صراحتاً ڈاڑھی منڈوانے پر آپ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نا گواری کا ذکر ہے:

عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: "جَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْمَجُوْسِ إِلىٰ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ قَدْ حَلَقَ لِحْيَتَه وَأَطَالَ شَارِبَه، فَقَالَ لَه النَّبِيُّ ﷺ : "مَا هٰذَا؟ "قَالَ: "هٰذَا فِيْ دِيْنِنَا"، قَالَ: "فِي دِيْنِنَا: أَنْ نَجُزَّ الشَّارِبَ وَأَنْ نُعْفِيَ اللِّحْيَةَ."(۱)

ایک مجوسی دربارِ نبوی میں اِس حالت میں حاضر ہوا کہ اُس کی ڈاڑھی منڈی ہوئی اور مونچھیں خوب بڑھی ہوئی تھیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دیکھ کر اظہارِ نا گواری کے ساتھ فرمایا کہ ''یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: ''ہماری تہذیب و مذہب کا ایک حصہ ہے''، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ہمارے دین میں (حکم یہ) ہے کہ ہم مونچھوں کو خوب چھوٹی کریں اور ڈاڑھی کو اُس کی حالت پر چھوڑ دیں۔''

غور کیجیے کہ جب غیر کا ڈاڑھی منڈا چہرہ دیکھ کر ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ناراض ہو گئے تو کلمہ پڑھنے والے اُمتی کا ڈاڑھی منڈا چہرہ دیکھ کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کس قدر ناراض ہوں گے۔

اسی طرح حدیث پاک میں ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کے قاصد کا واقعہ مذکور ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جب اس کی طرف دعوتِ ایمان کا خط بھیجا، تو اس نے نبیٔ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نامہ مبارک کی گستاخی کی اور اُسے پھاڑ دیا، وہ اپنے آپ کو رب کہلواتا تھا، اُس نے اپنے یمنی گورنر کو حکم دیا کہ دو قاصدوں کو اُن کے پاس بھیجو، انھوں نے میرے نام سے پہلے اپنا نام کیسے لکھ دیا؟ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اَقدس میں دونوں قاصد آئے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جمال و جلال اور آپ کی بارُعب شخصیت سے بہت متاثر ہو گئے، رسول

---

(۱) مصنف ابن أبي شيبة : ۲/۲۲۱.

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ اُن کی مونچھیں بڑی بڑی ہیں اور ڈاڑھی بالکل غائب، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناگوار گزرا، آپ نے دریافت فرمایا کہ تمھیں ایسی شکل وصورت بنانے کا حکم کس نے دیا؟ اُن لوگوں نے کہا کہ ہمارے رب نے، وہ لوگ اپنے بادشاہ کو اپنا رب کہتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُن کی شکل اور اُن کی بدعقیدگی سے سخت ناگواری ہوئی۔

اِس طرح کی اور بھی کئی احادیث ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ڈاڑھی منڈوانا اور مونچھیں بڑھانا یہ مشرکوں، مجوسیوں، اللہ تعالیٰ کے باغیوں اور نافرمانوں کا چہرہ اور طریقہ ہونے کی وجہ سے حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔ جب کہ ڈاڑھی بڑھانا اور مونچھیں کٹوانا یہ نبیوں، رسولوں، اللہ تعالیٰ کے پیاروں اور فرماں برداروں کا چہرہ اور طریقہ ہونے کی وجہ سے پسندیدہ اور واجب العمل ہے؛ کیوں کہ پیاروں کا چہرہ اور طریقہ بھی پیارا ہوتا ہے، لہٰذا جو شخص پیاروں کا چہرہ اور طریقہ اپناتا ہے اللہ تعالیٰ کو اُس پر بھی پیار آجاتا ہے۔ اِسی مضمون کو اثرؔ جونپوری نے بہت خوبصورت انداز میں بیان فرمایا:

جو محبوبِ خدا کی دوستو! صورت بناتا ہے ☆ خدا کو بھی پھر اُس کی اِس ادا پر پیار آتا ہے
جو رُخ پر سنتِ سرکار کا سبزہ اُگاتا ہے ☆ تو اُس کے صحنِ دِل میں باغِ ایماں لہلہاتا ہے
میرے سرکار کو ہوگی اذیت ترکِ سنت سے ☆ بھلا! عاشق کبھی محبوب کا دِل دُکھاتا ہے
عمل جب پیش ہوگا تو کیا کہیں گے محبوبِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ☆ میرا اُمتی ہو کر بھی تو ڈاڑھی منڈاتا ہے
اُس کی روح روشن ہے، منوّر ہے اُس کا دِل ☆ کہ جو رُخسار کو انوارِ سنت سے سجاتا ہے
گرونانک کے پیرو سے سبق لے استقامت کا ☆ ہمیں ایک مذہبِ باطل بھی آئینہ دِکھاتا ہے
جو عہدِ پرفتن میں زندہ کر دے ایک سنت کو ☆ ثواب اُس پر یقیناً سو شہیدوں کا وہ پاتا ہے
زمانہ بھر کے عاقل اُس کو آنکھوں پر بٹھاتے ہیں ☆ اثرؔ! جو خود کو شاہِ نبی کا دیوانہ بناتا ہے

ڈاڑھی کٹانے والا ہر وقت گناہ میں رہتا ہے:

ڈاڑھی کٹوانا ایسا گناہ ہے کہ اس کی قباحت مسلسل رہتی ہے، دیگر بہت سے گناہ ایسے ہیں کہ جب تک اُن کا ارتکاب کیا جائے وہاں تک وہ گناہ شمار ہوتے ہیں، مثلاً کوئی شخص شراب پیتا ہے تو جتنی دیر تک وہ نشے میں رہے گا گنہگار کہا جائے گا، یا جھوٹ بولتا ہے تو جتنا وقت جھوٹ بولتا ہے اُتنا وقت اس کا گناہ میں گزرتا ہے، جب کہ ڈاڑھی کٹانے والا ہر وقت، ہر سیکنڈ مسلسل گناہ میں گزارتا ہے، اب پتہ نہیں کہ کس وقت زندگی کی شام ہو جائے اور موت اس حال میں آجائے کہ گناہ میں مبتلا ہو، اگر ایسی حالت میں دنیا سے رُخصت ہوگا تو نبیِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کا حقدار کیسے بنے گا؟ اُن لوگوں پر بھی سخت افسوس ہوتا ہے جو مدینہ منورہ میں مسجد نبوی میں روضۂ اَقدس کے سامنے بغیر ڈاڑھی کے کھڑے ہوتے ہیں، تصوّر کرو کہ اپنے اُمتیوں کا ایسا چہرہ دیکھ کر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کس قدر تکلیف ہوتی ہوگی؟ کہ آپ نے تو کبھی اپنی حیاتِ مبارکہ میں غیروں کے لیے بھی بغیر ڈاڑھی کا چہرہ پسند نہیں فرمایا، اور آج آپ کے سرہانے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت غیروں کی مشابہت لے کر کھڑی ہو تو آپ کو کتنی ناگواری ہوتی ہوگی۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا﴾ (الأحزاب : ٥٧)

''وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف پہنچاتے ہیں اُن پر اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں لعنت بھیجتے ہیں، اور اُن کے لیے رُسوا کن عذاب بھی تیار کیا ہے۔''

یاد رہے کہ ڈاڑھی منڈوا کر غیروں کی مشابہت اختیار کرنا بھی ایذائے رسول میں

داخل ہے، لہٰذا ایسے لوگ بھی اس وعید میں داخل ہوں گے۔

مرزا قتیلؔ کا واقعہ:

مرزا قتیلؔ ایک بزرگ گزرے ہیں، اُن کے صوفیانہ کلام سے ایک شخص متاثر ہو کر اُن سے ملنے پہنچا، جب وہ پہنچا تو قتیل صاحب کو دیکھا کہ وہ ڈاڑھی کٹا رہے ہیں، تو اُس نے تعجب سے پوچھا کہ ''آغا! ریش می تراشی؟'' کہ حضرت! کیا آپ ڈاڑھی کٹوا رہے ہیں؟ انھوں نے جواب میں کہا: ''بلے! ریش می تراشم، مگر دلِ کسے نمی تراشم'' کہ ہاں، ڈاڑھی ہی کٹوا رہا ہوں، مگر کسی کا دِل تو زخمی نہیں کر رہا ہوں، تو اس شخص نے جواباً جو بات کہی اس نے مرزا صاحب کی آنکھیں کھول دیں، اس نے کہا: ''ارے دلِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم می خراشی'' کہ آپ کسی عام آدمی کے دِل کو نہیں؛ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دِل مبارک کو زخمی کر رہے ہو، یعنی آپ کے اس فعل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف ہوتی ہے، مرزا صاحب کو فوراً تنبہ ہوا اور انھوں نے توبہ کرتے ہوئے زبانِ حال سے کہا کہ

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی مرا با جانِ جاں ہمراز کردی

یعنی آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے میری آنکھیں کھول دیں اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہم راز بنا دیا۔ (۱)

ڈاڑھی پر ایک لطیفہ:

ایک لطیفہ ہے کہ حضرت شاہ عطاء اللہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایک شخص کے مہمان ہوئے، اپنے میزبان کے بچے کو پیار کے لیے قریب کیا تو وہ چلّانے لگا، میزبان نے مزاحاً کہا کہ ''شاہ صاحب! کیا بات ہے؟ بچے ڈاڑھی والوں سے بہت ڈرتے ہیں!'' آپؒ نے

(۱) حضرت تھانویؒ کے پسندیدہ واقعات رصفحہ: ۲۴۔

فرمایا کہ ''بچہ ماں سے زیادہ مانوس ہوتا ہے، اُسے ڈاڑھی منڈوں میں ماں کی شباہت نظر آتی ہے اس لیے وہ خوش ہوجاتا ہے، اور ڈاڑھی والوں میں مردانگی کو نمایاں دیکھ کر متوحش ہوجاتا ہے اور رونے لگتا ہے۔'' (حکایتوں کا گلدستہ/ص:۲۶۸)

اِس سلسلے میں ایک عجیب لطیفہ یہ بھی ہے کہ حضرت سید شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ایک شخص نے دورانِ بحث یہ کہا کہ ڈاڑھی رکھنا خلافِ فطرت ہے، سید صاحبؒ نے پوچھا: وہ کیوں؟ کہنے لگا: اِس لیے کہ جب انسان پیدا ہوتا ہے تو اُس کے چہرے پر ڈاڑھی نہیں ہوتی، لہٰذا ڈاڑھی منڈوانی چاہیے، آپؒ نے فرمایا: اگر یہی دلیل ہے تو پھر آپ کو دانت بھی نکلوانے چاہیے، اِس لیے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اُس کے مُنہ میں بھی دانت نہیں ہوتے، لہٰذا یہ بھی خلافِ فطرت ہیں۔ وہ شخص اس دنداں شکن جواب سے لا جواب ہوگیا۔ (حکایتوں کا گلدستہ صفحہ:۲۶۸)

اِسی کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ مردوں کی ڈاڑھی اور عورتوں کی چوٹی اُن کی رجولیت اور نسوانیت کی ظاہری علامت ہونے کے علاوہ یہی چیز اُن دونوں کے لیے من جانب اللہ سامانِ زینت بھی ہے، اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی خوبصورتی میں اِضافہ کرنے کے لیے انھیں لمبی لمبی اور کالی کالی زلفوں اور چوٹیوں سے نوازا، تو مردوں کی خوبصورتی میں اِضافہ کرنے کے لیے انھیں ڈاڑھیوں سے نوازا۔

میرے بھائیو! یہ دونوں چیزیں بھی قدرت کا عطیہ ہیں، یہی تو وجہ ہے کہ ہمیشہ کے لیے نہ عورت کی چوٹی مٹ سکتی ہے نہ مرد کی ڈاڑھی، عورت چوٹی کے بغیر بدصورت ہے، تو مرد ڈاڑھی کے بغیر بدصورت ہے، حدیثِ پاک میں ہے کہ آسمانوں پر موجود فرشتوں کی ایک جماعت اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا میں اِن الفاظ کے ساتھ مشغول ہے:

"سُبْحَانَ مَنْ زَيَّنَ الرِّجَالَ بِاللِّحٰى، وَالنِّسَاءَ بِالذَّوَائِبِ."(۱)

جس کا مطلب یہ ہے کہ پاک ہے وہ ذات جس نے مردوں کو ڈاڑھیوں کے ذریعے اور عورتوں کو چوٹیوں کے ذریعے زینت بخشی۔

واقعہ یہ ہے کہ جس کی فطرت فاسد نہیں اور طبیعت میں ٹیڑھا پن نہیں ایسا شخص دِل میں اِس حقیقت کو ضرور تسلیم کرتا ہے، خواہ قول و عمل سے انکار کرتا ہو۔

سنتوں کا اہتمام نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرب کا ذریعہ:

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ آپ ایک دفعہ روضۂ اَقدس پر حاضر ہوئے، آپ نے محسوس کیا کہ روضۂ اَقدس کے قریب ہیں، مگر قدم آگے نہیں بڑھ رہے ہیں، آپ بہت روئے، تو روضۂ اَقدس سے آواز آئی کہ شفیع! لوگوں سے کہہ دو کہ جو ہمارے روضہ پر بار بار آتے ہیں، روضہ کی جالیوں سے چمٹتے ہیں، لیکن ان کی زندگیوں میں سنتوں کا اہتمام نہ ہونے کی وجہ سے وہ ہم سے بہت دور ہیں، جب کہ وہ لوگ جو آج تک یہاں نہیں پہنچ پائے ہیں، لیکن وہ سنتوں کا اہتمام کرتے ہیں، اس وجہ سے وہ ہم سے بہت قریب ہیں۔ اب فیصلہ ہمیں کرنا ہے کہ ہمیں کن لوگوں میں شامل ہونا ہے؟ ڈاڑھی کاٹ کر غیروں کی شکل و شباہت اختیار کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف دینے والوں کی فہرست میں داخل ہونا ہے یا اتباعِ سنت کے ذریعے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوش کر کے اپنی دُنیا و آخرت سنوارنے والوں کی فہرست میں داخل ہونا ہے؟

کسی اللہ والے نے کیا خوب کہا ہے:

نقشِ قدم نبی کے ہیں جنت کے راستے ۔۔۔ اللہ سے ملاتے ہیں سنت کے راستے
سنتِ نبوی سے لَو جو لگائے گا ۔۔۔ ایمان کی حلاوت وہ دِل میں پائے گا

(۱) تكملة البحر الرائق: ۱۱۳/۸. تفسير روح البيان: ۲۲۲، تحت الآية : وإذ ابتلى إبراهيم.

ہم ڈاڑھی کاٹ کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف پہنچا رہے ہیں، ہم کفار و مشرکین کے واقعات بیان کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیفیں دیتے تھے، ہم طائف والوں کا ظلم بیان کرتے ہیں، تو وہ لوگ کفار تھے، جو نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام و مرتبہ نہیں جانتے تھے، جب کہ ہم تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُمتی ہیں، آپ کے نام لیوا ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کے دعوے دار ہیں، ہمیں تو معلوم ہے کہ ہماری ہدایت کے خاطر نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس قدر عظیم قربانیاں دیں، ہم ایک طرف نبی کی محبت کے دعوے دار ہیں، اور دوسری جانب عمل ٹھیک اس سے اُلٹا ہے، یاد رکھو کہ اپنوں کی جانب سے دی جانے والی تکلیف زیادہ شدید محسوس ہوتی ہے، اَقارب جب عقارب (بچھو) بن کر ڈستے ہیں تو تکلیف زیادہ ہوتی ہے، ہمارے اس گناہ سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف زیادہ ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح سمجھ نصیب فرمائیں، اور ہمیں اپنی زندگیوں میں سنن نبویہ کے اِحیاء کی توفیق نصیب فرمائیں، نبی کی محبت اور نبی کے راستوں کی محبت سے نوازیں۔

آمین یارب العالمین۔

ہم مبتلا ہیں مصیبتوں میں حکم الٰہی توڑ کر
عزت کیسے ملے گی سنت نبی کی چھوڑ کر

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

نکاح اسلام کی نظر میں

بتاریخ: ۲۲/ربیع الآخر ۱۴۴۰ھ

مطابق: ۳۰/دسمبر/۲۰۱۸ء

BAYAN QR CODE

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، أَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ الْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِيْدِ، أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ط﴾ (البقرة : ۱۸۷)

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : " إِنَّ أَعْظَمَ النِّكَاحِ بَرَكَةً أَيْسَرُه مَؤُوْنَةً."(۱)

واجب الاحترام عزیزو، بزرگو اور دوستو! اس وقت ہمارے معاشرے، پورے ملک اور ہمارے شہر میں جگہ جگہ نکاح اور شادیوں کا ماحول ہے، تو آج کی اس مجلس کے لیے یہ سوچا گیا کہ اِسی عنوان پر کچھ باتیں عرض کی جائیں۔

اِسلام نے نکاح کو عبادت قرار دیا:

اسلام ایک فطری مذہب ہے، اسلام کا کوئی حکم ایسا نہیں ہے جس میں فطرت اور نیچر (Nature) پر روک لگائی گئی ہو، مرد کو عورت کی ضرورت اور عورت کو مرد کی ضرورت ہونا یہ ایک نیچرلی (Naturally) اور فطری جذبہ ہے۔ قربان جائیے اسلام کی شان پر کہ اسلام نے اس نیچرلی اور فطری جذبے کو عبادت کا رَنگ دیا کہ نکاح اسلام میں عبادت ہے۔

خواہشات وشہوات کے جذبات اللہ رب العزت نے انسان میں رکھے ہیں، لیکن انسان اور جانور میں فرق ہے، اس لیے اس فرق کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلام نے نکاح کو عبادت قرار دیا، جانور اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے آزاد ہے کہ جہاں جب جس طرح چاہے اپنی خواہش پوری کرسکتا ہے، لیکن مؤمن بندہ اس طرح سے آزاد نہیں ہے، اس کے

(۱) مسند أحمد / مسند الصديقة / رقم الحديث : ۲۴۵۲۹.

لیے سرکل (Circle) دائرہ بنا دیا گیا ہے کہ اس دائرے اور سرکل میں رہ کر وہ اپنی خواہش کی تکمیل کر سکتا ہے، انسان کو اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے حلال مصرف فراہم کیا گیا اور یہ بھی بتا دیا گیا کہ اس مصرف کے علاوہ حرام ہے۔

نکاح انسانی اَخلاق کی تکمیل کا باعث:

مؤمن بندوں پر اللہ رب العزت نے دو قسم کے حقوق کی ادائیگی لازم فرمائی ہے: (۱) حقوق اللہ (۲) حقوق العباد۔ حقوق اللہ کا کمال عبادت میں ہے، اور عبادت کا کمال نماز میں ہے۔ حقوق العباد میں اَخلاق کو بنیادی درجہ حاصل ہے، اور اَخلاق کا کمال شرم وحیا میں ہے، اور شرم وحیا پیدا کرنے کا ذریعہ نکاح ہے، انسانی اخلاق کی تکمیل کے لیے اسلام نے نکاح جیسی اہم ترین چیز عطا کی، تا کہ اس میں شرم وحیا باقی رہے۔

خطبۂ نکاح میں آیاتِ تقویٰ کی تلاوت کیوں؟

نبیٔ پاک ﷺ سے نکاح کے موقع پر جو خطبہ ثابت ہے اُس میں آپ سے تین آیات پڑھنا ثابت ہے، اِن تین آیتوں میں چار مرتبہ ایک ہی بات یعنی تقویٰ کا حکم دیا گیا:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝۱۰۲ ﴾ (آل عمران : ۱۰۲)

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرا کرو جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمھاری موت صرف اسی حال پر آئے کہ تم مسلمان ہو۔“

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ

تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ① ﴾ (النساء : ۱)

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمھاری پیدائش (کی ابتدا) ایک جان سے کی، پھر اسی سے اس کا جوڑا پیدا فرمایا، پھر ان دونوں میں سے بکثرت مردوں اور عورتوں (کی تخلیق) کو پھیلا دیا، اور ڈرو اس اللہ سے جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور قرابتوں (میں بھی تقویٰ اختیار کرو) بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے۔''

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝۷۰﴾ (الأحزاب:۷۰)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرا کرو اور صحیح اور سیدھی بات کہا کرو۔''

سوچنے کی بات ہے کہ قرآن مجید میں نکاح کے متعلق بہت سی آیات ہیں، نیز نبیٔ پاک ﷺ کے فرمودات وارشادات میں بھی نکاح کے متعلق بے شمار ہدایات موجود ہیں، لیکن اس موقع پر خصوصیت کے ساتھ اُن ہی آیات کو تلاوت کیا جاتا ہے جن میں تقویٰ کا ذکر ہو، اس کی کیا وجہ ہے؟ کیا حکمت ہے؟ کیا رِیزن (Reason) ہے کہ اِس موقع پر تقویٰ کی آیتیں ذکر کی گئی ہیں؟

اس وجہ سے کہ اب تک تم لڑکے سمجھے جاتے تھے، اب تمھیں آدمی اور مرد سمجھا جائے گا، اب تک تمھیں بچی سمجھا جاتا تھا، اب عورت سمجھا جائے گا، اب تمھیں حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کرنا ہے، اور بہت سارے حقوق ایک ساتھ جمع ہو جائیں تو اُن میں بیلینس (Balance) اور اعتدال کیسے رکھنا ہے کہ کسی ایک کے حقوق کی رِعایت کرنے میں دوسرے کی حق تلفی نہ ہو، یہ سیکھنا ہے، اس بیلینس اور اعتدال کو برقرار رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ کا خوف وتقویٰ ضروری ہے۔

تقویٰ جرائم کو روکتا ہے:

نکاح ایک ایسی عبادت ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تک (سوائے حضرت یحییٰ و عیسیٰ علیہما السلام کے) تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی سنت رہی ہے۔ اسی لیے علما نے لکھا ہے کہ ایسی کوئی عبادت نہیں جو از آدم تا ایں دَم مشروع ہو اور جنت میں بھی باقی رہے، سوائے نکاح اور ایمان کے۔ (مظاہر حق رجلد:۳)

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآنِ پاک میں "حَصُوْرًا" فرمایا گیا، یعنی وہ مرد جس کو قدرت ہوتے ہوئے بھی عورت کی طرف شہوانی حاجت اور رغبت نہ ہو، اور وہ نفس کی خواہش کے باوجود صبر کرتا ہو۔(۱) لہٰذا انھیں نکاح کی ضرورت نہ تھی۔

ان دو نبیوں کے علاوہ دیگر تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی یہ سنت رہی ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ارشادِ نبوی ہے:

" عَنْ أَبِيْ أَيُّوْبَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَرْبَعٌ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِيْنَ: الْحَيَاءُ، وَالتَّعَطُّرُ، وَالسِّوَاكُ، وَالنِّكَاحُ."(۲)

''چار چیزیں انبیائے کرام و رُسُل علیہم السلام کی سنت ہیں: (۱) حیا (۲) خوشبو لگانا (۳) مسواک کرنا (۴) نکاح کرنا۔

گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ نکاح کو اسلام نے عبادت قرار دیا؛ لیکن اَلمیہ یہ ہے کہ اُمت مسلمہ نے آج اس عبادت کو بہت بڑی مصیبت بنالیا ہے، نکاح کا مطلب یہ سمجھ لیا گیا

---

(۱) روح المعانی، انوار البیان: ۱ر ۴۲۷۔

(۲) رواه الترمذي / أبواب النكاح عن رسول الله ﷺ / رقم الحديث : ۱۰۸۰.

ہے کہ گویا اب گھر میں ہنگامۂ محشر بپا ہونے والا ہے۔

نکاح آسان تھا، ہم نے مشکل بنادیا:

نکاح اِتنا آسان ہے کہ بس ایجاب وقبول اور مہر مقرر ہو گیا، پھر مختصر سا ولیمہ ہو گیا، اور ولیمہ بھی حکماً سنت ہے، فرض نہیں۔ بعض جگہوں پر دیکھا جاتا ہے کہ دَس دِن پہلے ہی مہمانوں کی دعوتیں شروع ہو جاتی ہیں، اِتنے مہنگے نکاح جو کیے جا رہے ہیں اُن سے معاشرہ کتنا برباد ہوتا ہے، ذرا ٹھنڈے دِماغ سے سوچنے کی ضرورت ہے کہ وہ درمیانی درجے کے میڈل کلاس (Middle Class) لوگ یا غریب طبقہ کتنا پریشان ہوگا، اُن لوگوں کو اگر اپنی اولاد کا نکاح کروانا ہو تو کتنی پریشانی ہوگی۔

اس فضول خرچی کی وجہ سے ایک بہت بڑی مصیبت کھڑی ہوگئی ہے کہ میڈل کلاس فیملی اور غریب طبقے کے لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ ''لوگ کیا کہیں گے؟ لوگ کیا سوچیں گے؟'' معاشرے میں فضول خرچی کے ساتھ مہنگے نکاح ہو رہے ہیں، قیمتی جہیز، تحفے اور عطیات دیے جا رہے ہیں، قیمتی سے قیمتی دسترخوان تیار کیے جا رہے ہیں، اگر ہم یہ سب نہیں کریں گے تو ہمیں لوگ کیا کہیں گے؟ یہ معاشرے کا فساد ہے، جو نکاح میں بالکل غیر ضروری اخراجات اور فضول خرچی سے پیدا ہوا ہے۔

خوش حال حضرات ذرا ٹھنڈے دِماغ سے سوچیں کہ جس غریب باپ کے گھر میں پانچ چھ بیٹیاں ہوں، وہ اپنی اتنی بچیوں کے لیے اِتنے قیمتی جہیز کا انتظام کیسے کر پائے گا؟ یہ غیر ضروری خرافات اُس غریب باپ کو اور اُس کی بیٹیوں کو خون کے آنسو رُلائیں گی۔

جہیز کی قباحت ولعنت:

جہیز کی لعنت غیروں کو دیکھ کر مسلمانوں میں بھی داخل ہوگئی، اب مسلمان بھی وہ تمام

خرافات اپنی شادیوں میں کر رہے ہیں جو غیر مسلمین کرتے ہیں، اُن کے لیے تو شادی ایک قسم کی عیاشی ہے، موج مستی ہے، لذت اور ناچ گانا ہے، جب کہ اسلام نے تو شادی کو عبادت قرار دیا ہے، نکاح کے عبادت ہونے کی دلیل و پروف (Proof) یہ ہے کہ عقد نکاح مسجد میں ہوتا ہے، اسے سنت قرار دیا گیا ہے کہ نکاح مسجد میں ہو، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح عبادت ہے۔

ایک عبرت آموز واقعہ:

جہیز کی قباحت کے متعلق بندہ ایک واقعہ عرض کرنا چاہتا ہے۔ فانی بدَایونی ایک مشہور شاعر گزرا ہے، اس نے اپنی بچی کا رِشتہ طے کرنے کے لیے بہت کوششیں کیں، جہیز کی بلا اتنی خطرناک ہے کہ لڑکی کے غریب باپ کے لیے لوہے کے چنے چبانے جیسا ہے، بڑی مشکل سے ایک جگہ رِشتہ طے ہوا، لڑکے والوں کی جانب سے ڈھیر سارے جہیز کا مطالبہ (Demand) کیا گیا، جو غریب باپ نے اپنی بیٹی کی خاطر مکان تک بیچ کر پورا کر دیا، لیکن لالچ کا علاج کیا ہوسکتا ہے؟ مال کا لالچ ایسی برائی ہے کہ موت تک ساتھ رہتی ہے۔

﴿اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۝١ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝٢﴾ (التکاثر: ۱، ۲)

’’تمھیں کثرتِ مال کی ہوس اور فخر نے (آخرت سے) غافل کر دیا، یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے۔‘‘

کسی طرح اُس غریب باپ نے مقروض بن کر بھی اپنی بیٹی کو اس کے سسرال میں رُخصت کیا، لڑکی جب سسرال پہنچی تو اب وہاں رشتے داروں نے طنز وطعن شروع کر دیا کہ تیرے باپ نے یہ چیز نہیں دی، فلاں چیز نہیں دی، ایک وقت تک لڑکی اُن کا ظلم برداشت کرتی رہی، تاکہ گھر اُجڑ نہ جائے، لیکن جب سسرال والوں کا ظلم اور زیادتی حد سے بڑھ گئی تو

اس لڑکی نے بادلِ ناخواستہ اپنے باپ کو کہلا بھیجا کہ اب میں ان کا ظلم برداشت نہیں کر پا رہی، آپ مجھے واپس بلا لیجیے، غریب مسکین باپ اپنی نورِ نظر، لختِ جگر سے کہتا ہے کہ بیٹی! جب میں نے تمھیں سسرال رُخصت کیا تھا تب جہیز دینے کے لیے گھر ہی بیچ دینا پڑا، اب جب گھر ہی نہیں رہا تو تم واپس کہاں آؤ گی؟ بیٹا! کسی طرح برداشت کر کے زندگی بسر کر لو! لڑکی اپنی تقدیر سے رضامند ہو کر سسرال ہی میں رہی، لیکن مال کے لالچیوں نے ایک دِن اُس لڑکی کو نذرِ آتش کر دیا، جب باپ کو خبر پہنچی تو وہ اپنی بیٹی کی میت کے پاس پہنچا، جہاں اس نے یہ شعر پڑھا: ؎

اب آیا دھیان اے آرامِ جاں اس نامرادی میں
کفن دینا تمھیں بھولے تھے ہم اَسبابِ شادی میں

کہ اے میری نورِ نظر ولختِ جگر! ہم نے تجھے سب کچھ دیا تھا، بس کفن کا کپڑا دینا بھول گئے تھے، اس لیے تو ہمیں معاف کر دینا۔

حلال سستا ہوگا تو حرام مہنگا ہوگا:

بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ یہی اُمتِ مسلمہ کے حالات ہیں۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کا ملفوظ اس موقع پر خوب یاد رکھنا چاہیے کہ ''دنیا میں زنا اس لیے سستا ہو گیا کہ ہم نے نکاح مہنگا کر دیا، نکاح سستا کر دو، زنا خود بخود مہنگا ہو جائے گا، حلال سستا کرو تو حرام خود بخود مہنگا ہو جائے گا۔''

ہم نے حلال کو اِتنا مہنگا کر دیا ہے کہ لوگ حرام کی طرف منہ مار رہے ہیں، پھر انسان اور جانور میں کیا فرق رہا؟ اسی لیے شادی ''سادی'' ہونی چاہیے۔ نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اشادِ گرامی ہے:

" إِنَّ أَعْظَمَ النِّكَاحِ بَرَكَةً أَيْسَرُه مَؤُوْنَةً."(۱)

''سب سے زیادہ بابرکت نکاح وہ ہے جس میں خرچ کم سے کم ہو۔''

ازدواجی زندگی میں تلخی اور طلاق کا ایک بڑا سبب:

آج کل ہمارے معاشرے میں اِزدواجی زندگی، میریڈ لائف (MarriedLife) کی تلخیاں اور طلاق کا تناسب اِتنا بڑھ گیا ہے کہ اس نے سب ہی کو فکر میں ڈال دیا ہے، اس کا ایک بہت بڑا سبب یہی ہے کہ جس دِن شادی ہوئی اسی دِن اللہ کے نبی ﷺ کے اس فرمان کو توڑا گیا، پھر اس شادی میں برکت کیسے آئے گی؟ اس حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ سب سے زیادہ برکت والا نکاح وہی ہے جس میں کم سے کم خرچ ہو، جب فضول خرچی کی جائے گی تو ایسے نکاح میں برکت کیسے آئے گی؟

ایک عجیب بات یہ بھی عموماً دیکھی جاتی ہے کہ شادی کے موقع پر گھر کے ذمے داروں کی پوری کوشش یہ رہتی ہے کہ آج ہمارے گھر آنے والا ہر مہمان بہت ہی خوش ہوکر جائے، خواہ مہمانوں کی خوشی کے لیے ہمیں کچھ بھی کرنا پڑے، سب کچھ کریں گے، مگر کوئی بھی ناراض نہ ہونا چاہیے۔ اب مخلوق کو خوش کرنے کے لیے خالق کو بھی ناراض کرنے میں دریغ نہیں کرتے، پھر نکاح کی برکات ہمیں حاصل کیسے ہوں گی؟ ہماری اِزدواجی زندگیوں میں خوشحالی کیسے آئے گی؟ یاد رکھو کہ رَب کو ناراض کرکے زندگی میں خوشیاں کبھی حاصل نہیں ہوں گی۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی ہمیشہ ملحوظ رکھنی چاہیے کہ جو بندہ اس بات کی کوشش میں لگا رہتا ہے کہ مجھ سے سب راضی ہوں، کوئی بھی ناراض نہ ہو، تو یہ محض خام خیالی کے علاوہ کچھ نہیں، یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ سب راضی ہوجائیں، خصوصاً شادی بیاہ کے موقع پر تو یہ اکثر دیکھا

---

(۱) مسند أحمد / مسند الصديقة / رقم الحديث : ۲۴۵۲۹.

جاتا ہے کہ مہمانوں کو خوش کرنے کے لیے ڈھیر سارا خرچ کیا جائے، پھر بھی کہیں نہ کہیں کسی معمولی کوتاہی نکالنے کا موقع بھی وہ ہاتھ سے نہیں چھوڑیں گے۔

ایک سبق آموز لطیفہ:

اس پر ایک لطیفہ سن لیں! ایک مرتبہ ایک رئیس باپ نے اپنی بیٹی کے سامانِ جہیز میں اِتنا سارا سامان دیا کہ اُسے لے جانے کے لیے ٹرک بلوائے گئے، سارا سامان ٹرکوں میں لاد کر بیٹی کے سسرال پہنچانے کے لیے ٹرک روانہ ہوئے، سڑک کچی تھی، اتفاق سے کسی ٹرک کا ٹائر گڑھے میں پھنس گیا، نکالنے کی کوشش کی تو سامان کے وزن کی وجہ سے وہ اور اندر چلا گیا، اب کسی نے مشورہ دیا کہ دیکھو بھائی! پہلے ٹرک کا سامان اُتار دو، تاکہ ٹرک کچھ ہلکا ہو جائے، پھر جہیز کے سامان میں سے پھاوڑا تلاش کرو، جس کے ذریعے اس پھنسے ہوئے ٹائر کو نکالا جا سکے۔ اب جہیز کے سامان میں کوئی پھاوڑا کیسے دے سکتا ہے؟ خوب تلاش کیا، مگر پھاوڑا تو ملنے سے رہا، تو اب اِن باراتیوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ''سیٹھ صاحب نے کیا دیا؟ ایک پھاوڑا تک نہیں دیا!''

حاصل یہ کہ ساری مخلوق ہم سے راضی رہے یہ بات ضروری نہیں، اور خصوصاً جس کام میں اللہ تعالیٰ ناراض ہوں اس میں تو ہرگز نہیں، ہر مؤمن کو ایک ضابطہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ ''رَب کی رضامندی ضروری ہے، سب کی رضامندی ضروری نہیں۔''

بالغ اولاد کی شادی میں تاخیر نہ کریں:

آج کے بے حیائی والے دور میں جب کہ نکاح جیسے ایک حلال اور بابرکت عقد کو غیر ضروری خرافات اور رسوم وغیرہ کے ذریعے مہنگا کر دیا گیا ہے، مزید برآں موبائل اور

اِنٹرنیٹ کی وجہ سے بے حیائی اور بھی عام ہوگئی ہے، ایسے نازک دور میں مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی اولاد جب بالغ ہوجائیں تو اُن کے لیے اچھا رِشتہ تلاش کر کے جلد ہی اُن کا نکاح کروادیں، تاکہ وہ حرام کاری سے بچ جائیں، اس بات کا ہرگز انتظار نہ کریں کہ وہ جب اپنے پیر پر کھڑے ہوجائیں (یعنی کمائی کے ذریعے خود کفیل بن جائیں) تب نکاح کروائیں گے۔ یاد رکھو کہ یہ سوچ غلط ہے کہ مال آئے گا تو نکاح کریں گے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ۭ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝﴾ (النور:۳۲)

''اور تم اپنے بے نکاح (جو عمرِ نکاح کے باوجود بے نکاح رہ گئے ہوں) لوگوں کا نکاح کردیا کرو اور اپنے باصلاحیت غلاموں اور باندیوں کا بھی (نکاح کردیا کرو)، اگر وہ محتاج ہوں گے (تو) اللہ اپنے فضل سے انھیں غنی کردے گا، اور اللہ بڑی وسعت والا بڑے علم والا ہے۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر وعدہ فرمایا ہے کہ اگر زوجین تنگ دست اور محتاج ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انھیں اپنے فضل سے غنی کردے گا۔ جب اللہ تعالیٰ نے خود یہ ذمے داری لی ہے تو ہمیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اولاد ابھی کچھ کما نہیں رہی ہیں، پھر اُن کا نکاح کیسے کردیں؟ بلکہ اس بات کی فکر کرنے کی خاص ضرورت ہے کہ اس بے حیائی کے دور میں اگر اولاد بے نکاح رہ کر خدانخواستہ زنا میں مبتلا ہوگئیں تو اس حرام کاری کے گناہ میں والدین بھی یکساں طور پر شریک ہوں گے، اس لیے کہ انھوں نے بلا وجہ اولاد کے نکاح میں تاخیر کردی۔

اولاد بالغ ہوجانے کے بعد بلا وجہ اُن کے نکاح میں تاخیر نہ کرنے کے متعلق

حدیث پاک میں بھی تاکید آئی ہے، جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے:

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :"إِذَا خَطَبَ إِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِيْنَهٗ وَخُلُقَهٗ، فَزَوِّجُوْهُ، إِنْ لَاتَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيْضٌ."(۱)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں، نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب تمھارے پاس کوئی ایسا شخص (نکاح کا) پیغام بھیجے جس کی دینداری وخوش اخلاقی سے تم راضی ہو، تو (اس کا پیغام منظور کر کے) اس سے نکاح کردو، اگر ایسا نہ کروگے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد برپا ہوجائے گا۔''

موبائل انٹرنیٹ کا دور ہے، اکثر نوجوان اولاد دِن بھر سوشیل نیٹورکنگ سائٹس (Social Networking Sites) پر پیغام رَسانی، چیٹنگ (Chatting) میں مشغول رہتی ہیں، ایسے نازک حالات میں زنا میں مبتلا ہونے کا خطرہ مزید بڑھ جاتا ہے۔

منگنی کے بعد نکاح میں تاخیر نہ ہو:

بندہ اکثر یہ عرض کرتا ہے کہ منگنی اور شادی کے درمیان کا دورانیہ (بیچ کا عرصہ) بلا ضرورت لمبا مت کرو، بہت سے رِشتوں میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ منگنی طے ہوگئی، پھر لڑکی پڑھ رہی ہے اور لڑکا ڈاکٹری پڑھ رہا ہے، پوچھنے پر والدین بڑے فخر کے ساتھ کہتے ہیں کہ دونوں اپنی کریر (Career) بنارہے ہیں! حالانکہ تعلیم تو نکاح کے بعد بھی جاری رکھی جاسکتی ہے، اس کے لیے نکاح میں تاخیر کی کوئی ضرورت نہیں۔

---

(۱) رواه الترمذي / باب ما جاء إذا جاءكم من ترضون دينه فزوّجوه / رقم الحديث : ١٠٨٤.

منگنی اور شادی کے درمیان تاخیر کے نقصانات:

منگنی اور شادی کے درمیان کے دورانیہ کو بلاضرورت طویل کرنے سے دو بڑے نقصان ہوں گے:

(۱) عموماً یہ ہوتا ہے کہ حاسدین اور فتنہ انگیزی میں ماہر لوگ ٹانگ کھینچنے میں لگ جاتے ہیں، اُن کو اس دورانیہ میں وقت مل جاتا ہے کہ وہ دونوں خاندانوں کے درمیان بے بنیاد غلط فہمیاں پیدا کریں، پھر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نکاح سے پہلے ہی رِشتہ ٹوٹ جاتا ہے اور بلا وجہ دونوں خاندانوں کے درمیان ہمیشہ کی نفرت وعداوت پیدا ہوجاتی ہے۔ غور کرنے سے پتہ چلے گا کہ اس کی وجہ یہی منگنی کے بعد کا دورانیہ کا زیادہ ہونا ہے۔

(۲) اس دوران لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے سے باتیں بھی کرتے ہیں، بلکہ بہت سی مرتبہ لڑکا اور لڑکی منگنی کے بعد ہی ساتھ گھومنے پھرنے بھی لگتے ہیں، سوچنے کی ضرورت ہے کہ کیا بغیر نکاح کے اُن کے لیے باتیں کرنا حلال ہے؟ جب ازدواجی زندگی کا آغاز ہی حرام بات سے ہورہا ہو تو آئندہ اُن کی زندگی میں برکت کیسے آئے گی؟ یہ خرابی اسی لیے آئی کہ منگنی کے بعد نکاح میں بلا وجہ تاخیر کی جاتی ہے، نکاح تو بہت آسان ہے، پہلے نکاح کروا دو، ہلدی، مہندی اور رُخصتی وغیرہ بعد میں جب انتظام میں سہولت ہوکر سکتے ہیں، لیکن پہلے نکاح ہوجانے سے زوجین حرام کاری میں مبتلا ہونے سے بچ جائیں گے۔

دو اَہم پیغام:

اس موقع پر میں دو پیغام دینا چاہوں گا: ایک یہ کہ معاشرے میں بے حیائی بڑھتی جارہی ہے، موبائل اِنٹرنیٹ اس کے بڑے اسباب میں سے ایک بنیادی سبب ہے، پھر غیر

ضروری اخراجات کے ذریعہ شادی کو مہنگا کر دینے کی وجہ سے معاشرہ پریشان ہے، شادی تو بالکل سادہ ہونی چاہیے، بلا ضرورت فضول خرچیاں نہ ہوں، معاشرے سے بے حیائی ختم کرنے میں یہ بڑی حد تک معاون بنے گا، ہماری اولاد کو حلال مصرف بآسانی مل سکے گا اور نوجوان نسلیں خود بخود حرام سے بچ جائیں گی۔

دوسرا پیغام: جن حضرات کی شادی ہوگئی ہے اُن کی خدمت میں ہے کہ شریعت مطہرہ میں نکاح میں صرف مہر کی زیادتی کو پسند کیا گیا ہے، لہٰذا مہر اتنا کم نہ ہونا چاہیے کہ جس سے عقدِ نکاح کی توہین ہو یا نکاح کرنے والی کی توہین ہو۔

ایک جگہ نکاح کے لیے جانا ہوا، تو وہاں سات سو چھیاسی ۷۸۶/ روپے مہر مقرر کیا گیا تھا، وہ لوگ سمجھ رہے تھے کہ ماشاء اللہ بہت بڑی عبادت کر رہے ہیں، انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ اِتنے روپیوں میں تو بکری کا بچہ تک نہیں آتا، تو پھر یہ عورت کا مہر کیسے ہوسکتا ہے؟ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے مطابق تو اِتنی سی رقم مہر بن ہی نہیں سکتی۔ اگر اللہ تعالیٰ نے خوشحالی دی ہے تو مہر فاطمی دینے میں کیا حرج ہے؟ افسوس اور تعجب کی بات یہ ہے کہ شادی کے عنوان پر بہت سارے غیر ضروری خرافات و رسوم میں فضول خرچی کی جاتی ہے، تو پھر مہر دینے ہی میں کیوں بخل سے کام لیا جاتا ہے؟

مہر فاطمی کی مقدار:

اللہ تعالیٰ نے وسعت دی ہے تو مہر فاطمی دیجیے! ڈیڑھ کلو ۳۰/گرام ۹۰۰ ملی گرام چاندی مہر فاطمی ہے۔ یہاں ایک وضاحت یہ بھی کرنی ہے کہ بعض لوگوں کا غلط خیال یہ ہے کہ مہر فاطمی سے زیادہ دینا جائز نہیں ہے، یا خلافِ سنت ہے، تو یاد رہے کہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کا جو مہر دیا گیا تھا وہ مہر فاطمی

سے آٹھ گنا زیادہ تھا، جس کی مقدار ۱۲ کلو ۲۲۴ گرام چاندی کے برابر ہوتی ہے، حضرت نجاشی نے وہ مہر (چار ہزار درہم) ادا کیا تھا۔

عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا "أَنَّهَا كَانَتْ تَحْتَ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ جَحْشٍ، فَمَاتَ بِأَرْضِ الْحَبَشَةِ، فَزَوَّجَهَا النَّجَاشِيُّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَمْهَرَهَا عَنْهُ أَرْبَعَةَ آلَافٍ، وَبَعَثَ بِهَا إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ شُرَحْبِيلِ ابْنِ حَسَنَةَ."(۱)

حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا جو حضرت علی و حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی ہیں، اُن کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا، اُس میں مہر فاطمی سے اسّی / ۸۰ گنا زیادہ مہر دیا گیا تھا، یہ مہر چالیس ہزار درہم یعنی آج کے حساب سے کروڑ کے قریب پہنچتا ہے۔

" عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيْهِ: " أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ تَزَوَّجَ أُمَّ كُلْثُوْمٍ بِنْتَ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلٰى أَرْبَعِيْنَ أَلْفًا. "(۲)

مہر اور جہیز میں دِکھاوا نہ ہو:

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ مہر یا جہیز وغیرہ میں رِیا اور دِکھاوا مقصود نہ ہو، کہ ہم نے اپنے بیٹے کی جانب سے اِتنا مہر دیا، یا بیٹی کو اِتنا جہیز دیا، جہیز میں تو ہمارے یہاں یہ بھی مستقل مصیبت ہوتی ہے کہ پورا سامان سجا کر رکھا جاتا ہے اور باقاعدہ نمائش ہوتی ہے۔ یاد رہے ہماری یہ حرکت ہزاروں غریبوں کی دل شکنی کا باعث بنتی ہے۔

---

(۱) رواه أبو داود / كتاب النكاح / باب الصداق / رقم الحديث : ۲۱۰۷.

(۲) إصلاح المال لابن أبي الدنيا / باب تزوج أم كلثوم / الرقم : ٤١٠.

شرماشرمی میں معاف کردینے سے مہر معاف نہیں ہوگا:

اکثر لوگ مہر نقد نہیں دیتے، اُسے بھی اُدھار رکھتے ہیں، استطاعت ہوتے ہوئے بھی اگر مہر اُدھار رکھا جائے تو بڑی بے شرمی کی بات ہے، پھر اس پر مزید یہ کہ بیوی سے پہلی ہی ملاقات کے وقت جب کہ وہ بات کرنے میں بھی شرماتی ہے اپنا مہر معاف کروا لیتے ہیں، یہ بے مروّتی کی انتہا ہے کہ ایک عورت اپنا گھر اور خاندان کے افراد چھوڑ کر اپنے شوہر کا گھر بسانے کے لیے سسرال آئی ہے، اور شوہر بزنس مین بن کر ایسے وقت میں بھی اس کے ساتھ اپنا تجارتی دِماغ لڑائے کہ اب تو ہم اور تم ایک ہو گئے ہیں، لہٰذا مہر بھی ہمارا ہی ہوا۔

زوجین کو اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے کا لباس کیوں فرمایا؟

قرآن مجید کی جو آیت کریمہ اس عاجز نے خطبے میں تلاوت کی ہے اس میں بہت پیاری تشبیہ دی گئی ہے۔

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ﴾ (البقرة : ۱۸۷)

’’وہ تمھارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔‘‘

یہ آیت کریمہ زوجین کو محبت بھری معاشرت سکھاتی ہے، اس آیت میں زوجین کو ایک دوسرے کا لباس کہہ کر اُن کے درمیان آپس کی میچنگ (Matching) بتائی گئی ہے۔

(۱) مفسرین فرماتے ہیں کہ زوجین کو ایک دوسرے کا لباس فرمانے کی ایک وجہ یہ ہے کہ لباس ہمیشہ انسان اپنی پسند کا پہنتا ہے، دوسروں کی پسند کا لحاظ اس میں نہیں کیا جاتا، لہٰذا زوجین آپس میں ایک دوسرے کی پسند ہوں یہ کافی ہے۔

(۲) زوجین کو ایک دوسرے کا لباس کہنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ لباس ساترِ عیوب (عیبوں کو چھپانے والا) ہوتا ہے، مثلاً کسی کو بدن کے اندرونی حصے میں کوئی زخم ہے، تو کپڑا

اُسے چھپا دے گا، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ زوجین کو بھی چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کے عیوب کی پردہ پوشی کریں، لوگوں کے سامنے ایک دوسرے کے عیوب بیان نہ کریں۔ بہت سی مرتبہ زوجین کے درمیان ازدواجی زندگی میں کڑواہٹ اس وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے کہ دونوں یا کوئی ایک دوسرے کے عیوب دوسروں کے سامنے بیان کر دیتے ہیں۔

(۳) زوجین کو ایک دوسرے کا لباس کہنے کی تیسری وجہ یہ ہے کہ جس طرح لباس کبھی کچھ چھوٹا یا بڑا ہو جاتا ہے تو اُسے کسی طرح چلا لیتے ہیں، ایڈجسٹ (Adjust) کر لیتے ہیں، اسی طرح زوجین کے درمیان بھی مفاہمت بہت ضروری ہے، روزمرّہ کی زندگی میں بارہا ایسے مسائل سامنے آئیں گے جہاں کچھ سمجھوتہ وکمپرومائز (Compromise) کی بھی ضرورت ہوگی، ہمیشہ ہر کام اور ہر چیز اپنی پسند کے مطابق پرفیکٹ (Perfect) نہیں ہوتی، کبھی کبھی مصالحت سے بھی کام لینا پڑتا ہے، تب ہی ازدواجی زندگی خوشحال رہے گی۔

خاص کر شوہر کو اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ وہ اپنی بیوی کے مزاج کے بارے میں شکوے نہ کرتا رہے، اس بات کو دھیان میں رکھیں کہ حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہے، اگر اُسے سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو توڑ دوگے۔ اور یہ عورت کی خوبی بیان کی گئی ہے، برائی نہیں، مسجد کا محراب سیدھا نہیں، کمان نما ہوتا ہے، یہی اس کی خوبصورتی ہے، اسی طرح یہ بھی عورت کی خوبصورتی ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :"اسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ، فَإِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ، وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ، فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ، وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ، فَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ."(۱)

(۱) رواه البخاري / كتاب النكاح / بالب الوصاة بالنساء / رقم الحديث : ٥١٨٦.

ایک نکتے کی بات:

ایک نکتے کی بات سمجھ لیں کہ نکاح کے خطبے میں جو آیت پڑھی جاتی ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت حوّا کو پیدا فرمایا، اس طرح کہ اولاً حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا تیار کیا گیا، پھر اس میں روح پھونکی گئی، پھر حضرت حوّا کو اُن سے پیدا فرمایا، پھر بعد میں ساری انسانیت کو عورت ہی سے پیدا فرمایا، حالانکہ اللہ تعالیٰ اس بات پر بھی قادر ہیں کہ مرد وعورت کے الگ الگ پتلے تیار کیے جاتے، لیکن ایک خاص حکمت کے تحت حضرت آدم علیہ السلام کے ایک ہی جسم سے حضرت حوا کو پیدا فرمایا، اس میں شوہروں کے لیے یہ تعلیم ہے کہ تمھاری بیویاں تمھارا ہی حصہ ہیں، لہٰذا اُن کی غلطی کو درگذر کردیا کرو، برداشت کرلیا کرو۔

اس کو ایک مثال سے یوں سمجھ لو کہ کھاتے وقت کبھی کبھی زبان دانت کے نیچے دَب جاتی ہے تو سخت تکلیف ہوتی ہے، لیکن کیا اُس وقت ہم اپنے دانت کو سزا دیتے ہیں؟ انھیں منہ سے نکال کر پھینک دیتے ہیں؟ ہرگز نہیں، کیوں کہ جس طرح زبان ہمارے جسم کا حصہ ہے اسی طرح دانت بھی ہمارے جسم کا حصہ ہے، اسی طرح سمجھ لو کہ ہماری بیویاں بھی ہمارے گھر اور کنبے کا حصہ ہیں، انسان ہونے کے ناتے اُن سے بھی غلطیاں ہوجاتی ہیں، تو ان کی غلطیوں پر درگذر کا مزاج بنانا چاہیے۔

(۴) آیت کریمہ میں زوجین کو ایک دوسرے کا لباس قرار دینے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ لباس انسان کو عزت دیتا ہے، انسان جب کسی بڑے مجمع میں یا کسی تقریب وفنکشن (Function) میں جاتا ہے تو اس کا خصوصی دھیان اپنے لباس پر ہوتا ہے کہ وہ اچھے سے اچھا لباس پہن کر جائے، اگر میلا کچیلا یا پھٹا پرانا لباس پہن کر جائے گا تو لوگوں کے مذاق کا

شکار بنے گا، کوئی اُسے عزت نہیں دے گا، اسی طرح زوجین بھی ایک دوسرے کے لیے زینت کا سامان ہیں، دونوں میں سے ہر ایک کو دوسرے کی عزت و اکرام اور عرفی حیثیت کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اگر بیوی کو سب کے سامنے ڈانٹ دیا جائے تو یہ اُس کی تذلیل و توہین ہے، جس سے اس کی دل شکنی ہوگی، اسی طرح بیوی بھی اگر شوہر کی سب کے سامنے غلطیاں بیان کرنے لگے تو یہ بھی شوہر کی بے عزتی ہے۔

ازدواجی زندگی کا مقصد قرآنِ پاک میں بیان کیا گیا: ﴿لِتَسۡكُنُوٓاْ إِلَيۡهَا﴾ یعنی تم اس لیے نکاح کرو کہ تم سکون حاصل کرسکو۔ اس لیے بیوی کو چاہیے کہ اُس کا رہن سہن شوہر کے گھر میں اس طرح ہو کہ جس سے شوہر خوش ہو جائے۔ بیوی کے لیے شرعاً اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ وہ اپنی وضع قطع اور ہیئت ایسی رکھے جس سے شوہر کا دِل خوش ہو، عام طور پر ہمارے معاشرے میں ٹھیک اس سے اُلٹا ہوتا ہے کہ بیگم صاحبہ اگر گھر سے باہر کسی تقریب میں شرکت کرنے والی ہوں تو گھنٹے بھر میک اَپ (Makeup) ہوتا ہے! اور گھر میں اپنے شوہر کے سامنے کبھی زینت نہیں کرتیں، ہمیشہ پھوہڑ (بدسلیقہ) بنی رہتی ہیں۔

(۵) آیت کریمہ میں زوجین کو ایک دوسرے کا لباس قرار دینے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ لباس اور اس کو پہننے والا دونوں مل کر رہتے ہیں، لباس جسم، باڈی (Body) سے لگا ہوا یعنی ٹچ (Touch) رہتا ہے، الگ نہیں رہتا، اسی طرح زوجین کو بھی بلا عذرِ معقول لمبے عرصے تک الگ نہیں رہنا چاہیے۔

''زوج'' کے معنیٰ:

عربی زبان میں شوہر کو ''زوج'' اور بیوی کو ''زوجہ'' کہتے ہیں، یعنی دونوں ایک دوسرے کے جوڑ ہیں، اور جوڑا ہمیشہ ساتھ رہتا ہے، زوجین کے درمیان لمبی علیحدگی بہت

سارے مسائل اور آزمائش پیدا کر دیتی ہے۔

اس سلسلے میں ہمارے یہاں بڑی کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ شادی کے بعد بہت سے مرد کمانے کے لیے بیرون ممالک تنہا چلے جاتے ہیں، پھر کئی کئی سال تک گھر نہیں لوٹتے، اگر بیرون ملک جانا ضروری ہو تو بیوی کو بھی ساتھ لے جائیں، یا ہر ایک دو مہینے میں گھر واپس ضرور لوٹیں۔

اس سلسلے میں ایک واقعہ عرض کرنا چاہتا ہوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ وہ اپنے دورِ خلافت میں رات کو اکثر مدینہ کی گلیوں میں چکر لگاتے اور نگہبانی فرماتے، آپ نے ایک مرتبہ ایک عورت کو اُس کے گھر میں اپنے شوہر کی یاد میں یہ اشعار کہتے ہوئے سن لیا:

تَطَاوَلَ هٰذَا اللَّيْلُ وَاسْوَدَّ جَانِبُه وَطَالَ عَلَيَّ أَنْ لَا خَلِيْلَ أُلَاعِبُه

فَوَ اللّٰهِ لَوْلَا خَشِيَّةُ اللّٰهِ وَحْدَه لَحُرِّكَ مِنْ هٰذَا السَّرِيْرِ جَوَانِبُه

یعنی یہ رات بہت لمبی اور تاریک ہوگئی، اور ایک لمبا عرصہ گزر چکا ہے میں اپنے شوہر سے ملی نہیں ہوں، اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ کا خوف نہ ہوتا تو اِس چارپائی کے پایے حرکت کرنے لگتے۔ (یعنی میں زنا میں مبتلا ہو جاتی)۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کے یہ اشعار سنے تو صبح ہوتے ہی اس کو بلا بھیجا اور اُس کی پہچان پوچھی، آپ سے کہا گیا کہ یہ فلاں بنت فلاں ہے، اس کا شوہر اتنے مہینوں سے جہاد فی سبیل اللہ میں گیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُس عورت کے پاس ایک عورت کو بھیج دیا، تاکہ اس کے شوہر کے واپس لوٹنے تک اسے تنہائی کم محسوس ہو، پھر آپ نے اس کے شوہر کو بلا بھیجا، اس کے بعد آپ نے اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مشورہ کیا کہ ایک عورت تنہا کتنے وقت تک رہ سکتی ہے؟ اولاً حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے حیا کی وجہ سے عذر کیا کہ ابا

جان! آپ مجھ سے یہ سوال کیوں فرمارہے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بیٹی! اگر رعایا کی مصلحت سے متعلق یہ معاملہ نہ ہوتا تو میں ہرگز تم سے یہ سوال نہ کرتا، اور تم ہی سے سوال کرنا اعتماد کی وجہ سے ہے، اس پر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ چار، پانچ یا زیادہ سے زیادہ چھ مہینے تک عورت تنہا رہ سکتی ہے۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلامی لشکر (Islamic Army) کے لیے یہ قانون بنادیا کہ کوئی بھی غازی چار مہینے سے زیادہ مسلسل جہاد میں شریک نہیں رہ سکتا، ہر ایک کے لیے ضروری ہے کہ چار مہینے مکمل ہونے سے پہلے پہلے اپنے گھر لوٹ آئے، کچھ وقت اپنے گھر والوں کے ساتھ گزارے، پھر جہاد میں شریک ہو۔[۱]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے سے ہمیں بہت کچھ سیکھنے کی ضرورت ہے، خصوصاً اس دور میں جب کہ موبائل اِنٹرنیٹ کے ذریعے تعلقات قائم کرنے کے وسائل فراوانی سے دستیاب ہیں، شیطان بآسانی زوجین میں سے کسی کو بھی بہکا کر غلط تعلقات میں مبتلا کردے اس بات کا خطرہ ہمیشہ لگا رہتا ہے۔

ہمارے اُستاذِ مکرّم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب جون پوری رحمۃ اللہ علیہ گجراتی طلبہ سے مزاحاً فرماتے تھے کہ ''بچو! آپ کو پتہ ہے کہ گجراتی بچہ اس لیے پڑھتا ہے کہ وہ پڑھنے کے بعد فوراً فورین چلا جائے۔''

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی غزوات جیسے اَسفار میں اَزواجِ مطہرات کو اپنے ساتھ رکھا۔ لہٰذا اسلامی دستور اور مزاج تو یہی ہے کہ لابس وملبوس ساتھ رہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اچھی معاشرت نصیب فرمائیں،

---

(۱) سنن سعيد بن منصور / باب الغازي يطيل الغيبة عن أهله / الرقم : ۲۲۸۷.

ہمارے گھروں کو جنت کا نمونہ بنائے، خوش حال ازدواجی زندگی نصیب فرمائے اور تلخیوں کو دور فرمائیں نصیب فرمائیں۔ آمین۔

شوہروں کی جانب سے ہونے والی کوتاہیاں:

آخر میں دو باتیں عرض کر کے اپنی بات مکمل کرتا ہوں:

(۱) شوہر پیسے دے کر یہ سمجھ لیتا ہے کہ میں نے سب کچھ دے دیا، شوہر وقت نہیں دیتا، دِن بھر بزنس (Business) پر ہے، رات کو تھک ہار کر آیا، آدھا گھنٹہ فریش (Fresh) ہوا، کھانا کھایا، پھر یاروں دوستوں کے ساتھ چائے پینے گیا اور اس میں رات کے تین بجا دیے، تو بیوی کا حق نہیں دے رہا، اس کا حق مار رہا ہے، یہ بہت خطرناک چیز ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: "وَإِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا".(۱) گھروں میں جو تلخیاں ہوتی ہیں اس کی یہ ایک بہت بڑی وجہ ہے۔ یاد رکھیں! اپنا نظام الاوقات، ٹائم ٹیبل (Time Table) بنالیں کہ مجھے موبائل، کاروبار، دوست واَحباب کو کتنا وقت دینا ہے، یہ ہرگز مناسب نہیں کہ پورا وقت دوستوں ہی میں گزار دیا جائے۔

(۲) دوسری بات یہ کہ آدمی عورت کو یہ سمجھتا ہے کہ یہ اَدھوری عقل والی ہے، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کو جو ناقصات العقل فرمایا ہے(۲) یہ اُن کی برائی بیان نہیں کی، بلکہ ان کی فطرت بتائی ہے، اس میں عورتوں کا کوئی قصور نہیں ہے، آدمی اس کی بات کو نظر اَنداز کر دیتا ہے، اگر بیوی مشورہ دیتی ہے تو شوہر کہتا ہے کہ تو رہنے دے، تجھے کیا معلوم؟ حاصل یہ کہ اس طرح ادھورا سمجھنا بھی اچھا نہیں، اَدھورے کو اَدھورا سمجھنا بسا اوقات بھاری پڑ جاتا ہے۔

---

(۱) رواه البخاري / كتاب الصوم / باب حق الضيف في الصوم / رقم الحديث : ۱۹۷٤.

(۲) رواه البخاري/ كتاب الحيض/ باب ترك الحائض الصوم/ رقم الحديث : ۳۰٤.

شادی کے بعد فوراً توڑ کی وجہ:

آج کل ہمارے معاشرے میں یہ بات عام ہوچکی ہے کہ شادی کے کچھ ہی دِنوں میں زوجین کے مابین آپسی جھگڑے شروع ہوجاتے ہیں، اُس کی ایک وجہ بندے نے یہ بھی نوٹ کی ہے کہ بہت سے رِشتوں میں لڑکا اور لڑکی دونوں کے خاندان کا طرزِ زندگی اور معیارِ زندگی (Life Style) بہت الگ ہوتا ہے، بسا اوقات دونوں کی اقتصادی حالت (Financial Level) بہت مختلف ہوتا ہے، ظاہری بات ہے کہ دونوں کو ایک دوسرے کے لیول کے درمیان کے فاصلے کو ختم کرکے سیٹ ہونے میں وقت تو لگتا ہی ہے، اس بات کو بہت سے لوگ سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہوتے، وہ یہی چاہتے ہیں کہ لڑکی پہلے ہی دِن سے مالی، اخلاقی اور دینی تمام اعتبار سے ہمارے معیار پر آجائے، اسی طرح اگر شوہر کی اقتصادی حالت کمزور ہو تو لڑکی والے یہ چاہتے ہیں کہ ہماری لڑکی ہی اپنے سسرال میں حکومت کرے، اُسی کی بات حرفِ آخر ہو، غرض یہ کہ فریقین میں سے کوئی بھی ایک معاملہ فہمی و مصالحت کے لیے تیار نہیں ہوتا، ہر ایک اختلاف کو اپنی بے جا حمیت (Ego) کا مسئلہ بنالیتا ہے، اسی طرح کی رَسّا کشی میں ازدواجی زندگی میں زہر گھل جاتا ہے اور نوبت طلاق تک پہنچ جاتی ہے، جس سے بہت سے بسے بسائے گھر اُجڑ جاتے ہیں۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حسن معاشرت نصیب فرمائیں، ہماری جو اَولاد نکاح کی عمر تک پہنچ چکی ہے انھیں اللہ تعالیٰ بہترین جوڑے نصیب فرمائیں، جن کی شادیاں ہوچکی ہیں اُن کی اِزدواجی زندگی میں ہمیشہ خوش حالی نصیب فرمائیں، انھیں نیک صالح اور فرماں بردار اولاد نصیب فرمائیں۔ آمین یارب العالمین۔

وَأٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

سود کی تباہ کاریاں

BAYAN QR CODE

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ۝۲۷۶﴾ (البقرة : ٢٧٦)

وَقَالَ تَعَالٰى :

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۲۷۸ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ﴾ (البقرة:٢٧٨، ٢٧٩)

وَقَالَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى :

﴿وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝۳۹﴾ (الروم : ٣٩)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ، وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

اسلام کا نظامِ معیشت فطری بنیادوں پر قائم:

محترم برادرانِ اسلام، عزیزو، بزرگو اور دوستو!

اللہ رب العزت نے ہم سب کو اسلام کی دولت سے مالا مال فرمایا ہے اور ہم سب کو اللہ تعالیٰ نے اُمت مسلمہ اور اُمت وَسَط بنایا ہے، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾ (البقرة : ١٤٣)

''اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک معتدل اُمت بنایا۔''

اور اسی بنیاد پر دین کے جو اصول اور قوانین ہیں اُن میں سے ہر ایک میں اعتدال و بیلینس (Balance) رکھا گیا، کہ ان اصول میں ہر ایک کا انفرادی اور اجتماعی فائدہ ہے، اگرچہ بظاہر نہ آ رہا ہو، لیکن درحقیقت اس میں فائدہ ہے۔

اسلام کا نظامِ معیشت یعنی رولس آف فائینس (Rules of Finance) مالی نظام نیچرلی (Naturally) اور فطری اُصولوں پر رکھا گیا ہے، اور اس سلسلے میں شریعت مطہرہ میں انفرادی و اجتماعی طور پر ہر انسان، ہر قوم، ہر علاقہ غرض پوری دُنیا کے نفع ونقصان کو سامنے رکھ کر رولس اور قوانین بنائے گئے ہیں۔

اسلامی نظامِ معیشت ایک کامیاب نظام:

اسلام سے پہلے دُنیا میں بہت سے معاشی نظام (Economy systemes) اور رولس آئے، سرمایہ دارانہ نظام یعنی کیپیٹلزم (Capitalism)، اشتراکی نظام یعنی کمیونیزم (Communism) اجتماعیت یعنی سوشلزم (Socialism) اور بہت سارے نظام آئے، لیکن دُنیا کو کامیاب کرنے اور اُسے کامیابی کے ساتھ چلانے میں یہ تمام اصول اور (Laws) ناکام ثابت ہوئے، اس لیے کہ وہ انسانوں کے بنائے ہوئے ہیں، اللہ رب العزت نے جو قانون بنایا ہے اُسی سے انسانیت کامیاب ہوسکتی ہے۔

عقائد واَعمال میں دو سب سے بڑے گناہ:

شریعت اسلامیہ میں عقائد کی فہرست میں سب سے بڑا گناہ کفر وشرک ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ

وَمَنۡ يُّشۡرِكۡ بِاللّٰهِ فَقَدِ افۡتَرٰۤى اِثۡمًا عَظِيۡمًا ﴿۴۸﴾ (البقرة : ٤٨)

اور قرآن وحدیث میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اعمال کی فہرست میں سب سے بڑا گناہ سود، بیاج اور انٹرسٹ (Interest) ہے، اس پر اللہ رب العزت نے جو وعیدیں بیان فرمائی ہیں اُن کو دیکھا جائے اور جائزہ لیا جائے تو صاف طور پر محسوس ہوتا ہے کہ عمل کی لائن سے سب سے بڑا گناہ سود ہے۔

سود کے معنیٰ:

سود کو عربی زبان میں "رِبَا" کہا جاتا ہے۔ ''رِبا'' کے لغوی معنیٰ اور ڈکشنری مِننگ (Dictionary Meaning) زیادتی اور بڑھوتری ہے۔ شریعت کی اصطلاح (Definition) میں: وہ مالی زیادتی جو بغیر کسی عوض کے حاصل کی جائے اُس کو سود کہا جاتا ہے۔

سود کی مختلف شکلیں:

سود کی ایک شکل جو عام طور پر معلوم ہے وہ یہ کہ کسی کو قرض دیا جائے اور جب واپس لینے کا وقت ہو تو زیادہ لیا جائے، اور پہلے سے اُس کا قول وقرار اگریمینٹ (Agreement) طے کر لیا جائے کہ مثلاً ۱۰۰/روپے پر ۱۱۰/روپے دینے ہوں گے۔ یہ بیاج اور سود ہے۔

سود کی صرف یہی ایک شکل نہیں ہے؛ بلکہ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی شکلیں ہیں، لیکن چوں کہ سب سے زیادہ مروّج (Common) یہی ہے، اس لیے آج کی اس مبارک مجلس میں اسی عنوان پر بات سمجھنی ہے۔

اس وقت حرام کمائی کے تعلق سے اُمت میں دو بڑی وبائیں عام ہیں: (۱) رشوت (۲) سود اور بیاج۔

حسن القضا ایک اچھی چیز:

اس موقع پر سود اور قرض کی ادائیگی کی شکلوں میں فرق سمجھنا بھی ضروری ہے، قرض کی ادائیگی کی ایک بہترین صورت حسن القضا ہے، مثلاً کسی نے سو روپئے قرض لیا، پھر اُسے ادا کرتے وقت اپنی خوشی سے زیادہ پیسے لوٹائے، مثلاً ڈیڑھ سو روپئے لوٹائے تو یہ جائز ہے، اسے ''حسن القضا'' یعنی اچھے طریقے سے ادا کرنا (Good Payment) کہتے ہیں۔

بخاری شریف کی روایت میں ہے:

" إِنَّ خِيَارَكُمْ أَحْسَنُكُمْ قَضَاءً. "(۱)

''تم میں بہتر لوگ وہ ہیں جو قرض کی ادائیگی اچھی طرح کرتے ہیں۔''

لیکن حسن القضا میں دو باتوں کا لحاظ بہت ضروری ہے: (۱) زیادہ ادا کرنے والا اپنی خوشی سے ادا کر رہا ہو۔ (۲) دی جانے والی زیادتی پر پیشگی طور پر کوئی قول وقرار نہ ہو۔ تو یہ اچھی چیز ہے، اس کی حدیث پاک میں تعریف بیان کی گئی ہے۔ لیکن اگر پہلے سے طے کر لیا گیا ہو، یا اشارۃً طے ہوا ہو تو وہ بیاج اور سود شمار ہوگا۔ اس سلسلے میں یاد رکھنا چاہیے کہ بہت سے لوگ اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینے کی ناکام کوشش کرتے ہیں، مختلف قسم کے حیلے اور شکلیں بناتے ہیں۔

سود خور درندہ بن جاتا ہے:

سود ایسی خطرناک بیماری ہے جو سود خور انسان کو درندہ بنا دیتی ہے۔ علما نے لکھا ہے کہ سود خور شخص درندے سے بھی زیادہ خطرناک ہے؛ اس لیے کہ درندے عموماً اپنے ہم جنس پر حملہ نہیں کرتے، صرف غیر جنس پر حملہ کرتے ہیں، جب کہ سود خور شخص انسان ہونے کے

(۱) رواه البخاري / كتاب الوكالة / رقم الحديث : ۲۳۰۵.

باوجود اپنے ہی ہم جنس یعنی انسان پر حملہ کرتا ہے، اس کا خون چوستا ہے، سود خور شخص گویا آدم خور بن جاتا ہے۔

سود کے شرعی نقصانات:

شریعت مطہرہ میں سود کی جو وعیدیں بیان کی گئی ہیں اور عقلی طور پر جو اس کی خرابیاں ہیں ہمیں آج کی اس مجلس میں انھیں سمجھنا ہے۔

(۱) سود خور کے متعلق قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ﴾ (البقرة : ٢٧٥)

"جو لوگ سُود کھاتے ہیں وہ (روزِ قیامت) کھڑے نہیں ہو سکیں گے، مگر جیسے وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان (آسیب) نے چھو کر بدحواس کر دیا ہو۔"

سود خوری میں مبتلا لوگوں کی روزِ قیامت یہ علامت ہوگی کہ اُن کو بدحواس ہونے کی حالت میں کھڑا کر دیا جائے گا۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ سود خوروں کی یہ کیفیت صرف آخرت ہی میں نہیں؛ بلکہ بسا اَوقات دُنیا میں بھی نظر آتی ہے، اس کا نظارہ دیکھنا ہو تو اسٹاک ایکس چینج Stock Exchange میں چلے جائیں، آپ دیکھو گے کہ اُن لوگوں پر ایک قسم کی دیوانگی کی کیفیت طاری رہتی ہے۔

(۲) دوسری ایک آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ﴾ (البقرة : ٢٧٦)

"اللہ سود کو مٹاتا ہے۔ (یعنی سودی مال سے برکت کو ختم کرتا ہے) اور صدقات کو

بڑھاتا ہے۔(یعنی صدقے کے ذریعے مال کی برکت کو زیادہ کرتا ہے)۔''

اللہ تعالیٰ سود خور کا دیوالیہ نکال دیتے ہیں، اس لیے سود خور کبھی پنپ نہیں سکتا۔علما نے لکھا ہے کہ سود خور کی نسل چالیس سال کے اندر ہی برباد ہو کر رہ جاتی ہے۔

اس آیت کریمہ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کے لیے جنت کے ثواب کو ذکر فرمایا ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقات کے ذریعے خرچ کرتے ہیں، چنانچہ فرمایا:

﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۝﴾ (البقرة : ٢٧٤)

''جو لوگ (اللہ کی راہ میں) شب و روز اپنے مال پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں تو ان کے لیے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے اور (روزِ قیامت) ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔''

اللہ تعالیٰ نے صدقات اور سود کا فرق بتانے کے لیے دونوں کو یکے بعد دیگرے بیان فرمایا کہ صدقات میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے برکات رکھی جاتی ہیں؛ لہٰذا اُس میں زیادہ سے زیادہ خرچ کرو، جب کہ سود کو اللہ تعالیٰ ختم فرمادیں گے؛ لہٰذا اُس سے دور رہو۔

اسی طرح قرآنِ پاک میں ایک اور جگہ سود اور صدقات کے اَنجام کو ایک ساتھ ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَاْ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ۝﴾ (الروم:٣٩)

''اور جو مال تم سود پر دیتے ہو تا کہ (تمھارا اثاثہ) لوگوں کے مال میں مل کر بڑھتا رہے تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھے گا اور جو مال تم زکوٰۃ (وخیرات) میں دیتے ہو (فقط)

اللہ کی رضا چاہتے ہوئے تو وہی لوگ (اپنا مال عند اللہ) کثرت سے بڑھانے والے ہیں۔''

اس آیت کریمہ میں بھی غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ صدقات وخیرات میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے برکت دی جاتی ہے، جب کہ سود کا انجام ہلاکت کے سوا کچھ نہیں۔ سود دیوالیہ نکال کر رہے گا، اگر کسی سود خور شخص کو ہم دیکھیں کہ اس کا مال تو بڑھ رہا ہے، ہم اس کی کئی نسلیں دیکھ چکے ہیں کہ وہ لوگ پوری دنیا میں شان وشوکت کے ساتھ رہتے ہیں، تو یہ بات یادرکھیں کہ مال کی کثرت اصل نہیں ہے؛ بلکہ برکت اصل ہے، اور برکت نہ ہونے کی وجہ سے سودخوروں کی زندگی کا چین وسکون اَسباب ووَسائل کی فراوانی کے باوجود غارت ہوجاتا ہے، اُن کی راتوں کی نیند حرام ہوجاتی ہے، مال تو درحقیقت انسان کی راحت کے لیے ہے، اور مال کی کثرت کے باوجود سودخور کو راحت وسکون نصیب نہیں ہوتا۔

(۳) سود کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جو وعید بیان فرمائی ہے وہ بڑی سخت ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۲۷۸﴾ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ﴾

(البقرة : ۲۷۸، ۲۷۹)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ بھی سود میں سے باقی رہ گیا ہے چھوڑ دو اگر تم (صدقِ دل سے) ایمان رکھتے ہو، پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے اعلانِ جنگ پر خبردار ہوجاؤ۔''

اس آیت کریمہ میں غور کرو! کہ سود کی قباحت کے بارے میں یہی ایک وعید ہوتی تب بھی کافی ہوجاتی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سود کے حرام ہوجانے کے بعد بھی اگر کوئی بندہ اسی گناہ میں لگا رہے تو اُسے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے جنگ کا چیلنج ہے، یعنی وہ بندہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کے لیے تیار ہوجائے، اب کون

ہے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلے میں جنگ کے لیے آمادہ ہو جائے؟ ہمارے سامنے اگر ہاتھی اور چیونٹی کا مقابلہ ہو جائے تو ہمیں یقین ہوتا ہے کہ ہاتھی کے سامنے چیونٹی کی کیا اَوقات ہے! ذرا سوچو کہ ایسے بے شمار ہاتھیوں کو پیدا کرنے والا رَب جب کسی سے اعلانِ جنگ فرمادے تو اس کا کیا اَنجام ہوگا؟

عموماً یہ دیکھا جاتا ہے کہ کسی معاشرے میں جب کوئی گناہ عام ہو جاتا ہے، خوب پھیل جاتا ہے تو لوگوں کے دِلوں میں اس کی قباحت بھی کم ہو جاتی ہے اور بہت سے لوگ تو اُس کو گناہ تک نہیں سمجھتے، ہم دیکھ سکتے ہیں کہ ایک مسلمان شراب پینے اور خنزیر کھانے کو جس قدر قبیح خیال کرتا ہے اِتنا سود خوری کو قبیح نہیں سمجھتا؛ بلکہ بعض لوگ تو بلا ارادہ کفریہ جملے تک کہہ دیتے ہیں کہ ''اب یہ نہیں چلے گا، اِس دور میں تو سود کے بغیر کاروبار ہی نہیں چلتا''، وغیرہ۔ ایسے لوگوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ اسلامی حکومت کا نظام ہمیشہ سود کی ناپاکی سے خالی اور صاف رہا ہے اور وہ سالہا سال تک کامیاب طریقے سے چلا بھی ہے۔

دو سنگین گناہ:

شریعت مطہرہ میں دو گناہوں کے متعلق یہ وعید بیان کی گئی ہے کہ اُن کے مرتکب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا اعلانِ جنگ ہے:

(۱) جیسا کہ مذکورہ آیت کریمہ میں فرمایا کہ اگر سود نہیں چھوڑتے تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔

(۲) حدیث پاک میں اولیاء اللہ کے ستانے پر بھی یہی وعید بیان کی گئی ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: "إِنَّ

اللّٰهَ تَعَالىٰ قَالَ: "مَنْ عَادىٰ لِي وَلِيًّا فَقَدْ أٰذَنْتُه بِالْحَرْبِ."(۱)

''جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی اختیار کرتا ہے تو اُس سے میں جنگ کا اعلان کرتا ہوں۔''

(۴) آیت مذکورہ میں سود کی قباحت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم (صحیح معنیٰ میں) مؤمن ہو تو اپنے باقی ماندہ سود کو بھی چھوڑ دو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر یہ گناہ نہیں چھوڑو گے تو تم مؤمن کہے جانے کے لائق نہیں رہو گے۔

(۵) سود کی حرمت نازل ہونے کے بعد بھی اگر کوئی اُس سے باز نہیں رہتا تو اُس کا اُخروی اَنجام بیان کرتے ہوئے آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَمَنْ عَادَ فَأُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ (البقرة:۲۷۵)

''اور جس نے پھر بھی سود لیا سو ایسے لوگ جہنمی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔''

(۶) ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سود لینے والے، سود دینے والے، سودی معاملے میں گواہ بننے والے اور اس معاملے کو لکھنے والے تمام پر لعنت فرمائی ہے۔

عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلىَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أٰكِلَ الرِّبَا، وَمُؤْكِلَهُ، وَشَاهِدَيْهِ، وَكَاتِبَهُ."(۲)

لعنت کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہمیشہ کے لیے دور ہو گیا، اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کبھی متوجہ نہیں ہوگی۔

مفتیٔ اعظم پاکستان، صاحب معارف القرآن حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا

---

(۱) رواه البخاري / كتاب الرقاق / باب التواضع / رقم الحديث : ٦٥٠٢.

(۲) رواه الترمذي / أبواب البيوع عن رسول الله ﷺ / باب ما جاء في أكل الربا / الرقم : ١٢٠٦.

مسئلۂ سود کے عنوان سے ایک رسالہ ہے، جس میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے سود کی قباحت پر چالیس احادیث جمع فرمائی ہیں۔ عمل کرنے کا جذبہ رکھنے والے کے لیے تو ایک بھی کافی ہے، لیکن جو بندہ عمل کا ارادہ ہی نہ رکھتا ہو اس کے لیے ہزار دلائل بھی کچھ کام کے نہیں۔

اللہ کے یہاں دیر ہے، اَندھیر نہیں:

مؤمن کی نگاہ آخرت پر ہونی چاہیے، اگر کسی بندے کو سود کا نقصان فوری طور پر نہ دِکھائی دے تو وہ یہ ہرگز نہ سمجھے کہ کچھ نہیں ہوگا، واقعہ یہی ہے کہ سود میں دینی، دنیوی اور اُخروی اعتبار سے ہلاکت ہے، اس کا صحیح اندازہ اور حقیقی مشاہدہ تو مرنے کے بعد ہی ہوگا، جہاں تک تعلق ہے دنیوی زندگی کا، تو صرف ظاہر کی آنکھوں سے دیکھنے والوں کو سود سے مال بڑھتا ہوا اور صدقات سے گھٹتا ہوا نظر آتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے جن کو حقائق دیکھنے والی نگاہیں عطا فرمائی ہیں انھیں اس بات پر پورا یقین ہے کہ صدقات میں برکات اور سود میں ہلاکت ہے، بسا اوقات تو صدقہ کرنے والوں کے مال میں ایسی برکات ہوتی ہیں کہ وہ نسلوں تک باقی رہتی ہیں، اور ایسے لوگ آفتوں اور ہلاکتوں سے محفوظ رہتے ہیں، جب کہ سود خور اپنے مال میں اضافہ کر کے وقت کا قارون ہی کیوں نہ بن جائے، لیکن یہ بات یقینی ہے کہ وہ اس حقیقی راحت وعزت سے محروم رہتا ہے جو دولت کا اصل مقصد اور ثمرہ ہے۔

علاوہ ازیں بعض اوقات تو اس کی زندگی میں یا اس کے بعد کوئی ایسا حادثہ پیش آتا ہے جس سے سارا حساب برابر ہو جاتا ہے، اور کبھی کبھی تو وہ کروڑ پتی سے روڈ پتی بن جاتا ہے، اسی لیے حدیث پاک میں وارد ہے:

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ الرِّبَا وَإِنْ كَثُرَ فَإِنَّ عَاقِبَتَهُ تَصِيْرُ إِلٰى قُلٍّ."(۱)

(۱) مسند أحمد / مسند عبد اللّٰه بن مسعود رضي اللّٰه عنه / رقم الحديث : ۳۷۵٤.

''سود سے حاصل ہونے والا مال خواہ کتنا ہی زیادہ ہو جائے، مگر اس کا مآل اور آخری انجام قلت اور ہلاکت ہے۔''

سود کے عام رِواج کی حدیث میں پیشین گوئی:

حدیث پاک میں وارد ہے کہ قیامت کے قریب ایسا زمانہ آئے گا کہ اگر کوئی مؤمن بندہ سود سے اجتناب کرے گا تب بھی اس کا غبار تو پیٹ میں چلا ہی جائے گا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقَى مِنْهُمْ أَحَدٌ إِلَّا أَكِلُ الرِّبَا، فَمَنْ لَمْ يَأْكُلْ أَصَابَهُ مِنْ غُبَارِهِ."(۱)

اگر بندہ سود استعمال نہ بھی کرتا ہوگا تو اس کے بخارات واثرات سے تو ہرگز محفوظ نہ رہ سکے گا، اس کا غبار ضرور اس کو پہنچے گا۔ مطلب یہ ہے کہ ایک شریف آدمی خود تو سود استعمال نہیں کرے گا، مگر اس کی عمومیت کی وجہ سے کہیں نہ کہیں سودی معاملے میں جانے انجانے میں مبتلا ہو جائے گا۔ مثلاً ایک بندہ اپنے گھر سے مسجد تک رَکشے میں سوار ہو کر پہنچا، رَکشہ والے نے اپنا رَکشہ سودی قرض (Loan) پر لیا ہوا تھا، تو رَکشے میں بیٹھنے والا بندہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس سودی معاملے کا حصہ بن گیا، یہی وہ سود کا غبار ہے جسے حدیث پاک میں بیان کیا گیا ہے۔ البتہ اگر یہ معاملہ بلا ارادہ ہو گیا ہے تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے قوی اُمید ہے کہ وہ معاف فرما دیں گے، لیکن اگر بندہ عمداً کسی سودی معاملے کا حصہ بن جائے تو اُس کے لیے وعید شدید ہے۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسی ارشاد کا ہم مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ حلال کمانے والوں

(۱) رواه ابن ماجه / كتاب التجارات / رقم الحديث : ۲۲۷۸.

کی تنخواہیں بھی سودی کاروبار کے اداروں اور بینکوں سے ہو کر یعنی حرام مال کے ساتھ مل کر آتی ہیں۔ میرے بھائیو! یہی وجہ ہے کہ اب حلال اموال میں بھی وہ برکات نہیں رہیں جو پہلے ہوا کرتی تھیں، دانائی و دینداری کا تقاضا یہی ہے کہ سودی معاملات سے مکمل طور پر احتیاط کی جائے، کیوں کہ جو لوگ سود کی اِن تباہ کاریوں کے باوجود باز نہ آئیں تو ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جنگ کا اعلان ہے۔ اللہ کی پناہ!

سود کی اس قدر سخت مذمت کے باوجود آج مال کی محبت نے بہت سے لوگوں کو اس قدر اندھا کر دیا ہے کہ انھیں سود میں اپنا ذاتی، ظاہری اور عارضی فائدہ تو نظر آتا ہے، لیکن اس کی سماجی و دنیوی اور دینی واخروی دائمی تباہ کاریاں نظر نہیں آتیں؛ جس کی وجہ سے سود کا چلن عام ہو گیا۔ اس وقت پوری دنیا کی معیشت اور تجارت میں سود اتنی کثرت اور عمومیت کے ساتھ سرایت کر گیا ہے کہ بقولِ محقق اسلام حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ''کسی کاروباری سلسلے کا اس سے محفوظ رہنا اتنا ہی مشکل ہو گیا جتنا جنگل کے کسی درخت کا ہوا سے محفوظ رہنا۔''
(معارف الحدیث: ۱۱۶/۷)

سود کے دُنیوی نقصانات:

(۱) سودی قرض کا لین دین بہت ساری قباحتوں اور ظلم وتعدی کا سبب ہے، اور اُس کی قباحت ابتداءً معلوم نہیں ہوتی، سودی قرض دینے والا جب سودی قرض دے رہا ہوتا ہے تو بظاہر ایسا لگتا ہے کہ وہ ہمدرد بن رہا ہے کہ ایک بندے کی وقتی ضرورت پوری کر رہا ہے، لیکن جب اُس سودی قرض کی ادائیگی کا وقت ہوتا ہے تب سودی قرض لینے والے کو مکمل اس حقیقت کا احساس ہو جاتا ہے کہ اس کے مال کو ناحق طور پر تلف کر دیا گیا۔

(۲) دوسری قباحت یہ ہے کہ سودی کاروبار میں ظلم کا پہلو بھی شامل ہے، کہ جس

ضرورت مند بندے کو مثلاً ۱۰۰/ روپے سود پر دیے گئے ہیں، اُس سے ادائیگی کے وقت ۱۱۰/ روصول کیے جائیں گے، تو یہ بندہ جس کے پاس پہلے ہی سے ۱۰۰/ روپے نہیں تھے، اب وہ ۱۱۰/ روپے ادا کیسے کرے گا؟ مزید برآں ادائیگی نہ کر پانے کی صورت میں سود اور بھی بڑھتا جائے گا جو اُس کا خون چوسنے کے مترادف ہوگا۔

(۳) سودی کاروبار کی تیسری قباحت جس سے ساری دُنیا اس وقت پریشان ہے وہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے سارا مال کچھ ہی لوگوں کے درمیان سمٹ کر رہ جاتا ہے، مارکیٹ میں عام لوگوں تک وہ پہنچ نہیں پاتا، جب کہ عام لوگوں کی خوش حالی کے لیے مال کی گردش اور تمام لوگوں تک پہنچنا ضروری ہے۔قرآنِ پاک میں اس کو یوں بیان کیا گیا:

﴿كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ﴾ (الحشر : ۷)

(یہ نظامِ تقسیم اس لیے ہے) تاکہ (سارا مال صرف) تمھارے مال داروں کے درمیان ہی نہ گردش کرتا رہے (بلکہ معاشرے کے تمام طبقات میں گردش کرے)۔

اس بات کو انگلینڈ کی ایک ریسرچ (Research) کی ۲۰۱۷ء کی رپورٹ سے سمجھو! اس رپورٹ میں اس بات کا خلاصہ کیا گیا ہے کہ ساری دنیا کا ۸۲ فی صد پیسہ صرف ایک فی صد لوگوں کے قبضے میں ہے اور صرف ۱۸ فی صد پیسہ بقیہ ۹۹ فی صد لوگوں کے پاس ہے، یہ ۸۲ فی صد پیسہ جو دُنیا کے چند گنے چنے سرمایہ داروں کے پاس ہے وہ اِتنا زیادہ ہے کہ اگر اُن پیسوں کے ذریعے موجودہ غربت کو دور کیا جائے تو ایسی غربت سات مرتبہ ختم ہوسکتی ہے۔

ذرا سوچو کہ یہ نظامِ معیشت (Economy system) کس قدر غیر متوازن ہے، جس میں ناانصافی اپنی تمام حدوں کو پار کر چکی ہے کہ جو بندہ غریب ہے وہ مزید غربت میں پھنستا رہے گا اور چند سرمایہ دار اُن کا خون چوس کر خود کا مال بڑھاتے رہیں گے، یہ تمام

خرابیاں اسی سودی کاروبار پر مبنی سرمایہ دارانہ نظام کی وجہ سے ہیں۔

ایک عبرت آمیز واقعہ:

سودی معاملات معاشرے میں آپسی ہمدردی کو کیسے ختم کردیتے ہیں اس بات کا اندازہ ایک واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ ہولینڈ میں ایک بوڑھا شخص اپنی بیٹی کے گھر آیا اور وہاں قیام کی خواہش ظاہر کی، تو بیٹی نے صاف انکار کردیا، جب باپ نے اصرار کیا تو بیٹی نے اسے مار مار کر گھر سے باہر نکال دیا، لوگوں نے جب بیٹی کو ملامت کی تو اس نے بتایا کہ کچھ عرصہ پہلے مجھے پیسوں کی سخت ضرورت پیش آئی، باپ سے مطالبہ کیا تو اس نے باقاعدہ شرحِ سود طے کرکے مجھے رقم دی، اور اصل مال کے ساتھ سود بھی وصول کیا، پھر میں اس کے ساتھ کیسے ہمدردی رکھوں؟ (کتابوں کی درسگاہ میں رصفحہ:۱۱۱)

سود کے خاتمے کی ابتدا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے گھر سے فرمائی:

جب سود کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عملاً اس کی ابتدا اپنے گھر سے فرمائی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو سود کی حرمت نازل ہونے سے پہلے لوگوں کو سودی قرض دیا کرتے تھے، اُن کے متعلق اعلان فرمایا کہ میں اُن کے سود کو سب سے پہلے معاف کرتا ہوں۔

"وَإِنَّ رِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ، وَأَوَّلُ رِبًا أَضَعُ رِبَا الْعَبَّاسِ؛ فَإِنَّهُ مَوْضُوعٌ كُلُّهُ."(۱)

''زمانہ جاہلیت میں رائج تمام سود اب کالعدم ہیں، اور سب سے پہلا سود جو معاف کیا جارہا ہے وہ جناب عباس (رضی اللہ عنہ) کا ہے، ان کا سارا سود معاف ہے۔''

---

(۱) شرح مشكل الآثار / رقم الحديث : ٤١.

سود کی وعیدیں سود کی ہر قسم کو شامل ہیں:

سودی کاروبار کی تمام قباحتوں اور اس کے بارے میں اِتنی شدید وعیدوں کے سننے کے بعد بھی کچھ لوگ یہ بہانہ بناتے ہیں کہ آج کل بینک سے کاروبار کے لیے جو کمرشیل لون (Commercial Loan) لیا جاتا ہے وہ سود میں داخل نہیں ہے، اس لیے کہ یہ قرض تو کاروبار کے لیے لیا گیا ہے، جو بزنیس سیٹ اَپ کرنے کے لیے ضروری ہوتا ہے، اور قرآن و حدیث میں جس سود کے بارے میں وعیدیں بیان ہوئی ہیں وہ صرف سودی قرض کے لیے ہیں، لہٰذا سودی لون لینا جائز ہے۔

ایسے لوگوں سے صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ جتنی چادر ہے اتنے ہی پاؤں پھیلانے چاہیے! بینک سے سودی لون لینے کی آخر مجبوری کیا ہے؟ یاد رکھنا چاہیے کہ شریعت اپنے احکام کی حقیقت کو بالکل واضح انداز میں بیان کرتی ہے، لہٰذا قیامت تک پیدا ہونے والی تمام صورتیں بھی ہر حکم میں شامل ہوتی ہیں، کسی بھی حکم میں اپنی جانب سے اپنی سہولت کے موافق یہ نہیں طے کیا جا سکتا کہ فلاں صورت جائز ہے اور فلاں ناجائز ہے۔ ورنہ تو یہ بھی کہا جائے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں جو شراب بنتی تھی وہ گندے مٹکوں اور برتنوں میں بنتی تھی، اس لیے وہ حرام تھی، اب تو نہایت صفائی کے ساتھ بنتی ہے، پھر اُسے اچھی خاصی چمکدار بوتلوں میں پیک کیا جاتا ہے؛ لہٰذا اَب حرام نہیں ہے! اور یہ بھی کہا جائے گا کہ خنزیر اگر پولٹری فارم میں رکھا جائے، جہاں اس کی صفائی کا خیال رکھتے ہوئے روزانہ نہلایا جائے تو وہ پاکیزہ ہو جائے گا اور پہلے جیسا خنزیر نہیں رہے گا! تو یہ بات جس قدر مضحکہ خیز ہے اسی طرح بینک سے لیے جانے والے سودی لون کو جائز کہنے والوں کی بات بھی نہایت مضحکہ خیز ہے۔ شریعت کا حکم بالکل واضح، جامع اور مبنی بر حقیقت ہوتا ہے، جتنی بھی احتمالی صورتیں نکل سکتی ہیں وہ تمام

حکم میں داخل ہوتی ہیں، لہٰذا محض عقلی احتمالات نکال کر کسی حرام چیز کو حلال نہیں کیا جاسکتا۔

ایک لطیفہ:

اس پر ایک لطیفہ سن لیں! ایک مرتبہ ایک انڈین گلوکار کسی عرب ملک میں گیا، جہاں ایک عربی شخص گانے گا رہا تھا، انڈین گلوکار کو اس کی آواز بہت بے سوری اور بھدی معلوم ہوئی۔ (عموماً ایک ہی فن کے ماہرین آپس میں ایک دوسرے کے کمال کے معترف کم ہی ہوتے ہیں!) تو انڈین گلوکار اس عربی شخص کی آواز سن کر کہنے لگا کہ مجھے آج پتہ چلا کہ اسلام میں گانے حرام کیوں ہیں؟ اگر پیغمبر میرا گانا سن لیتے تو گانے کو ہرگز حرام نہ کہتے۔ اِس جاہل کو کیا معلوم کہ حرام چیز حرام ہی رہتی ہے، خواہ اس کی ہزار شکلیں بدل دی جائیں۔ (اصلاحی خطبات)

سود کے شرعی متبادل:

سود حرام ہے، لیکن اُمت کے پاس اس کا شرعی متبادل اَلٹرنیٹ (Alternate) موجود ہے، جیسے: آیت کریمہ ﴿يَمْحَقُ اللهُ الرِّبٰوا وَ يُرْبِي الصَّدَقٰتِ﴾ میں اللہ تعالیٰ نے سود کے نقصان اور صدقات کے فائدے کو ایک ساتھ بیان فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنی سیونگ (Saving) یعنی بچت کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کریں، ان میں صدقاتِ واجبہ یعنی زکوٰۃ پر تمھارا اپنا کوئی حق نہیں ہے، یہ غریبوں کا حق ہے، لہٰذا اُن تک پہنچاؤ، تو بچت کا سب سے پہلا مصرف غریب اور محتاج ہے۔

بچت کا دوسرا مصرف یہ بھی ہے کہ قرض حسنہ کے طور پر دے دیا جائے، قرضِ حسنہ یہ نہیں ہے کہ قرض خواہ سے یہ کہہ دیا جائے کہ اگر ادا کرسکے تو کر دینا ورنہ معاف ہے؛ بلکہ قرضِ حسنہ وہ قرض ہے جس میں کسی بھی طرح سود نہ لیا جائے، یہاں تک کہ قرض خواہ سے کسی

اور منفعت کی بھی اُمید نہ رکھی جائے، مکمل اخلاص کے ساتھ صرف تعاون کی نیت سے قرض دیا جائے۔

نیز عقد مضاربت بھی بچت کا بہتر مصرف ہے، عقد مضاربت یہ ہے کہ ایک شخص کی جانب سے تجارتی خرید و فروخت وغیرہ کی محنت ہو اور دوسرے کی جانب سے سرمایہ ہو، دونوں آپس میں اولاً طے کرلیں کہ نفع کے پرسنٹیج (Percentage) میں سے اِتنے فی صد سرمایہ کے مالک کا ہوگا اور اِتنے فی صد محنت کرنے والے کا۔

ایک شکل یہ بھی ہے کہ اگر کوئی کاریگر ہے جو مشین پر کام کرنا جانتا ہے اور اُسے مشین کی ضرورت ہے، یا ڈرائیور ہے جسے گاڑی یا رَکشہ وغیرہ کی ضرورت ہے، تو ان سے کہا جائے کہ مشین یا رَکشہ وغیرہ میں خرید کر دیتا ہوں، تم اس پر اپنا کام کر کے مجھے نفع میں شریک کرلو۔ یہ بھی آپسی تعاون کی بہتر شکل ہے۔

سودی لون لینا تو انتہائی اضطرار کی شکل ہی میں جائز ہے، جب کہ کوئی زکوۃ کا مستحق ایسا ہو جس کے پاس اپنی بنیادی ضروریات پوری کرنے کے لیے بھی کوئی ذریعہ نہیں ہے، تو وہ بقدرِ ضرورت لون لے سکتا ہے۔

نئی کار کیسے خریدیں؟

کسی نے مسئلہ معلوم کیا کہ مجھے نئی گاڑی خریدنی ہے، جو صرف لون پر مل سکتی ہے، حکومتی قانون کی وجہ سے زیادہ مقدار میں کیش (Cash) بتا نہیں سکتے۔ اب گاڑی چوں کہ ضرورت کی چیز ہے، تو اُسے خریدنے کی بہتر شکل تو یہی ہے کہ پرانی سیکنڈ ہینڈ Second Hand استعمال شدہ گاڑی خریدلیں، جو کم قیمت میں مل جائے، تا کہ سودی لون سے بچ سکیں۔

اگر اس شکل میں بھی کوئی عذر پیش آئے تو ایک شکل یہ ہے کہ بینک شوروم سے نئی

گاڑی خرید لیں، پھر بینک خریدار کو قسط انسٹال منٹ (Installment) پر دے دیں، اس شکل میں اگر بینک جو قسطوں میں پیسے لے رہی ہے اگر زیادہ بھی لے تو جائز ہے، یہاں یہ ہوگا کہ قرض دینے والے نے گاڑی خرید لی، پھر آگے قسطوں میں بیچ دی۔

سودی کاروبار اور پارٹنرشپ کا فرق:

سودی کاروبار اور تجارتی شرکت پارٹنرشپ (Partnership) کے درمیان فرق سمجھنے کی بہت ضرورت ہے، جب سود کو حرام قرار دیا گیا تو کفار و مشرکین نے دونوں کے درمیان کا فرق نہ سمجھنے کی وجہ سے یہی کہا تھا کہ ﴿إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰو﴾ خرید و فروخت بھی تو سود کی طرح ہے۔ فرق نہ سمجھ پانے کی وجہ سے انھیں تعجب ہو رہا تھا کہ یہ کیا بات ہے کہ ایک شخص کوئی چیز ۱۰۰/ روپے کی خرید کر اُسے ۱۱۰/ روپے میں بیچ سکتا ہے، یعنی منافع لے سکتا ہے، لیکن کسی کو ۱۰۰/ روپے قرض دے کر اس سے ۱۱۰/ روپے نہیں لے سکتا، دونوں کے درمیان کیا فرق؟ کیا ڈفرنٹ (Diffrent) ہے؟

تو اللہ تعالیٰ نے انھیں حاکمانہ جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ﴿أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰو﴾ کہ اللہ تعالیٰ نے خرید و فروخت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ خرید و فروخت میں خطرہ، رِسک (Risk) رہتا ہے کہ ہو سکتا ہے نفع ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نقصان ہو، پھر خرید و فروخت کے لیے خریدار اور بیچنے والے تلاش کرنے ہوں گے، غرض یہ کہ محنت اس میں بہر حال ہوگی، جب کہ سود میں ایسا کوئی خطرہ و رِسک (Risk) ہے ہی نہیں، بس بینک میں رقم جمع کروا دی، پھر جیسے جیسے وقت بڑھتا ہے سود بھی خود بخود بڑھتا رہتا ہے۔

سودی کاروبار اور تجارتی شرکت پارٹنرشپ (Partnership) کے درمیان

فرق کو ایک مثال سے سمجھ لیجیے کہ ایک بینک میں سو آدمیوں کا سرمایہ ایک ایک لاکھ روپے جمع ہے، جن پر بینک اِن پیسے جمع کرنے والوں کو دو پسرنٹ سود دیتی ہے، اب بینک کے پاس کوئی خود کا خزانہ تو ہے نہیں، لہٰذا وہ چار پسرنٹ سود پر بڑے تاجروں اور کمپنیوں کو وہ پیسے دیتی ہے، جس سے بڑی کمپنیوں کے مالک اپنی کمپنی کے لیے زمین اور اَثاثہ وغیرہ خرید کر اسے سیٹ اَپ کرتے ہیں، پھر کمپنی والے اپنی مصنوعات پروڈکٹ (Product) پر چار پرسنٹ بینک کا سود اور خود کا نفع وغیرہ ملا کر چھ، سات یا آٹھ پرسنٹ تک بڑھا کر مصنوعات کی قیمت طے کرتے ہیں، اس لیے تمام چیزیں ہمیں مارکیٹ میں مہنگی ملتی ہیں، پھر بینک کو کمپنی کی جانب سے جو چار پرسنٹ سود ملتا ہے اُس میں سے وہ رقم جمع کرنے والوں کو دو پرسنٹ دے کر بقیہ دو پرسنٹ خود لیتی ہے۔

مثلاً ایک جوتے کی کمپنی کے مالک نے بینک سے چار پرسنٹ کی شرح پر لون لیا، پھر کمپنی سیٹ اَپ کر کے جوتے تیار کرنے تک اُسے ہر جوتے پر ۲۰۰ ر روپئے کی لاگت آئی ہے، تو وہ اپنے جوتے کی قیمت میں بینک کا چار پرسنٹ سود، اپنی لاگت اور منافع وغیرہ جوڑ کر اُسے ۳۰۰ ر سے ۴۰۰ یا اُس سے بھی زائد قیمت پر بیچے گا۔ اور بینک جو اس کمپنی کے مالک سے چار پرسنٹ سود وصول کرتا ہے اُس میں سے رقم جمع کرنے والوں کو دو پرسنٹ دے کر دو پرسنٹ خود کے منافع کے طور پر رکھتا ہے۔ اور اس طرح مارکیٹ میں ضرورت کی اشیا بھی اِتنی مہنگی ہو جاتی ہیں کہ وہ غریب کی پہنچ سے بہت دور ہوتی ہیں۔

اس کے برخلاف تجارتی شرکت پارٹنر شپ (Partnership) میں یہ ہوتا ہے کہ بینک میں پیسہ جمع کرنے والا بینک سے کہے گا کہ اس کے پیسے کو تجارت میں لگایا جائے اور جو بھی نفع ہوگا اس میں سے دو پرسنٹ میں لوں گا، جو کوئی فکس (Fix) رقم نہیں ہوگی، دوسری طرف جن کمپنیوں وغیرہ کو بینک لون دے گی اُن سے بھی یہی کہے گی کہ تمارے نفع

میں سے چار پرسنٹ بینک وصول کرے گی، یہ بھی کوئی فکس (Fix) رقم نہیں ہوگی، تو یہ شرکت مضاربت کی ایک شکل ہوگی، جو کہ جائز ہے۔

سود سے حتی الامکان پرہیز کریں:

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح سمجھ عطا فرمائیں اور اُمت مسلمہ کی حرام سے حفاظت فرمائیں، ذراسی لذت اور تھوڑے سے روپیوں کے لیے اللہ تعالیٰ کو ناراض نہ کریں، اللہ رب العزت سے اعلانِ جنگ نہ کریں، آج دیکھا جارہا ہے کہ لوگوں کا عام مزاج بن گیا ہے کہ ابھی سودی کاروبار کرلو، بعد میں نیک بن جائیں گے، بعد میں کسی مولانا کو حج یا عمرہ میں بھیج دیں گے، یاد رکھو کہ ایسی نیتوں سے سود کی حرمت پر اور اس کی وجہ سے ہونے گناہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، سودی کاروبار کا وَبال تو بہر حال آکر رہے گا۔ لہٰذا آخری درخواست کروں گا کہ خوب بیدار رہنے کی ضرورت ہے، مارکیٹ میں آئے دِن سودی کاروبار کی نئی نئی شکلیں پیدا کی جارہی ہیں، جن میں عقل حیران ہوجاتی ہے کہ انسان دُنیوی مال ومتاع کی محبت میں کیا کیا کرڈالتا ہے، ایسی مختلف شکلیں نکالی جاتی ہیں کہ دِماغ کام نہیں کرتا کہ اس کا حکم کیا ہوگا؟ ایسے مواقع میں ہم پر لازم ہے کہ اہل علم حضرات سے رابطہ قائم کریں اور اُن سے دریافت کریں، تاکہ ہماری اور ہماری نسلوں کی پرورش حرام لقمے سے نہ ہو، حرام لقمے کی سب سے بڑی نحوست یہ ہے کہ اس کی وجہ سے عبادت میں جی نہیں لگتا، دِل سیاہ ہوجاتا ہے، توفیق عبادت سلب ہوجاتی ہے۔

اخیر میں اللہ تعالیٰ سے دست بہ دُعا ہوں کہ اللہ رب العزت ہم سب کو رزقِ حلال نصیب فرمائیں، اس میں خوب برکت عطا فرمائیں، حرام رزق سے ہماری اور پوری اُمت مسلمہ کی مکمل حفاظت فرمائیں، ساری دُنیا سے سود کا خاتمہ فرمائیں، ہم سب کو توفیق عمل سے نوازئیں۔ آمین یارب العالمین۔ وَأٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

نمازِ قضائے عمری کا ثبوت

اور

اُس کے ضروری مسائل

01 BAYAN QR CODE

02 BAYAN QR CODE

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، أَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ الْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِيْدِ، أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾ (النساء:۱۰۳)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: "يَتَعَاقَبُونَ فِيْكُمْ مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ، وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ، وَيَجْتَمِعُونَ فِيْ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَصَلَاةِ الْعَصْرِ، ثُمَّ يَعْرُجُ الَّذِينَ بَاتُوا فِيكُمْ، فَيَسْأَلُهُمْ -وَهُوَ أَعْلَمُ بِهِمْ- : كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِيْ؟ فَيَقُولُونَ: تَرَكْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ وَأَتَيْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ."(۱)

تمہید:

آج کی اس مجلس میں ہم قضائے عمری نماز کے تعلق سے تفصیلات پیش کریں گے کہ اس کا ثبوت شریعت سے کس طرح ہے؟ اور اس کے کیا دلائل ہیں؟ چوں کہ بہت سے لوگ اس میں شک وشبہ پیش کرتے ہیں؛ لہٰذا پہلے ہم قضائے عمری کے دلائل پیش کریں گے، اور اس کے بعد قضائے عمری نماز کس طرح پڑھنی ہے؟ اس کی کیا ترتیب ہے؟ اس کی کیا نیت ہے؟ ان شاء اللہ ان تمام امور کی تفصیلات پیش کی جائیں گی۔

نماز کی اہمیت:

قرآن مجید کی سورۂ نساء میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

(۱) رواه البخاري / كتاب مواقيت الصلاة / باب فضل صلاة العصر / رقم الحديث : ۵۵۵.

﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتٰبًا مَّوْقُوتًا﴾ (النساء:۱۰۳)

''بیشک نماز مؤمنوں پر مقررہ وقت کے حساب سے فرض ہے۔''

نماز فرض ہے، اور وہ بھی اس کے ٹائم (Time) پر، اُس کے وقت مقررہ پر فرض ہے۔ نماز یہ دین کا ستون ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَيُّ شَيْءٍ أَحَبُّ عِنْدَ اللّٰهِ فِي الْإِسْلَامِ؟ قَالَ: "الصَّلَاةُ لِوَقْتِهَا، وَمَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ فَلَا دِينَ لَهُ، وَالصَّلَاةُ عِمَادُ الدِّينِ."(۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول نبیِٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھنے لگا کہ اللہ تعالیٰ کو کونسا عمل اسلام میں سب سے زیادہ پسندیدہ ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''نماز کو اس وقت میں پڑھنا سب سے زیادہ محبوب عمل ہے، اور جو شخص جان بوجھ کر نماز چھوڑ دے اس کا دین معتبر نہیں، اور نماز تو دین کا ستون ہے۔''

اور آخرت میں سب سے پہلے جس عمل کا حساب ہوگا وہ نماز ہے۔

عَنْ تَمِيمٍ الدَّارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "أَوَّلُ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الصَّلَاةُ، فَإِنْ كَانَ أَكْمَلَهَا كُتِبَتْ لَهُ كَامِلَةً، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ أَكْمَلَهَا قَالَ لِلْمَلَائِكَةِ: "انْظُرُوا هَلْ تَجِدُونَ لِعَبْدِيْ مِنْ تَطَوُّعٍ، فَأَكْمِلُوا بِهَا مَا ضَيَّعَ مِنْ فَرِيضَةٍ، ثُمَّ الزَّكَاةُ، ثُمَّ تُؤْخَذُ الْأَعْمَالُ عَلٰى حَسَبِ ذٰلِكَ."(۲)

(۱) رواه البيهقي في شعب الإيمان / باب الصلوٰة / رقم الحديث : ۲۵۵۰.

(۲) مسند أحمد / مسند الشاميين / رقم الحديث : ۱٦۹۵٤.

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''قیامت کے دِن سب سے پہلے جس عمل کا بندے سے حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے، اگر نماز مکمل ادا کی ہوں گی تو اس کا اجر بھی کامل لکھا جائے گا، اور اگر نماز میں کوتاہی نکلے گی تو اللہ تعالیٰ ملائکہ سے فرمائیں گے کہ میرے بندے کے اعمال میں دیکھو! کچھ نوافل ہوں تو اُن کے ذریعے فرائض کی تلافی کردو، پھر زکوٰۃ کا حساب ہوگا، پھر دیگر اعمال کا حساب ہوگا۔''

نماز کی شریعت میں کیا اہمیت ہے وہ ہم جانتے ہیں، اس کے متعلق بہت سے بیانات اور بہت اَہمیت ہم نے سنی ہے۔ نماز کو اس کے مقررہ وقت ہی پر پڑھنا ہے، لیکن کسی عذر کی وجہ سے تاخیر، ڈِلے (Delay) ہوگئی تو جب بھی یاد آئے فوراً نماز کو ادا کرنا ہے، توبہ کر لینے سے فرض نماز معاف نہیں ہوگی، مرنے سے پہلے پہلے اس نماز کی قضا، اور جتنی چھوٹی ہوئی نمازیں ہیں ان تمام کی بھی قضا ضروری ہے۔

ایک غلط فہمی کا اِزالہ:

بعض لوگ اپنی کاروباری ذہنیت عبادات میں بھی چلاتے ہیں کہ بھئی! مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے بقدر ملتا ہے، تو ہم قضائے عمری یا اس طرح کی فوت شدہ نماز کی قضا کے لیے ایک نماز اگر حرم میں پڑھ لیں گے تو ایک لاکھ نمازوں کا مسئلہ حل ہو جائے گا، یا رمضان میں ایک فرض کا ثواب ستّر کے برابر ملتا ہے، اس طرح کی واہیات باتیں کرتے ہیں۔ یہاں اس طرح کا حساب نہیں چلے گا، جو نماز فرض ہے اُسے ادا کرنا ہی پڑے گا۔

نماز کا کفارہ صرف نماز ہے:

چنانچہ اب احادیث مبارکہ کی روشنی میں ہم بات سمجھتے ہیں۔ مسلم شریف میں روایت

موجود ہے، راوی خادمِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: "مَنْ نَسِيَ صَلَاةً فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا، لَا كَفَّارَةَ لَهَا إِلَّا ذٰلِكَ."(۱)

اس روایت میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات ذکر فرمائی کہ جو شخص نماز بھول جائے، تو جب بھی اس کو یاد آئے اس نماز کو پڑھ لے۔ اور اس نماز کا پڑھنا ہی اس کا کفارہ ہے، اس کے علاوہ کوئی چیز اس کا کفارہ نہیں ہے۔

مسلم شریف کی اس روایت میں توبہ کا ذکر نہیں ہے کہ توبہ سے وہ نماز معاف ہو جائے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صاف فرمایا: "لَا كَفَّارَةَ لَهَا إِلَّا ذٰلِكَ" اس نماز کے علاوہ کوئی بھی چیز اس کا کفارہ بن ہی نہیں سکتی۔

اسی طرح دوسری روایت مسند احمد میں موجود ہے:

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا رَقَدَ أَحَدُكُمْ عَنِ الصَّلَاةِ، أَوْ غَفَلَ عَنْهَا، فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا، فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُولُ: "أَقِمْ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي."(۲)

روایت کا خلاصہ اور ترجمہ یہ ہے کہ جب تم میں سے کسی سے سونے کی وجہ سے یا غفلت کی وجہ سے نماز چھوٹ جائے تو جب یاد آئے تب اس کو پڑھ لے۔ اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس موقع پر استدلال میں آیت کریمہ: ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ﴾ (طٰهٰ:۱۴) تلاوت فرمائی۔

---

(۱) رواه مسلم / / باب قضاء الصلاة الفائتة واستحباب تعجيل قضائها / رقم الحديث :٦٨٤.

(۲) مسند أحمد / مسند أنس بن مالك / رقم الحديث : ۱۲۹۰۹.

تو ان احادیث مبارکہ سے یہ اصول اور یہ رول (Rule) اور قانون واضح ہوا کہ جب بھی کوئی انسان وقت پر نماز نہ پڑھ سکے تو ایک ہی آپشن (Option) ہے کہ وہ جب بھی یاد آئے فوراً قضا کر لے۔ پہلی بات تو یہی ضروری ہے کہ وقت کی رعایت کے ساتھ مؤمن بندہ وقت پر نماز پڑھ لے، یہی ایمان والے کی اصل شان ہے، لیکن کسی عذر کی وجہ سے اگر وقت پر نہ پڑھ سکے، مثلاً سو گیا، آنکھ نہیں کھل پائی، یا کسی وجہ سے دھیان نہیں رہا، سفر کی مشغولی یا کوئی اور پرابلم (Problem) کی وجہ سے وقت پر نماز نہیں پڑھ سکا تو جب بھی تنبہ ہو، جب بھی بیدار ہو جائے، جب بھی اس کو وقت مل جائے، دھیان آجائے تو فوراً اس نماز کی قضا کر لے۔

ان مذکورہ احادیث سے یہ بات صاف طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ قضا نمازیں خواہ وہ پانچ ہوں، پچاس ہوں یا پچاس ہزار ہوں، بہرحال ان کی قضا بندے کے ذمے لازم ہے۔

قضائے عمری کا ثبوت:

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ قضائے عمری کوئی چیز نہیں، اور وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر قضائے عمری کوئی چیز ہے تو تم دلیل بتاؤ! یہاں پر چوں کہ بہت زیادہ دلائل نہیں پیش کیے جا سکتے، اس لیے اصول کے طور پر دلیل ان لوگوں سے مانگی جائے گی جو یہ کہتے ہیں کہ قضائے عمری کوئی چیز نہیں، آپ دلیل پیش کریں! قضائے عمری کا ثبوت ہے اس پر ہمیں دلیل پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے، یہ تو اصل ہے، اس اصل پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔

قضا کا ثبوت ہم نے روایت کی روشنی میں پیش کیا کہ جو بندہ بھول جائے، یا سو جائے، یا غفلت سے نماز چھوٹ جائے تو اس کی قضا کرنی ہے۔ "أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ" میں یہ بات شامل ہے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی حدیث پاک میں اس اصول کے بتاتے وقت کوئی فیگر

(Figure) اور عدد نہیں بتایا کہ اتنی نمازیں چھوٹ گئی ہوں تو قضا کرنی ہے، اس سے زیادہ چھوٹ جائیں تو قضا نہیں کرنی ہے، توبہ سے کام چل جائے گا، ایک حدیث پاک بھی اس طرح کی ثابت نہیں جس میں فیگر (Figure) عدد بتایا گیا ہو کہ اتنی نمازیں چھوٹ جائیں تو قضا کرنی ہے اور اُس سے کم ہوں تو توبہ کافی ہے۔

پہلی دلیل: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غزوۂ خندق کے موقع پر کچھ نمازیں قضا ہو گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان نمازوں کو قضا فرمایا۔

سن پانچ ہجری میں غزوۂ خندق کے موقع پر تمام کفار نے اتفاق کر کے پندرہ ہزار کے لشکر کے ساتھ مدینہ منورہ پر حملہ کیا، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تقریباً تین ہزار (۳۰۰۰) تھے، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے مشورے پر مدینہ کے گرد خندق کھودی گئی، سخت سردی میں اٹھائیس (۲۸) دِنوں تک جنگ جاری رہی، اسی میں خندق کھودنے کے دوران ایک دِن کی چند نمازیں یا نمازِ عصر قضا ہو گئی، تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار کے حق میں بددعا فرمائی:

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ: "حَبَسُوْنَا عَنِ صَلاَةِ الوُسْطٰى، حَتّٰى غَابَتِ الشَّمْسُ، مَلأَ اللّٰهُ بُيُوْتَهُمْ وَقُبُوْرَهُمْ نَارًا."(۱)

''کفار نے ہمیں صلاۃِ وُسطیٰ یعنی نمازِ عصر سے روکا، اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے۔''

غور کیجیے! غزوۂ اُحد میں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ذاتی تکلیف پہنچی، آپ کے دندان مبارک شہید ہو گئے تب آپ نے بددعا نہیں فرمائی، لیکن نماز قضا ہو گئی تو بددعا فرمائی۔

---

(۱) رواه البخاري / كتاب التفسير / باب حافظوا على الصلوات / رقم الحديث : ٤٥٣٣.

اسی طرح غزوۂ خیبر سے واپسی کے موقع پر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر غنودگی طاری ہونے لگی، تو رات کے اخیری حصے میں آرام کے لیے ایک جگہ اُترے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیدار رہنے کا حکم فرمایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سو گئے، کچھ دیر کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی بھی آنکھ لگ گئی، حتیٰ کہ سب کی نمازِ فجر قضا ہوگئی۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: "أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ قَفَلَ مِنْ غَزْوَةِ خَيْبَرَ سَارَ لَيْلَهُ، حَتّٰى إِذَا أَدْرَكَهُ الْكَرَى عَرَّسَ، وَقَالَ لِبِلَالٍ: اكْلَأْ لَنَا اللَّيْلَ، فَصَلّٰى بِلَالٌ مَا قُدِّرَ لَهُ، وَنَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهُ، فَلَمَّا تَقَارَبَ الْفَجْرُ اسْتَنَدَ بِلَالٌ إِلٰى رَاحِلَتِهِ مُوَاجِهَ الْفَجْرِ، فَغَلَبَتْ بِلَالًا عَيْنَاهُ وَهُوَ مُسْتَنِدٌ إِلٰى رَاحِلَتِهِ، فَلَمْ يَسْتَيْقِظْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا بِلَالٌ وَلَا أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِهِ، حَتّٰى ضَرَبَتْهُمُ الشَّمْسُ، فَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَّلَهُمْ اسْتِيقَاظًا، فَفَزِعَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: "أَيْ بِلَالُ!" فَقَالَ بِلَالٌ: "أَخَذَ بِنَفْسِي الَّذِي أَخَذَ، بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللَّهِ بِنَفْسِكَ! قَالَ: "اقْتَادُوا" فَاقْتَادُوا رَوَاحِلَهُمْ شَيْئًا، ثُمَّ تَوَضَّأَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَمَرَ بِلَالًا، فَأَقَامَ الصَّلَاةَ، فَصَلّٰى بِهِمُ الصُّبْحَ، فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ، قَالَ: مَنْ نَسِيَ الصَّلَاةَ فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا، فَإِنَّ اللّٰهَ قَالَ: ﴿أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِى﴾.(۱)

اس روایت میں صراحت کے ساتھ نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول وعمل دونوں ذکر کیے

---

(۱) رواه مسلم / كتاب المساجد / باب قضاء الصلاة الفائتة / رقم الحديث : ٦٨٠.

گئے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عملاً فجر کی نماز کی قضا بھی فرمائی اور نماز کے بعد یہ بھی فرمایا کہ جو شخص نماز کے وقت میں نماز پڑھنا بھول جائے تو جب یاد آجائے اُس وقت پڑھ لے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر بطورِ استدلال یہ آیت کریمہ پڑھی: ﴿أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾.

اس روایت میں کہیں بھی قضا نماز کے لیے عدد کی تعیین نہیں ہے، لہٰذا یہ حکم اپنے اطلاق پر رہے گا کہ جتنی نمازیں چھوٹ جائیں سب کی قضا واجب ہوگی۔

دوسری دلیل: اسی طرح روزے کی مثال سے ہم بات سمجھتے ہیں، قرآن مجید میں روزے کا مسئلہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا:

﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ﴾(البقرة:١٨٤)

''پس اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں (کے روزوں) سے گنتی پوری کر لے۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے روزوں کی قضا کا حکم فرمایا ہے کہ تم میں سے جو بندہ بیمار ہو یا مسافر ہو، پھر سفر ایسا ہو جس میں مشقت بھی ہو، تو یہ دو قسم کے لوگ دوسرے دِنوں میں ان چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا کر لیں۔

یہاں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹے ہوئے روزوں کی تعداد بیان نہیں کی گئی کہ دو روزے یا تین یا ان سے زائد، لہٰذا حکم عام رہے گا کہ ایک دو روزے چھوٹ گئے ہوں تب بھی قضا لازم ہے، اور اگر ایک یا زائد رمضان کے پورے مہینوں کے روزے چھوٹ گئے ہوں تب بھی قضا لازم ہوگی۔ بالکل اسی طرح نماز کی قضا بھی لازم ہے، خواہ ایک دو نمازیں چھوٹی ہوں یا اُن سے زیادہ، یہاں تعداد کی کوئی قید نہیں ہے۔ لہٰذا اگر کسی کی پوری عمر کی فرض نمازیں چھوٹ گئی ہوں تو اس بندے پر بھی قضا لازم ہے۔ اور اس قضا کے لزوم و

وجوب پر پوری اُمت کا اتفاق ہے۔

قضائے عمری کے منکرین پر ردّ:

اسی کے ساتھ ساتھ اگلی بات یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تو بڑی عجیب وغریب بات ہوگی کہ اگر کم نمازیں ہوں تو کہتے ہیں کہ قضا کرنی پڑیں گی اور اگر زیادہ نمازیں ہوں تو ان کی قضا ضروری نہیں، اللہ تعالیٰ نے معاف کردیا۔ بھائی! اللہ تعالیٰ نے معاف کردیا، اس کی کیا دلیل ہے؟ کہاں سے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے معاف کردیا؟ یاد رکھنا چاہیے کہ نماز کا ثبوت قطعی دلیل سے ہے، یہ قطعیّ الثبوت ہے، لہٰذا اس کی معافی کے لیے بھی مضبوط اور تگڑی دلیل چاہیے، چہ جائے کہ یہاں کوئی کمزور دلیل بھی نہیں ہے۔ لہٰذا جتنی بھی نمازیں چھوٹیں گی ان کی قضا ضروری ہے۔ اور یہی بات زکوٰۃ میں بھی ہے، یہی بات حج میں بھی ہے، اور یہی بات روزے میں بھی ہے۔ فرائض لازم ہیں، زندگی میں ان کو ادا کرنا پڑے گا۔ اگر چند سالوں کی زکوٰۃ ادا نہیں کی ہے تو جب بھی ادا کرنے کی توفیق ملے تو پچھلے تمام سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنی ہے اور یاد رکھنا چاہیے کہ فرائض بغیر ادا کے معاف نہیں ہوتے، ادائیگی بہرحال ضروری ہے۔

اسی وجہ سے بہت سے اعمال کی فضیلت میں ہم نے یہ بات سنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن اعمال کی وجہ سے گناہوں کو معاف فرمادیتے ہیں، لیکن کسی عمل کی فضیلت میں آج تک یہ نہیں سنا کہ اُس عمل کے کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ فرائض بھی معاف فرمادیتے ہیں۔

بہت سے لوگوں کو یہاں یہ بھی شبہ ہوتا ہے کہ اگر کسی بندے کو پچاس سال کی عمر کے بعد جذبہ پیدا ہوا کہ میں نے بہت سی نمازیں چھوڑ دی ہیں، اب یہ شخص پچاس سال کی چھوٹی ہوئی نمازیں کیسے قضا کرے گا؟ یہ تو بہت مشکل ہے۔

تو میرے بھائیو! جب بندہ پختہ عزم کرلے تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ راہ ہموار فرما

دیتے ہیں، توفیق خداوندی اُس بندے کے لیے معاون بن جاتی ہے، اور جو عمل اس کو مشکل معلوم ہو رہا تھا وہ اس کے لیے ایک دَم آسان ہو جاتا ہے۔ بندے کے ذمے عمل کے لیے سعی و کوشش لازم ہے، اِتمام اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوگا، پھر اگر پچاس سال کی چھوٹی ہوئی نمازیں قضا کرنا شروع کر دے اور مکمل کرنے سے پہلے اگر اُس بندے کی موت بھی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ سے اُمید بھی کی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے معاف فرما دیں گے، اس لیے کہ بندے نے اپنی جانب سے مقدور بھر کوشش تو کی تھی، لیکن اگر کوئی بندہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے اور یہ بہانہ بازی کرتا رہے کہ یہ تو بہت مشکل کام ہے، میں کیسے کروں؟ تو یہ کوتاہی قابل عفو نہیں ہے۔

بعض لوگ اپنے دِماغ سے عجیب وغریب اُلٹا فلسفہ پیش کرتے ہیں کہ جو نماز بھول جانے کی وجہ سے چھوٹ گئی ہو یا غفلت کی وجہ سے چھوٹ گئی ہو تو اس کی قضا واجب ہے، لیکن جان بوجھ کر چھوڑ دی تو قضا ضروری نہیں۔

خلاصہ:

بہرحال نماز کسی بھی حال میں معاف نہیں ہے۔ پانچ نمازیں اگر قضا ہوئیں تو بھی ان کی قضا واجب ہے، پچاس ہوں تب بھی، پانچ سو، پانچ ہزار تو بھی ان کی قضا بہرحال ضروری ہے۔

تفصیلی دلائل کی روشنی میں ہم نے آپ کے سامنے واضح کرنے کی کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح بات سمجھنے کی اور پختہ عزائم کے ساتھ میدانِ عمل میں آگے بڑھ کر صحیح طور پر شریعت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائیں، شریعت کے مسائل میں اپنے نفس کی خواہشات کو داخل کر کے عمل میں کمزور ہونے سے اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائیں اور شریعت وسنت کو سمجھنے کی

توفیق نصیب فرمائیں۔(آمین)

اب قضائے عمری نماز پڑھنے کا طریقہ، اس کی نیت، اس کی ترتیب اور اس کے متعلق کچھ بنیادی اور ضروری مسائل آپ کی خدمت میں پیش کیے جارہے ہیں۔

قضائے عمری کی مفصل ترتیب:

بہت سے لوگ کئی سال تک نماز نہیں پڑھ سکے ہیں، اب زندگی میں دین پر عمل کرنے جذبہ پیدا ہوا ہے، نماز کی اہمیت سمجھ میں آئی ہے؛ لہٰذا اب انھیں قضائے عمری پڑھنی ہے تو کس طرح پڑھیں گے؟ اس کی کیا ترتیب ہوگی؟

تو سب سے پہلے ٹھنڈے دل و دماغ سے انصاف کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جانتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو جواب دینے کا احساس دل میں بیدار کرتے ہوئے ہمیں اندازہ لگانا ہے کہ میری زندگی کی کتنی نمازیں باقی ہیں؟ کتنی نمازیں مجھ سے اب تک چھوٹی ہیں؟ اِس میں دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں، بعض لوگ تو وہ ہوتے ہیں کہ انھوں نے آج تک ایک بھی نماز نہیں پڑھی، اُن کی زندگی میں دین آیا ہے اللہ تعالیٰ کے راستے کی محنت کی برکت سے، اللہ والوں کی صحبت کی برکت سے، یا امام صاحب نے اور بستی کے عالم صاحب نے اُن پر محنت کی اور اللہ تعالیٰ نے انھیں دین و شریعت کے اتباع کی توفیق بخشی، کسی بھی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے نوازا، اب زندگی میں نماز اور دیگر شرعی احکام پر عمل کا احساس پیدا ہوا۔

اور دوسرے وہ لوگ ہیں کہ کبھی نماز پڑھ لی، کبھی نہیں پڑھی، یا جمعہ جمعہ پڑھ لی، یا ایک طبقہ وہ ہوتا ہے جو روزانہ فجر چھوڑ دیتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم دِن میں تین نمازیں پڑھتے ہیں، چار پڑھتے ہیں، فجر کبھی نہیں پڑھتے، حالانکہ فجر بھی فرض ہے، اس کا بھی وہی درجہ ہے۔ حاصل یہ کہ دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔

اب ہمیں اندازہ لگانے کی ضرورت ہے اور اچھا اندازہ لگائیں، کمی بیشی والا نہیں، تھوڑا زیادہ اندازہ لگانے کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر سوچیں کہ میں نے آج تک نماز نہیں پڑھی، اب عمر پچیس سال ہوگئی، تو سوچیں کہ میں کب بالغ ہوا؟ بالغ ہونے کے دِن سے آج تک کتنی نمازیں ہو رہی ہیں؟ اس کا حساب لگائیں۔ اور اگر اندازہ نہیں ہو پا رہا ہے کہ کب بالغ ہوا تھا؟ تو پندرہ سال سے اندازہ لگالیں۔

اور اگر عورت ہے تو اندازہ لگالے کہ مجھے پہلی مرتبہ حیض کب آیا تھا؟ وہ بالغ ہونے کی علامت ہے۔ تو اس وقت سے لے کر اب تک کتنی نمازیں ہوتی ہیں؟ اس کا اندازہ لگائیں، مثلاً کسی کی عمر پچیس سال ہے، اور وہ بالغ ہوا تھا پندرہ سال کی عمر میں، تو اب اس کے ذمے دس سال کی نمازیں قضا شمار ہوں گی۔

آسانی کے لیے اس میں ایک ہدایت یہ ہے کہ ایک ڈائری (Diary) بنا لی جائے، ایک ریمائنڈر (Reminder) کے طور پر اس کو لکھا جائے، اپنے دماغ پر اور اپنی یادداشت پر بھروسہ نہ کریں، لاکھوں روپیوں کا حساب ہو تو جس طرح ہم تاکیدی طور پر لکھنے کا اہتمام کرتے ہیں، اس سے زیادہ اس کا اہتمام کریں، کہ یہ ہماری آخرت سنوارنے کا مسئلہ ہے، اللہ کا حق ہے، تو اس کی بھی ہم ایک ڈائری بنالیں کہ اسلامی کیلنڈر کے اعتبار سے دس سال کا اندازہ لگائیں کہ دس سال کی نمازیں میرے ذمے میں باقی ہیں۔

اگر کسی عورت کو دس سال کی نمازیں قضا کرنی ہیں کہ وہ دس سال پہلے بالغ ہوئی، جب پہلی بار حیض آیا تھا، تو یہ یاد رکھے کہ دس سال میں ہر مہینے میں جتنے اس کے حیض کے دن ہیں اُن کو وہ لیس (Less) کردے گی، ان دِنوں کو وہ منہا کردے گی، ان دِنوں کی نمازوں کی اس کو قضا نہیں کرنی ہے۔

مثال کے طور پر ہر مہینے کے اگر سات دِن حیض کے ہیں، تو ہر مہینے کے اعتبار سے دس سال کے کتنے دن ہوتے ہیں؟ اس کا ٹوٹل (Total) لگا کر اس کو کم (Less) کر دیں، پھر ان دس سالوں میں اگر بچے کی ولادت ہوئی ہے تو نفاس کے جتنے دن ہیں اُن کو بھی کم (Less) کرنا ہے۔ اس طرح کل کتنی نمازیں قضا کرنی ہیں اس کا اندازہ ہوگا۔

قضائے عمری پڑھنے کی دو شکلیں:

اب اگلی بات سمجھتے ہیں کہ قضائے عمری ہمیں کب پڑھنی ہے؟ ایک آسان شکل اس کی یہ ہوسکتی ہے کہ ہر فرض نماز کے ساتھ ایک نماز قضائے عمری کی پڑھ لیں۔ قضائے عمری میں یہ بات یاد رکھنی ہے کہ سنت اور نفل کی قضا نہیں کرنی ہے، خواہ سنت مؤکدہ ہو یا غیر مؤکدہ، صرف فرائض نمازوں کی قضا کرنی ہے۔

ایک دن کی فرض نمازیں وتر کو ملا کر بیس رکعات ہوتی ہیں، سترہ رکعات فرض اور تین رکعات وتر۔ تو ایک دن کی، چوبیس گھنٹوں کی فرض نمازیں کل بیس رکعات ہیں، اب ایک شکل یہ ہے کہ ہر فرض نماز کے ساتھ ایک فرض نماز کی قضا کرلی جائے۔

دوسری شکل بمبئی کے حاجی شکیل صاحب دامت برکاتہم نے بتائی ہے، رمضان کے آخری دنوں کے وعظ میں اکثر وہ ایک بات یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ رمضان میں ہم تراویح پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ اور مسلسل ایک مہینے تک تراویح کی بیس رکعات ہماری زندگی کی روٹین (Routine) میں داخل ہوتی ہیں، تو رمضان کے بعد بھی بیس رکعات پڑھنے کا معمول جاری رکھیں، یہ بیس رکعات ان لوگوں کے لیے ہیں جن کے ذمے میں قضائے عمری ہے۔ دن بھر مختلف قسم کے کام رہتے ہیں اور ہر نماز کے ساتھ ایک نماز پڑھنے کا ٹائم نہیں ہے، تو یہ بھی شکل ہوسکتی ہے کہ عشا کے بعد بیس رکعات اس طرح قضا کرلی جائیں کہ دو فجر کی،

چار ظہر کی، چار عصر کی، تین مغرب کی، چار عشا کی اور تین وتر۔ اس طرح بیس رکعات عشا کے بعد پڑھ لی جائیں، یہ بھی ایک آسان شکل ہے۔

ہر فرض نماز کے ساتھ ایک فرض پڑھ لیں، یا عشا کے بعد پانچ نمازوں کی قضا ایک ساتھ کرلیں، دونوں طریقے آسان ہیں۔ اور اگر کسی کو زیادہ فکر ہے اور اللہ تعالیٰ نے وقت میں وسعت بھی دی ہے تو وہ زیادہ نمازیں بھی قضا کرسکتا ہے، یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ ایک دن میں ایک ہی دن کی قضائے عمری پڑھ سکتے ہیں، زیادہ پڑھنے کی بھی گنجائش ہے۔

قضائے عمری کی نیت:

اب یہ سمجھ لیں کہ جب ہم یہ نماز پڑھیں گے تو نیت کیا کریں؟ مثلاً کوئی فجر کی قضائے عمری پڑھ رہا ہے تو وہ نیت اس طرح کرے گا کہ ''میری زندگی میں اب تک جتنی فجر کی نمازیں چھوٹی ہیں ان میں جو سب سے پہلے فجر کی نماز چھوٹی ہے وہ فرض ادا کر رہا ہوں۔'' یہ ہوگئی اس کی نیت۔ پھر اس نے وہ دو رکعات ادا کرلیں۔ اب جب دوسری مرتبہ وہ فجر کی قضائے عمری پڑھے گا تو پھر وہ یہی نیت کرے گا کہ ''جتنی فجر کی نمازیں مجھ سے چھوٹی ہیں اُن میں سب سے پہلی نماز ادا کر رہا ہوں۔'' جب اس سے پہلے جو پڑھ چکا ہے وہ پہلی تھی، تو اب اس کے بعد والی پہلے نمبر پر آجائے گی، پھر یہ پڑھ لے گا تو اس کے بعد والی پہلے نمبر پر آجائے گی، تو جو بھی قضائے عمری پڑھنی ہے اس میں یہ نیت کرے کہ ''میری زندگی میں جتنی ظہر یا عصر یا مغرب یا عشا چھوٹی ہوئی ہیں اُن میں سب سے پہلی نماز پڑھ رہا ہوں۔'' اس طرح پہلی کے بجائے اگر آخری کی نیت کرے تب بھی درست ہے، مثلاً ''جتنی فجر کی نمازیں قضا ہوئی ہیں اُن میں سب سے آخری نماز ادا کر رہا ہوں۔'' اس طرح نماز پڑھتا جائے، قرض ادا ہوتا جائے گا، اور زندگی کا جو فرض ادا کرنا لازم ہے وہ ادا ہوتا جائے گا۔

اوقاتِ مکروہہ میں قضائے عمری نہ پڑھیں:

یہ یاد رہے کہ پورے دن میں تین اوقاتِ مکروہہ میں نماز پڑھنا ممنوع ہے، اس کے علاوہ پورے دن میں جب چاہیں نماز پڑھ سکتے ہیں، قضائے عمری کر سکتے ہیں۔ وہ تین وقت یہ ہیں: (۱) سورج کے طلوع کا وقت (۲) سورج کے زوال کا وقت (۳) سورج کے غروب کا وقت۔ ان تین اَوقات میں پندرہ بیس منٹ کے لیے نماز پڑھنا درست نہیں؛ لہٰذا ان تین اوقات میں قضائے عمری نہیں پڑھ سکتے، ان اَوقات کے سوا پورے دن میں جب چاہیں قضائے عمری پڑھی جاسکتی ہے۔

ایک اہم مسئلہ:

اسی طرح ایک اہم مسئلہ فقہا نے لکھا ہے، جس سے ہمیں ایک سبق بھی لینا ہے کہ عصر اور فجر کے بعد اگر قضائے عمری پڑھنی ہے تو جائز ہے، لیکن یہ نماز فجر اور عصر کے بعد سب کے سامنے مسجد میں یا ایسی جگہ جہاں عام لوگ دیکھتے ہوں نہ پڑھے؛ بلکہ تنہائی میں پڑھے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ سب کو معلوم ہے کہ فجر اور عصر کے بعد تو سنت یا نفل ہوتی نہیں، لہٰذا دیکھنے والا فوراً سمجھ لے گا کہ یہ جو نماز پڑھ رہا ہے وہ قضائے عمری پڑھ رہا ہے۔ اس صورت میں گویا اپنا عیب اوپن (Open) کیا جا رہا ہے۔ قربان جایئے شریعت پر! کہ اللہ تعالیٰ کتنے ستار ہیں! ہمارے عیب کی کتنی پردہ پوشی فرما رہے ہیں۔

اس سلسلے میں ایک اور مسئلہ بھی جان لیں کہ اگر کسی کے ذمے دس سال کی نمازیں قضا ہوں، اب وہ نمازیں جو کرنٹ (Current) یعنی اس کی آج کی جو نمازیں ہیں وہ فرض تو اس کو ادا کرنی ہی ہیں، اس کے ساتھ ساتھ اس وقت کی جو سنتِ مؤکَّدہ ہے وہ بھی اس کو

پڑھنی ہے، البتہ اس وقت کی جو سنتِ غیرِ مؤکَّدہ ہے اور جو نفل نمازیں ہیں مثلاً عصر سے پہلے کی چار رکعات غیر موکدہ ہیں تو اُن سنن غیر مؤکدہ کے بارے میں فقہا یہ مسئلہ ذکر فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ سنت غیر مؤکدہ اور نوافل پڑھنے کے بجائے اس وقت قضائے عمری پڑھ لے۔ تو وہ بندہ جسے پتہ ہے کہ میری زندگی کی بہت ساری فرض نمازیں باقی ہیں، مثلاً عصر ہی کی باقی ہیں تو وہ چار رکعات عصر کی سنت پڑھے اس سے بہتر اس کے لیے یہ ہے کہ چار رکعات اس کی زندگی کی عصر قضائے عمری کی نیت سے پڑھ لے، تاکہ اس کے ذمے کا قرض ادا ہوتا رہے۔ اگر وہ سنت پڑھے گا تو اس کا ثواب ضرور ملے گا، لیکن فرض جو اس کے ذمے میں باقی ہے وہ ادا نہیں ہوگا۔

ہاں! یہ مسئلہ بھی دھیان میں رکھنا چاہیے کہ اس چار رکعات میں دونوں نیتیں جمع نہیں ہوسکتیں کہ وہ چار رکعات سنن غیر مؤکدہ کی بھی نیت کرلے اور قضائے عمری کی بھی نیت کرلے، یہ دونوں نیتیں اس میں جمع نہیں کی جاسکتیں، ایک ہی نیت کرنی ہوگی۔

بہت سے ہمارے بھائی اس مسئلے سے ناواقف ہوتے ہیں، اس لیے وہ نیک جذبے کے ساتھ سنت غیر موکدہ اور نوافل تک کا بھی اہتمام کرلیتے ہیں، جو کہ ایک بہت اچھی بات ہے؛ لیکن ساتھ میں قضائے عمری پوری کرلیں یہ نہایت ضروری ہے، لہٰذا کوشش اس بات کی کی جائے کہ پہلی فرصت میں خود پر جو فرض نمازیں باقی ہیں ان کی ادائیگی کا اہتمام ہو۔

جواں ہو عزم تو تارے بھی ٹوٹ سکتے ہیں:

جب عزائم بلند ہوتے ہیں اور ارادے مضبوط ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ پچاس ساٹھ اور ستر سال کی نمازوں کی قضائے عمری بھی آسان فرما دیتے ہیں، لیکن اگر شارٹ کٹ (Short Cut) تلاش کرنے کا مزاج ہو، اعمال کی اہمّیت نہ ہو اور مسائل پر عمل کا جذبہ نہ

ہوتو ایسا شخص بہانے تلاش کرنے لگتا ہے کہ اِتنے سالوں کی قضا کیسے کر پائیں گے؟

اختتامیہ:

قضائے عمری کے بہت اہم اور ضروری اور بنیادی مسائل آپ کی خدمت میں پیش کیے گئے، پھر بھی اگر کسی کو کوئی مسئلہ، اس تعلق سے کوئی ڈاؤٹ (Doubt) ہے، شک شبہ رہ گیا ہے یا اس کے ٹچ (Touch) سے کوئی اور مسئلہ معلوم کرنا ہے تو وہ معلوم کر سکتے ہیں۔ بہت سارے ساتھیوں کی طرف سے قضائے عمری کے الگ الگ مسائل معلوم کیے جاتے تھے، لہٰذا اس مجلس میں ہم نے کوشش کی کہ جو ضروری اور بنیادی مسائل قضائے عمری سے متعلق ہو سکتے تھے وہ سب جمع کر کے آپ کی خدمت میں پیش کیے جائیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو نماز کا اہتمام نصیب فرمائیں، نماز کی حلاوت اور سجدے کا سرور ہمیں نصیب فرمائیں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کو جو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیا ہے، ہمیں بھی نماز سے اللہ تعالیٰ آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب فرمائیں، دلوں کا سرور، چین اور اطمینان نصیب فرمائیں، نماز کی حلاوت و چاشنی نصیب فرمائیں، ہمیں اور ہماری آنے والی نسلوں کو اللہ تعالیٰ نمازی بنائیں۔ آمین یارب العالمین

وَأٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

حقیقی آزادی

اور

جنگِ آزادی میں مسلمانوں کے کردار کے دلائل

بمقام: دارالعلوم رامپورہ، سورت

بموقع: ۱۵/اگست/۲۰۲۱ء

01 BAYAN QR CODE

02 BAYAN QR CODE

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى، وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصطَفٰى. أمَّا بَعْدُ.

فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فِيْ الْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ، أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾ (البقرة : ٢٥٦)

وَقَالَ تَعَالٰى :

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ﴾ (الرعد : ١١)

وَقَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى :

﴿وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ﴾ (القصص : ٥)

وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " يَا مُعَاذُ ! مَا خَلَقَ اللّٰهُ شَيْئًا عَلٰى وَجْهِ الأَرْضِ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنَ العِتَاقِ، وَلَا خَلَقَ اللّٰهُ شَيْئًا عَلٰى وَجْهِ الأَرْضِ أَبْغَضَ إِلَيْهِ مِنَ الطَّلَاقِ."(١)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ، وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ والشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

تمہید:

محترم برادرانِ اسلام،عزیزو، بزرگو، دوستو اور دار العلوم سورت کے عزیز طلبہ!

(١) رواه الدارقطني / كتاب الطلاق والخلع والإيلاء / رقم الحديث : ٤٠٣٠.

سب سے پہلے یہ عاجز ہمارے میز بانِ مکرم مفتی یوسف صاحب (امام چناروا ڈ مسجد، راندیر) حضرت ناظم (مفتی اسعد) صاحب اور دیگر جمیع ذمے داران کا شکر گزار اور ممنون ہے کہ اس عاجز اور ناکارہ کو اپنا کچھ سبق سنانے کے لیے آپ کے درمیان حاضری کے شرف سے مشرف فرمایا۔ ربِ کریم سے دُعا فرما دیجیے کہ وہ اس عاجز کو حق بات حق سمجھ کر کہنے کی توفیق نصیب فرمائیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ آج کے اس عظیم موقع پر ہم سب کو صحیح معنیٰ میں آزادی اور آزادی کے مفہوم کو سمجھنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ (آمین یارب العالمین)۔

خلاصۂ مضمون:

آزادی کے تعلق سے ہم یہ بات جانتے ہیں کہ آج ہمارے بھارت دیش میں پچھتر واں جشن یومِ آزادی (75th Independence Day) ہے، تو سب سے پہلے میں اپنی جانب سے نیز مدرسے کے تمام ذمے داران واَساتذۂ کرام کی جانب سے تمام سامعین کرام کو جشن آزادی کی مبارک بادیاں پیش کرتا ہوں۔

آج کا اس عاجز کا مضمون آزادی کے تعلق سے ہے، جیسا کہ یہ دِن ہی خود عنوان کو طے کر دیتا ہے، لیکن اس ضمن میں ایک دو باتیں یہ بھی عرض کرنی ہیں کہ دین اسلام میں حقیقی معنیٰ میں آزادی کا تصوّر کیا ہے؟ دوسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ جشن آزادی کے اِجلاس کے مواقع میں اکثر و بیشتر ہم نے خطابات میں یہی عنوان سنا ہے کہ جنگ آزادی میں مسلمانوں کا اور علمائے کرام کا رول اور کردار کیا رہا ہے؟

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آزادی کے پچھتر سال گزر جانے کے بعد، اِتنی جاں فشانی اور عظیم الشان قربانیاں دینے کے بعد بھی پچھلے تیس چالیس سال سے بہت شدّ ومد کے ساتھ زور وشور سے کیوں اس بات کی ضرورت پیش آتی ہے کہ ہم اپنی قربانیوں، ہمارے اَسلاف

کی شہادتوں اور اُن کی جاں فشانیوں کو اس قدر بیان کرتے ہیں؟ اس کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟ اور کب تک ہم ایک ملزم کی طرح کٹھرے میں کھڑے اپنی قربانیوں کو اپنی حب الوطنی کے ثبوت کے طور پر پیش کرتے رہیں گے؟ اور وہ وقت کب آئے گا کہ اصل مجرم کو کٹھرے میں کھڑا کر کے اُس سے حساب لیا جائے؟

دوسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ اکثر علمائے کرام اور مسلمانوں کے کردار جنگ آزادی میں کیا تھے، اس تعلق سے فیگر (Numbers) عدد کے ساتھ نام گنوائے جاتے ہیں کہ ٹیپو سلطان شہید رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کیا، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کیا وغیرہ۔ لیکن عاجز کی کوشش یہ رہے گی کہ دلائل کی روشنی میں اس بات کو ثابت کیا جائے جس سے ایک عام فہم، سلیم الفطرت اور اِنصاف پسند مزاج رکھنے والا شخص خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے کہ جنگ آزادی میں جو قربانیاں مسلمانوں نے اور خصوصاً علمائے کرام نے دی ہیں اُن کی مثال ملک بھر میں ملنا مشکل ہے۔

آج کے نوجوانوں کی آزادی کیا ہے؟

ہم اپنی بات ''اسلام میں آزادی کے تصوّر'' سے شروع کرتے ہیں، دین اسلام کے بارے میں ہمیں اس بات کا پختہ یقین ہے کہ اسلام ہمہ گیر اور عالم گیر مذہب ہے، جس نے آزادی کا ایک مکمل پروگرام پیش کیا ہے، اسلام آزادی کا صرف قائل ہی نہیں؛ بلکہ حقیقی معنیٰ میں آزادی کا علم بردار بھی ہے۔

چنانچہ اگر آج کی دنیا میں آج کے نوجوانوں کے اعتبار سے سوچا جائے، اُن کے ذہن و دماغ کو پڑھ کر پوچھا جائے کہ فریڈم (Freedum) کیا ہے؟ آزادی کیا ہے؟ تو اُن کی آزادی کا مفہوم الگ ہوگا، اور آج ہم جس آزادی کا جشن منانے جا رہے ہیں اس کا

مفہوم الگ ہے، اور اسلام نے آزادی کا جو تصوّر پیش کیا ہے وہ ایک تیسری ہی چیز ہے۔

آج کے ہمارے نوجوان کو پوچھا جائے کہ آزادی، فریڈم (Freedum) کیا چیز ہے؟ تو وہ کہے گا کہ ہماری لائف (Life) میں کوئی اِنٹرفیر (Interfere) اور مداخلت نہ کرے، ہمیں ہر طرح کی عیاشی، فحاشی اور آوارگی کے ساتھ جینے دیا جائے، نظریں چار کرنے، نظر لڑانے، موبائل کے غلط استعمال غرض ہر طرح کی بے حیائی کی مکمل چھوٹ دی جائے، جس میں نہ تو ہمارے پیرنٹس (Parents) اور والدین مداخلت کریں، نہ ہی کوئی اور، یہ ہماری مکمل آزادی ہے، ہم اپنی زندگی کو اپنی چاہت کے مطابق اِنجوئی (Enjoy) کریں گے اور جیئیں گے، کوئی بھی بیچ میں نہ آئے۔ یہ آج کے نوجوان کی آزادی ہے۔ اور بھارت دیش کی آزادی کا کیا تصوّر اور کانسپٹ (Concept) ہے وہ بھی ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں۔

اسلام میں آزادی کا تصوّر:

اب یہ جانتے ہیں کہ اسلام میں آزادی کیا ہے؟ اسلام نے آزادی کا مکمل پروگرام پیش کیا ہے، اسلام نے صرف اَجسام واَجساد ہی کی آزادی نہیں دی ہے؛ بلکہ اسلام ضمیر، دل و دِماغ اور روح کی آزادی کا تصوّر بھی پیش کرتا ہے، کیا یہ آزادی نہیں ہے کہ "لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ" صحیح اور حق بات کو قبول کرنے کے لیے اسلام کو ایکسپیٹ (Accpet) اور قبول کرنے میں کوئی پابندی نہیں ہے، کوئی زبردستی نہیں ہے۔

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بہت بڑی جماعت جو اسلام سے پہلے بالکل ناخواندہ تھی، جو نہ علمِ دین سے واقف تھے نہ علمِ دُنیا سے، لیکن اللہ عزوجل نے اُن کے مقدر میں ہدایت لکھی تھی سو وہ مشرف باسلام ہوئے، اُن پر کوئی زور وزبردستی نہیں کی گئی۔

﴿وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝﴾ (البقرة : ۲۱۳)

''اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت فرما دیتا ہے۔''

﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝﴾ (القصص : ٥٦)

''حقیقت یہ ہے کہ جسے آپ (راہِ ہدایت پر لانا) چاہتے ہیں اُسے راہِ ہدایت پر آپ خود نہیں لاتے؛ بلکہ جسے اللہ چاہتا ہے (آپ کے ذریعے) راہِ ہدایت پر چلا دیتا ہے، اور وہ راہِ ہدایت پانے والوں سے خوب واقف ہے۔''

کیا واقعی ہم آزاد ہیں؟

آج پچھترویں یومِ آزادی کے موقع پر ہم یہ تو کہہ رہے ہیں کہ ہمارا ملک آزاد ہے، لیکن بہ حیثیت مسلمان یہ کہنا پڑے گا کہ انگریز اگرچہ ہمارے ملک سے جاچکا ہے، لیکن وہ ہمیں ذہنی طور پر غلام بنا کر گیا ہے، آج اُمت مسلمہ رَفتہ رَفتہ اس کی غلامی کی چنگل میں مزید پھنستی جارہی ہے۔

(ہمارے اناؤنسر صاحب نے عاجز کے لیے جو تعریف کے قلابے ملائے تھے اس میں ایک بات یہ ارشاد فرمائی کہ سیادت و قیادت کا طوق اس عاجز کے گلے میں ڈالا جارہا ہے، درخواست یہ ہے کہ آزادی کے موقع پر آزاد فرمادیں!)

تو بہر حال اسلام میں آزادی کے تصوّر کے تعلق سے بات چل رہی تھی کہ انگریز ہمارے ہاتھوں میں ذہنی غلامی تھما کر جاچکا ہے اور ہماری غلامی روز افزوں ہوتی جارہی ہے۔ آپ ایک بات اِنصاف کے ساتھ یہ بتا دیجیے کہ اسلام سے دور کسی انگریز کو آج تک ہم نے ایسا دیکھا کہ اُس نے ہماری ٹوپی، کرتہ اور پائجامہ زیب تن کیا ہو؟ ایسا کوئی ایک بھی انگریز

آپ کونظر آیا؟ ہم نے توکبھی ایسا انگریز نہیں دیکھا، حق ہمارے پاس ہے، کتاب وسنت کی تعلیم ہمارے پاس ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوہ ہمارے پاس ہے، غرض ہم ہر طرح سے اسلامی تہذیب وتمدن کی دولت سے مالامال ہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ اُمت مسلمہ کا نوجوان انگریز کو اپنا آیڈیل (Ideal) بنا رہا ہے؟ ہمارے نوجوانوں کا لباس دیکھ لیجیے، چہرہ دیکھ لیجیے، زندگی گزارنے کے طور وطریق دیکھ لیجیے، سب سے یہ بات عیاں ہوجائے گی کہ اُن کا ذہن آج بھی غیر شعوری طور پر انگریزوں کا غلام بنا ہوا ہے۔

یہ برتھ ڈے (Birth Day) کیا ہے؟ یہ یومِ محبت (Valentine Day) ویلینٹائن ڈے کیا ہے؟ یہ اینیورسری ڈے (Anniversary Day) یومِ عقد کیا ہے؟ مدھر ڈے (Mother Day) اور فادھر ڈے (Father Day) وغیرہ کیا ہیں؟ کیا اسلام میں اُس کا کوئی کانسیپٹ (Concept) تصوّر ہے؟ اگر نہیں تو اُمت مسلمہ کی ایک بہت بڑی تعداد آج کیوں یہ سب منارہی ہے؟ ان سب کا منانا اور ان کے پیچھے بھاگنا یہ دلیل ہے اس بات کی کہ بظاہر اگرچہ ہم جشن آزادی منارہے ہیں، لیکن ذہن ودِماغ تو آج بھی انگریز کے غلام ہی ہیں۔ اس غلامی سے ہمیں آزاد ہونے کی شدید ضرورت ہے۔

اسلام کے تصوّرِ آزادی پر دلائل:

اسلام نے آزادی کا جو تصوّر پیش کیا ہے اس تعلق سے تین دلیلیں پیش خدمت ہیں:

(۱) سب سے پہلی دلیل یہ ہے کہ ہمیں اسلام نے ہر طرح کی آزادی دی ہے، بخاری شریف میں روایت ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے قرض لیا تھا، مقررہ وقت ختم ہونے سے پہلے ہی وہ شخص قرض کی وصول یابی کے لیے آگیا اور ضرورت سے زیادہ بکواس کر کے بدتمیزی کرنے لگا، حالانکہ ابھی قرض کی ادائیگی کا وقت ہوا

نہیں تھا، عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم محسوس کر رہے تھے کہ یہ شخص حد تجاوزی کر رہا ہے، گستاخی کی حدود پار کر رہا ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جن میں بطورِ خاص اس میدان کے سرخیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اشارے سے دریافت کیا کہ حضور! اس کی اِصلاح کی جائے؟ اس موقع پر آزادی کا صحیح مفہوم بیان کرتے ہوئے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے یہ تاریخی کلمات نکلے جن کو دُنیا ہمیشہ یاد رکھے گی:

"إِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا."(۱)

''صاحبِ حق کو اپنے حق کے متعلق بولنے کا پورا اختیار ہے۔''

یہ ہے اسلام کی آزادی۔ اس واقعے میں عبرت ہے آج کی جاہلیت جدیدہ میں جینے والی دُنیا کے لیے، جس میں کسی دوکوڑی کے حاکم یا وزیر کے سامنے رِعایا میں سے کوئی مظلوم اپنے حق کا مطالبہ کردے تو اُس پر ظلم وزیادتی کے ایسے پہاڑ توڑے جاتے ہیں کہ اُس مظلوم کی زندگی دوبھر ہوجائے۔

(۲) دوسری دلیل: صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ رُستم کے دربار میں جب آپ سے پوچھا گیا کہ کس نے بھیجا ہے؟ کیوں آنا ہوا؟ حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے وہ تاریخ ساز جواب ارشاد فرمایا جس میں انسانوں کی صحیح معنیٰ میں آزادی کا تصوّر ملتا ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے، تاکہ ہم اللہ تعالیٰ کے بندوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر رب العالمین کی بندگی کی طرف لے آئیں۔

"اَللّٰهُ ابْتَعَثَنَا، لِنُخْرِجَ مَنْ شَاءَ مِنْ عِبَادَةِ الْعِبَادِ إِلٰى عِبَادَةِ اللهِ، وَمِنْ ضِيقِ الدُّنْيَا إِلٰى سَعَتِهَا، وَمِنْ جَوْرِ الْأَدْيَانِ إِلٰى عَدْلِ الْإِسْلَامِ."(۲)

(۱) رواه البخاري / كتاب الهبة وفضلها والتحريض عليها / رقم الحديث : ۲۶۰۹.

(۲) البداية والنهاية / فصل في غزوة القادسية / المجلد : ۷ / الصفحة : ۳۹.

یہاں اگر کسی کو یہ سوال ہو کہ رب العالمین کی غلامی کی کیا ضرورت ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ انسان میں فطری طور پر اللہ تعالیٰ کی عبدیت رکھی گئی ہے، جیسا کہ آیت کریمہ میں خود رب العالمین نے اس بات کو واضح فرمایا:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ (الذٰريٰت : ٥٦)

''اور میں نے جنّات اور انسانوں کو صرف اسی لیے پیدا کیا کہ وہ میری بندگی اختیار کریں۔''

حدیث پاک میں بھی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ، أَوْ يُمَجِّسَانِهِ، كَمَثَلِ الْبَهِيمَةِ تُنْتِجُ الْبَهِيمَةَ، هَلْ تَرَىٰ فِيهَا جَدْعَاءَ؟"(١)

حدیث پاک کا خلاصہ یہ ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہر بچہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق فطرتِ اسلام کے مطابق پیدا ہوتا ہے، پھر والدین یا قرب وجوار کے ماحول کی وجہ سے وہ شرکیہ اور کفریہ عقائد کا شکار ہو جاتا ہے۔

حاصل یہ کہ بندۂ مؤمن تو رب العالمین کا غلامِ بے دام ہے، اللہ تعالیٰ کی عبدیت انسانیت کا فطری تقاضا ہے، لہٰذا جو انسان اللہ تعالیٰ کی بندگی نہ کرتا ہو وہ فطرتِ سلیمہ سے ہٹا ہوا ہے، ورنہ مؤمن بندہ جو اللہ تعالیٰ کی عبدیت تسلیم کرتا ہو اُس کے لیے تو یہ عبدیت عظمت و رفعت شان کی بات ہے، اس کے لیے تو اللہ تعالیٰ کی غلامی باعث صد افتخار ہے۔ مؤمن بندہ اپنے رب کا وفادار اور تابع فرمان ہوتا ہے، رسول اللہ ﷺ کا شیدائی اور آپ کے

---

(١) رواه البخاري / كتاب الجنائز / باب ما قيل في أولاد المشركين / رقم الحديث : ١٣٨٥.

اُسوۂ حسنہ پر عمل کرنے والا ہوتا ہے۔

بہر حال اسلام نے آزادی کا یہ تصوّر دیا ہے کہ انسانوں کی غلامی سے نکل کر رب العالمین کی غلامی اختیار کر کے جمیع مخلوق سے بے نیاز اور آزاد ہو جاؤ، کلمۂ توحید "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" یہی پیغام دیتا ہے، کوئی معبود نہیں، کسی کی غلامی کی ضرورت نہیں، ہم جس رب العالمین کے غلامِ بے دام ہیں اُسی رب کی غلامی کی ضرورت ہے، اسی کو علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے یوں بیان فرمایا:

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

آج ہم در در کی غلامی کر رہے ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارا تعلق اللہ تعالیٰ سے اِتنا قوی اور سچا ہو کہ ہماری ایک آہِ سحر گاہی اللہ عزوجل کے دربار میں مقامِ استجابت کو پہنچ کر شرفِ قبولیت حاصل کر لے اور اللہ تعالیٰ ہمیں در در کی غلامی سے نجات دیں۔ تو بندوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر آزاد کرنا یہ بھی اسلام میں آزادی کا کانسپٹ (Concept) ہے، جس میں دین اسلام کو شانِ امتیازی حاصل ہے کہ یہ تصوّر جو عین فطرتِ انسانی کے مطابق ہے دین اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب میں نہیں۔

(۳) تیسری دلیل: آزادی کے تعلق سے تیسری اور آخری دلیل یہ سمجھیے کہ سورۂ قصص میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ ذکر فرمایا، جو آیت کریمہ خطبے میں تلاوت کی گئی اس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ۝۴﴾ (القصص: ٤)

''بیشک فرعون زمین میں سرکش و متکبّر (یعنی آمرِ مطلق) ہوگیا تھا اور اس نے اپنے (ملک کے) باشندوں کو (مختلف) فرقوں (اور گروہوں) میں بانٹ دیا تھا، اس نے ان میں سے ایک گروہ (یعنی بنی اسرائیل کے عوام) کو کمزور کر دیا تھا کہ ان کے لڑکوں کو (ان کے مستقبل کی طاقت کچلنے کے لیے) ذبح کر ڈالتا اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا (تاکہ مَردوں کے بغیر ان کی تعداد بڑھے اور ان میں اخلاقی بے راہ روی کا اضافہ ہو) بیشک وہ فساد انگیز لوگوں میں سے تھا۔''

قصۂ مختصر یہ ہے کہ فرعون نے بنی اسرائیل کو غلام بنایا، اُن پر طرح طرح کے ظلم ڈھائے، جب فرعون کا ظلم حد سے بڑھ گیا تو اللہ رب العالمین کی جانب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ آپ بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے کر ملک سے نکل جائیے! چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل کو رات کے وقت لے کر نکل پڑے، فرعون کو جب پتہ چلا تو اس نے اپنے لشکر کے ساتھ بنی اسرائیل کا پیچھا کیا، جو دراصل تکوینی طور پر من جانب اللہ اُس قوم کے لیے عذاب کا پیش خیمہ تھا، پھر بنی اسرائیل کو پکڑنے کے زعم میں فرعون اُن کا پیچھا کرتے ہوئے بحر احمر کے بیچ پہنچ گیا تو اُسے اپنے لشکر سمیت غرق کر دیا گیا، جب غرقاب ہونے کے قریب ہوا تو فرعون اخیری حربے کے طور پر توبہ کرنے لگا، جس کے جواب میں رب العالمین نے فرمایا:

﴿آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ۝٩١﴾ (یونس:۹۱)

''(جواب دیا گیا کہ) اب (ایمان لاتا ہے)؟ حالانکہ تو پہلے (مسلسل) نافرمانی کرتا رہا ہے اور تو فساد برپا کرنے والوں میں سے تھا۔''

اس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنی اسرائیل کو جو ساڑھے چھ لاکھ کے قریب تھے

ساڑھے بارہ لاکھ فرعونیوں سے آزادی دلائی۔

ہمارے لیے اس میں پیغام ہے کہ اگر ہم بھی اپنے رب کے نافرمان ہوں تو اُس دِن کے آنے سے پہلے سچی اور پکی توبہ کرلیں جس کے بعد بندے کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔

حاصل کلام یہ کہ مذکورہ تینوں دلیلیں اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ اسلام میں ہر طرح کی اُس آزادی کا پورا خیال رکھا گیا ہے جو انسانی فطرت کے تقاضوں اور اصول کے مطابق ہو، بولنے کی آزادی سے لے کر اپنے جائز حقوق کے مطالبے کی آزادی، سلامتی فکر کے ساتھ اپنے افکار و خیالات کو پیش کرنے کی آزادی، دِل و دِماغ اور روح کی آزادی تمام کا تصوّر مذہب اسلام میں موجود ہے، جو دنیا کے کسی بھی مذہب میں نہیں ہے۔

ملک کی آزادی موجودہ حالات کے تناظر میں:

آزادی صرف اسی کا نام نہیں ہے کہ ہم جلسہ کرلیں اور کچھ تقریریں کرلیں، جشن آزادی کے موقع پر اس عظیم ادارے کے پلیٹ فارم سے عاجز یہ عرض کرنا چاہے گا کہ ہمارے ملک کی آزادی میں جن جانبازوں نے اپنا خون بہایا ہے اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ اُن کی تصاویر اور فوٹوز (Photos) کو خراجِ عقیدت صرف اِتنا ملتا ہے کہ اُن کی تصویر پر دو چار مالائیں پہنا دی جاتی ہیں اور دو چار باتیں کہہ دی جاتی ہیں، کیا یہی اُن شہیدوں کا خراجِ عقیدت ہے؟

نہیں، ہرگز نہیں، اِتنا کافی نہیں ہے، ہم پیغام دینا چاہیں گے منسٹران اور حکمرانوں کے نام کہ ان شہدائے ملک کا اصل خراجِ عقیدت یہ ہے کہ ہمارے ان بہادروں اور جانبازوں نے جس آزادی کا خواب دیکھا تھا اُس کے مطابق ملک کی تعمیر ہو، ایسا ملک جو رِشوت، کرپشن (Corruption) سے پاک اور آزاد ہو، ایک ایسا ملک جو اَقلیتوں، مائینورٹیز

(Minorities) اور پچھڑے طبقات پر ظلم سے پاک اور آزاد ہو، ایک ایسا ملک جس کا معاشی نظام عدل وانصاف کی ایسی مضبوط بنیادوں پر قائم ہو کہ زمامِ اقتدار سنبھالنے والے لوگ چند سرمایہ داروں کی کٹھ پتلی بن کر اُن کے ہاتھوں ملک کی اَملاک اور پیداوار کے سودے نہ کرتے ہوں، جس کے نتیجے میں آج ملک کا غریب طبقہ مزید غربت میں دَھکیلا جارہا ہے اور چند سرمایہ دار اُن کا خون چوس کر اپنی اَملاک میں رات دِن اِضافہ کررہے ہیں، ہمارے اُن جاں باز شہیدوں نے کندھے سے کندھا ملاکر آپسی اُخوت ومحبت کو قائم رکھ کر جنگ آزادی میں اپنا خون اس لیے نہیں بہایا تھا کہ کچھ انتہا پسند، ظالم اور جرائم پیشہ تنظیمیں اپنے شر پسند اَفراد کو کسی بھی طرح اقتدار پر قابض کرنے میں کامیاب ہوجائیں، پھر وہ لوگ اپنی من چاہی پالیسیاں نافذ کرکے ملک کے قانون کے ساتھ کھلواڑ کریں اور ہر قانون کی زد میں اَقلیتوں کو پھسانے میں لگے رہیں۔

ایک چبھتا ہوا سوال اور اُس کا جواب:

اب ہم اپنی دوسری بات شروع کرنا چاہتے ہیں کہ پچھلے تیس چالیس سال سے ہر سال ۱۵/اگست یومِ آزادی اور ۲۶/جنوری یومِ جمہوریہ کے موقع پر بار بار اسی تقریر کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے کہ ہمارے اَکابر علمانے جنگ آزادی میں کیا کیا قربانیاں دیں، وجہ اُس کی یہ ہے کہ کچھ ماینورٹیز (Minorities) اور اَقلیتیں تو ایسی ہیں کہ جن کا جنگ آزادی میں کوئی رول ہی نہیں تھا، تو وہ مطالبہ کیسے کرسکتے ہیں؟ وہ کیسے اپنی قربانیوں کو بیان کرسکتے ہیں؟ دوسری طرف انگریز کے ٹکڑوں پر پلنے والے ملک کے کچھ غدار وہ بھی تھے جو خفیہ طور پر انگریز کے ساتھ اپنی وفاداری نبھاکر، اُن کی جانب سے جاسوسی کرکے اُن کے ساتھ اپنی نمک حلالی کا ثبوت دے رہے تھے، جن کے بارے میں خود اُن کی تاریخی کتابیں یہ

بات بتا رہی ہیں کہ اُن غداروں نے ایک بار نہیں؛ بلکہ بار بار انگریز سے معافی مانگی تھی، اُن ہی غداروں کی اَولاد آج اپنے آبا واَجداد کی نام نہاد قربانیوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کر رہی ہیں؛ بلکہ انھیں سچا دیش بھکت قرار دے کر انھیں ''ویر'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

دوسری طرف اُمت مسلمہ کا اَلمیہ یہ ہے کہ ہمارے نوجوانوں میں ذوقِ مطالعہ ہی ختم ہو گیا ہے، تاریخ اور ہسٹری (History) پڑھنے کا کوئی شوق وذوق ہی اُن میں ندارد ہے۔ حالانکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ تاریخ کی اپنی تاریخ (عادت) رہی ہے کہ جو قوم اپنی تاریخ کو فراموش کر دیتی ہے تو تاریخ بھی اُس کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیتی ہے۔

ہم نے اپنی تاریخ کو یکسر بھلا دیا ہے، ہم اپنے گریبان میں جھانک لیں کہ ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جنھوں نے جنگ آزادی کی مکمل تاریخ پڑھی ہو کہ انگریز ہمارے ملک میں کیسے آئے؟ کب آئے؟ کس غرض سے آئے؟ اُن کی ابتدا اور نشو ونما ملک میں کیسے ہوئی؟ جب ہم خود ہی اپنی تاریخ کو فراموش کر دیں گے تو دُنیا کو کیا ضرورت ہے کہ وہ ہماری فکر کرتی رہے؟ تاریخ خود ہی ہمیں بھلا دے گی، ہمیں اپنے اَسلاف واَکابر کی قربانیاں بیان کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آ رہی ہے کہ ہماری قربانیوں کو جان بوجھ کر ایک منظم سازش کے تحت چھپانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

جنگ آزادی میں مسلمانوں کی قربانیوں پر چھ دلائل:

اب یہ عاجز اپنی تیسری بات پر آ رہا ہے، چھ دلائل ہم نے جمع کیے ہیں جن سے یہ بات ثابت کرنی ہے کہ جنگ آزادی میں مسلمانوں کی اور خصوصاً علمائے کرام کی کیا قربانیاں رہی ہیں، ترتیب وار ان دلائل کو ذکر کیا جا رہا ہے۔

(۱) پہلی دلیل یہ ہے کہ ہمارے ملک میں انگریز ۱۶۰۱ء میں بغرضِ تجارت کلکتہ

آیا، اور ۱۸۵۷ء تک کے عرصے میں وہ کلکتہ سے دہلی تک پھر پورے ملک میں اپنی تمام تر عیاری اور مکاری کے ساتھ پھیل کر قابض ہوگیا، پورا ملک اب غلام بن گیا، اُن کی غلامی مسلمان اور غیر مسلم سبھی کو جھیلنی پڑی۔

اب ایک سوال کا جواب دیجیے کہ اگر کسی چور نے کسی کی کوئی چیز چرالی، اَب اس کے لیے ایف آئی آر (F.I.R.) درج کروانی ہے، رپورٹ (Report) لکھوانی ہے تو کیا چور خود ایف آئی آر (F.I.R.) درج کروائے گا کہ میں نے چوری کی ہے؟ ہر گز نہیں، بلکہ جس کی چوری ہوئی ہے وہ فریاد درج کروائے گا کہ میری فلاں چیز چوری ہوئی ہے، اسی طرح ملک جب غلامی کی زنجیروں میں قید ہوا تو غلام تو ہم بھی بنے اور وہ بھی بنے، لیکن ملک کے غلام بننے سے پہلے مسلمانوں نے ساڑھے نوسو سال تک اس ملک میں حکمرانی کی تھی، تو ملک تو ہمارے ہاتھ سے گیا، اقتدار تو ہمارا چھن گیا تھا، لہٰذا ظاہر بات ہے کہ ملک کی بازیابی کے لیے اب کوشش بھی مسلمان ہی کریں گے۔ ثابت ہوا کہ ظالم انگریز کے پنجے سے ملک کو آزاد کرانے کے لیے مسلمانوں نے ہی قربانیاں دی ہیں۔

(۲) دوسری دلیل یہ ہے کہ ہم غور کریں کہ انگریز نے اس ملک پر اپنا قبضہ کیوں جمایا تھا؟ اور جب ملک پر وہ قابض ہو گئے تو بعد میں قبضہ اُستوار رکھنے میں اُن کو سب سے زیادہ خطرہ کس سے ہوسکتا تھا؟ بہت دھیان سے اس پوائنٹ کو نوٹ کریں کہ سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے جو جنگ لڑی وہ ''صلیبی جنگ'' کروزیڈ وار (Crusade War) کے نام سے تاریخ میں مشہور ہوئی، جس جنگ میں صلیبیوں کی شکست (Defeat) فاش ہوئی تھی، اس شکست کو انگریز نصاریٰ کبھی نہیں بھولیں گے، ان انگریزوں کو سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ سے ہاری ہوئی اس جنگ کا انتقام لینا تھا، جس کے لیے انھوں نے ۱۶۰۱ء

میں اس ملک میں قدم رکھا، جب یہ ملک غیر منقسم تھا، رقبہ اور آبادی دونوں اعتبار سے بہت بڑا تھا، اس وقت پوری دنیا میں مسلمانوں کی سب سے بڑی اَکثریت اسی ملک میں آباد تھی، اسی لیے انگریز نے اس ملک کا انتخاب کیا تاکہ مسلمانوں کو اپنے مظالم کا نشانہ بناسکیں، حاصل یہ کہ انگریز کے ساتھ مقابلہ مسلمانوں کا تھا، اس لیے کہ یہ جنگ مسلمان بہ مقابلہ کرسچن (عیسائی) تھی، مسلمانوں کے علاوہ کوئی اور قوم انگریز کا اصل ہدف تھی ہی نہیں، یہی وجہ ہے کہ جنگ آزادی میں سب سے زیادہ خون مسلمانوں کا بہا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس قدر عظیم الشان قربانیاں اس ملک کو آزاد کرانے میں مسلمانوں کی رہی ہیں کوئی اور قوم اس کا نصف بھی نہیں پیش کرسکتی۔

(۳) تیسری دلیل: جنگ آزادی میں تاریخی تحقیق کے مطابق ۱۸۵۷ء کی جنگ میں دو لاکھ مسلمان شہید ہوئے اور اِکاون ہزار پانچ سو علمائے کرام شہید ہوئے، ۱۸۵۷ء کے بعد تین سال کے عرصے میں بائیس ہزار پانچ سو علمائے کرام کو پھانسی دے دی گئی۔

ہم نے زمانۂ طالب علمی میں ''انقلاب آفریں تقریریں'' نامی کتاب سے ایک تقریر یاد کی تھی، جس میں ٹھامسن نامی ایک انگریز کی یہ بات نقل کی گئی ہے کہ دلّی کے چاندنی چوک سے لے کر خیبر تک کوئی درخت ایسا نہیں تھا جس پر علمائے کرام کی گردنیں نہ لٹکتی ہوں، اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ مسلمانوں کو زندہ ہونے کی حالت میں خنزیر کی کھال میں ڈال کر تنور میں نذرِ آتش کردیا گیا، ایک ایک دِن میں اَسّی سے زائد علمائے کرام کو پھانسی دے دی جاتی۔

ٹیپو سلطان شہید رحمۃ اللہ علیہ کی قربانیوں کے متعلق ہم تفصیل سے بارہا سنتے رہتے ہیں، اُن کی عظیم الشان بہادری اور شوقِ شہادت کی تو خود غیر متعصب برادرانِ وطن بھی گواہی دیتے ہیں، یہاں اُسے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی قربانیوں سے کون

ناواقف ہے؟ افسوس صرف اسی بات کا ہے کہ ہمیں اپنی تاریخ ہی کا کچھ پتہ نہیں۔

اس عاجز کا اورنگ آباد کا سفر ہوا تھا، حضرت اورنگ زیب عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری ہوئی، وہاں تعارف میں ہمیں چند باتیں بتائی گئیں، وہاں کے رہبر نے بتایا کہ حضرت عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس وقت کے غیر منقسم ملک میں ۵۹ سالوں تک حکمرانی فرمائی، آپ ہی کے دورِ حکومت میں آپ کی سرپرستی میں فقہ حنفی کی شہرۂ آفاق کتاب ''فتاویٰ عالم گیری'' تیار کی گئی، جس کے لیے آپ کی ماتحتی میں علما وفقہا کی ایک جماعت تشکیل دی گئی تھی جنھوں نے اس عظیم الشان کارنامے کو انجام دیا، یہ کارنامہ صرف اسی ملک یا برصغیر تک ہی محدود نہیں رہا؛ بلکہ اس نے ممالک عربیہ سے بھی خراجِ تحسین حاصل کیا، آج بھی عرب ممالک میں اس کتاب کو"اَلْفَتَاوَىٰ الهندِيَّة" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

حضرت عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دورِ حکومت میں اس ملک میں عدل و اِنصاف کی وہ مستحکم بنیاد قائم کی تھی جو کسی حکمران کے لیے آسان نہیں، عدل و انصاف کے اُصولوں کے آپ رحمۃ اللہ علیہ ایسے پابند تھے کہ خود اپنی ذات کو بھی اس سے مستثنیٰ نہیں رکھتے تھے، آپ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق متعدد تاریخی کتابوں میں یہ بات ملتی ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا گزر بسر آپ کی خود کی محنت سے ہوتا تھا، آپ قرآنِ پاک اپنے ہاتھوں سے تحریر فرماتے تھے، خود ٹوپی بنتے تھے، اس طرح آپ اپنے کسب سے اپنا گزر بسر کرتے تھے، کبھی آپ رحمۃ اللہ علیہ نے حکومت کے خزانے سے کوئی وظیفہ نہیں لیا، جب آپ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی تو آپ کی کل میراث ۱۴ روپے ۷۵ پیسے (بارہ آنے) تھی۔

حضرت عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ دُنیا بھر کے حکمرانوں، منسٹروں اور لیڈروں کے لیے ایک بہترین رول ماڈل ہیں، اگر ہم واقعی ہمارے ملک سے رِشوت، کرپشن (Corruption)

کو ختم کرنا چاہتے ہیں، مالی غبن، گھوٹالے (Scams) اور ظلم و بربریت کو دور کرنا چاہتے ہیں تو پڑھیے حضرت عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح کو اور اُس کے مطابق عمل کیجیے، اُن کے اَحوالِ زندگی کا مطالعہ کیجیے کہ اِتنی بڑی سلطنت کے بادشاہ ہونے کے باوجود آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کیسی قابل تقلید زندگی گزاری۔

بہر حال بات یہ ہو رہی تھی کہ ملک کے باشندہ ہونے کے ناتے جذبۂ آزادی تو ملک کے تمام لوگوں میں تھا، لیکن ہم مسلمانوں کے لیے آزادی حاصل کرنا صرف ہمارا ملکی فریضہ نہیں تھا؛ بلکہ ہم مسلمانوں نے جنگ آزادی کو ملکی وملیّ دونوں فریضے کی حیثیت سے دیکھا، اس لیے کہ انگریز کے اصل ہدف مسلمان اور دین اسلام تھے، لہٰذا مسلمانوں کی اُن سے جنگ یہ ایک جہاد فی سبیل اللہ تھا، جس کا دین اسلام میں بہت بلند مقام ہے، اور مسلمانوں نے جہاد ہی کی حیثیت سے یہ جنگ لڑی۔

یہی وجہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مستقل اس جہاد کے لیے تاریخی فتویٰ صادر فرمایا کہ ''مسلمانوں کا انگریز فوج میں شامل ہونا حرام ہے، اُن کی مقابلہ آرائی ضروری ہے۔'' آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس فتوے کے ذریعے انگریزوں کے خلاف بڑا محاذ کھڑا کر دیا اور اس فتوے کے ذریعے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جنگ آزادی کو مسلمانوں کا اسلامی نقطۂ نظر قرار دیا، جس کے بعد جنگ آزادی میں تمام مسلمانوں کی اجتماعی قربانی رنگ لائی، تب یہ ملک آزاد ہوا۔

(۴) چوتھی دلیل: ۱۶۰۱ء سے لے کر ۱۸۵۷ء تک ایک لمبا عرصہ گزرا جس دوران انگریز رَفتہ رَفتہ ملک کے مختلف علاقوں پر قابض ہوتے رہے، وہ اس طرح کہ اولاً اُن کا اس ملک میں آنا صرف بغرضِ تجارت تھا، پھر اُس تجارت کو اُن لوگوں نے اس قدر بڑھا دیا کہ

اپنی کوٹھیوں کی حفاظت کے بہانے انھوں نے اپنا لشکر رکھنا شروع کر دیا، ابتداءً تو یہ لشکر صرف حفاظتی دَستے کہے جاتے تھے، لیکن رفتہ رفتہ یہ لوگ چھوٹی چھوٹی آزاد ریاستوں پر حملے کرنے لگے اور اُن کو اپنے زیرِ نگیں کرنے لگے، اور اِن تمام کاروائیوں کے پیچھے پلاننگ (Planning) اور ہینڈلنگ (Handling) برطانیہ سے ہورہا تھا، برطانیہ سے ایک ٹیلی گرام (پرانے زمانے والا تار، ٹیلی گرام سے مراد مشہور موبائل ایپ نہیں ہے) آتا ہے، جس میں اُن کا جج انگریز لیڈروں کو یہ لکھتا ہے کہ ہمارا یہ سفر طویل اور دراز ہوتا جارہا ہے، اب قبضے سے آگے بڑھ کر حکومت کرنے کا وقت ہو چکا ہے، لہٰذا پیغام یہ ہے کہ علما اور ٹوپی والوں کو اپنا نشانہ وٹارگیٹ (Target) بناؤ۔

اس وقت علمائے کرام کے لیے دو ہی سزائیں تھیں، یا تو پھانسی دے دی جاتی، یا پھر کالا پانی (آجیون کاراواس) بھیج دیا جاتا، جس کو آج کی اصطلاح میں عمر قید کہا جاتا ہے۔

اس منصوبہ بندی کے تحت انگریز کی جانب سے دو اعلان کیے گئے: ایک تو یہ کہ کسی بھی مسلمان کو ملازمت جاب (Job) نہیں ملے گی، تاکہ مسلمان اقتصادی و فائنینشلی (Financially) طور پر کمزور ہو جائیں۔ اور دوسرا یہ کہ مسلمانوں کا اُن کے لیڈروں سے رِشتہ کاٹ دیا جائے، تاکہ قومِ مسلم لیڈرلیس ہو جائے۔ یہ پیغام کس کے خلاف صادر کیا گیا تھا؟ مسلمانوں ہی کے خلاف صادر ہوا تھا، جس سے پتہ چلتا ہے کہ ملک کی آزادی کے پیچھے قربانیاں ہماری لگی ہوئی ہیں۔

(۵) پانچویں دلیل: وقتاً فوقتاً انگریزوں کے ساتھ ہمارے علمائے کرام کے مناظرے اور ڈیبیٹس (Debates) ہوئے، تاریخ یہ بتاتی ہے کہ صرف ایک مناظرہ آریہ سماجیوں کے ساتھ ہوا، ورنہ اکثر و بیشتر مناظرے مسلمانوں کے انگریز کے ساتھ

ہوئے، اہل کتاب جو کسی زمانے میں اہل کتاب رہے تھے اُن سے اگر کوئی مناظرہ کرسکتا ہے تو وہ سچی اور مقدس کتاب قرآن مجید کے حاملین ہی کر سکتے ہیں۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انگریز کے ساتھ اصل مقابلہ مسلمانوں نے کیا تھا۔

(۶) چھٹی دلیل: آخری دلیل یہ ہے کہ ۱۹۴۷ء میں جب ملک آزاد ہوا، اس سے پہلے کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ انڈمان اور نکوبار میں جو کالا پانی (آجیون کاراواس) کی سزا کے لیے جگہیں تھیں وہاں یا تو سمندری جہاز سے آنا پڑتا تھا یا ہوائی جہاز سے، زمینی خشکی کا کوئی راستہ وہاں پہنچنے کا نہیں تھا، اب ۱۹۴۷ء سے پہلے انڈمان اور نکوبار کی آبادی میں غور کریں تو پتہ چلے گا کہ انڈمان اور نکوبار دونوں جزیروں میں مسلمانوں ہی کی اکثریت میجورٹی (Majority) تھی، جو اَب بھی ہے، سوال یہ ہوتا ہے کہ یہ مسلمان ان جزیروں میں کیسے پہنچے؟ ظاہر ہے کہ وہ اسی جنگ آزادی لڑنے کے جرم میں قید کر کے لائے گئے تھے، انگریزوں نے انھیں ظلماً ملک بدر کر کے ان جزیروں میں قید کیا تھا۔

مجھے حضرت مفتی صاحب نے بتایا کہ ماشاء اللہ یہاں درجۂ عربی سوم تک کے طلبہ زیر تعلیم ہیں، ہمارے مدارسِ عربیہ میں درجۂ عربی دوم میں ایک کتاب ''علم الصیغہ'' پڑھائی جاتی ہے، جس کے مصنف حضرت مفتی عنایت احمد صاحب کاکوروی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں آپ نے پڑھا ہوگا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اسی کالا پانی کی سزا کے طور پر جزیرۂ انڈمان میں قید کیا گیا تھا، اور اُسی قید کے دوران آپ نے بغیر کسی کتاب کے صرف اپنے حافظے کی مدد سے ''علم الصیغہ'' ترتیب دی۔

حاصل یہ کہ ایسے تو کئی حقائق ہیں جن کو ایک اِنصاف پسند شخص سنے تو وہ ضرور اس بات کو ماننے پر مجبور ہوگا ملک کی آزادی میں واقعۃً مسلمانوں کی قربانیاں دوسری کسی بھی قوم

سے زیادہ ہیں۔

ملک کی اَذیت ناک صورتِ حال:

بس اب چند منٹوں میں اپنی بات کو ختم کرنا ہے، اس موقع پر ملک کے حکمرانوں اور منسٹروں کے نام ہمیں یہ پیغام دینا ہے کہ ملک کی عوام کو وہ اصل آزادی دی جائے جس آزادی کے لیے ہمارے اَسلاف واَکابر نے اپنا خون بہایا تھا، اپنے مذہب پر مکمل طور پر عمل پیرا ہونے کی آزادی، اِظہارِ خیال کی آزادی، ملک کے قوانین کے ساتھ کھلواڑ نہ کر کے مسلمانوں کو اُن کے جمہوری حقوق برتنے کی آزادی، فرقہ وارانہ فسادات اور ظلم و بربریت سے آزادی، غرض ہمیں وہ تمام حقوق ہر حال میں چاہیے جو اس جمہوری ملک کے دستور میں شامل ہیں۔

ہمارے اَسلاف واَکابر، بادشاہوں اور علمائے کرام نے اس ملک کو سونے کی چڑیا بنایا تھا، پھر جب ملک کو قربانی کی ضرورت پیش آئی تو ہم مسلمانوں نے اپنے خونِ جگر سے اس کو سینچا، افسوس اس بات کا ہے کہ آج کچھ انتہا پسند عناصر ہمیں پنجرے کا طوطا بنانے کی ناکام کوشش میں لگے ہوئے ہیں، غداروں کی اَولاد یہ چاہتی ہے کہ وہ جو چاہیں وہی ہم بولیں، وہ جیسا چاہیں ویسا ہی کریں۔ جس ملک کو ہم نے ۱۹۴۷ء میں آزاد کروایا تھا اب اُسے پھر غلامی کی طرف دھکیلا جارہا ہے۔ ؎

ہم کو پالا تھا جس پیڑ نے
اُس کے پتے ہی دُشمن ہوئے
کہہ رہی ہیں کئی ڈالیاں
آشیانہ بدل دیجیے!

ہم ایسے شر پسند عناصر کو متنبہ کر دینا چاہتے ہیں کہ اپنی یہ خام خیالی اپنے پاس ہی رکھیں، مسلمان صرف اللہ تعالیٰ ہی کے سامنے سرنگوں ہوسکتا ہے، ورنہ تم جیسے فرعون تو دُنیا میں کئی آئے اور ہلاک ہو کر نشانِ عبرت بن گئے۔

جس قوم کے آباو اَجداد کل انگریز کی وفاداری نبھا کر اُن کے تلوے چاٹ رہے تھے اُن کی اولاد آج ہم سے دیش بھکتی کا ثبوت مانگ رہی ہے، کیا وہ یہ بھول گئے کہ ہم مسلمانوں کا اُن پر احسان ہے کہ اُن کی غداری کو معاف کر کے ہم نے انھیں اس ملک میں جگہ دی ہے؟ ہم نے اپنے خون سے ملک کو آزاد کروایا ہے۔ ؎

جب گلستاں کو خون کی ضرورت پڑی سب سے پہلے ہماری ہی گردن کٹی
پھر بھی کہتے ہیں ہم سے یہ اہل چمن یہ چمن ہے ہمارا، تمھارا نہیں

یہ کونسے انصاف کی بات ہے! اوّلاً تو ہمیں حب الوطنی کا ثبوت پیش کرنے کی ضرورت ہی نہیں، پھر بھی اگر کوئی ہم سے دیش بھکتی کے ثبوت کا مطالبہ کرتا ہے تو یقیناً اس کی عقل میں کچھ فساد ہے۔

جس ملک میں ہم رہ رہے ہیں اُس کی محبت ایک فطری چیز ہے، جس پر کسی ثبوت کی ضرورت نہیں ہوتی، مثلاً ہمیں پیاس لگتی ہے تو اس پر کوئی ثبوت نہیں مانگتا کہ کیا ثبوت ہے کہ تمھیں پیاس لگی ہے؟ اس لیے کہ یہ ایک فطری اور نیچرلی (Naturely) چیز ہے، اسی طرح وطن کی محبت بھی فطری چیز ہے۔

ایک اور آسان مثال سے سمجھو! یہاں ہمارا گھر ہے، قریب میں ہمارے پڑوسی کا گھر ہے۔ (اسلام پڑوسیوں کے حقوق کو بہت اَہمیت دیتا ہے، لیکن) دل پر ہاتھ رکھ کر بتائیے کہ ہمیں زیادہ محبت اپنے گھر سے ہوگی یا پڑوسی کے؟ ظاہر ہے کہ اپنے گھر سے محبت

زیادہ ہوگی، اس لیے کہ یہ ایک فطری چیز ہے۔

دوربین سے پہلے آئینے کا استعمال:

اس موقع پر ایک اہم بات یہ بھی عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہر چیز میں دوسروں پر اِلزام دھر دینے سے پہلے ہمیں اپنا بھی محاسبہ کر لینا چاہیے، ہماری نظر اپنی کوتاہیوں پر بھی بہت ضروری ہے۔

اس تعلق سے یہ عاجز دو باتیں عرض کرتا ہے:

(۱) پہلی بات یہ ہے کہ ہمارے قول وعمل میں تضاد نہیں ہونا چاہیے، منافقت نہ ہو کہ ۱۵/اگست کے دِن تو ہم ''ہندوستان زندہ باد'' کے نعرے لگائیں، پھر عمل اس کے خلاف ہو، اس بات کو غور سے سمجھ لیں کہ ایک ہے وطن کی محبت، اور ایک ہے مذہب کی محبت، ہمیں اس بات کا خوب خیال رکھنا ہے کہ دونوں آپس میں خلط ملط نہ ہو جائیں، ہمارے بہت سے نوجوان کرکٹ میچ کے بڑے شوقین ہوتے ہیں، ابھی کچھ وقت سے انڈیا پاکستان کا میچ بند ہے، ایک بات تجربے اور حالات کے تناظر میں آپ بتائیں کہ جب انڈیا پاکستان کا میچ ہوتا ہے تو وہ نوجوان جو ۱۵/اگست کے دِن ''ہندوستان زندہ باد'' کے نعرے لگا رہا تھا وہی آج میچ میں پاکستان کی جیت پر ملک کے ہار جانے کی خوشیاں مناتا ہے، یہ خرابی اس لیے پیدا ہوتی ہے کہ ہم نے مذہب اور وطن دونوں کو خلط کر دیا، یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ کرکٹ میچ اسلام اور کفر کا نہیں ہے؛ بلکہ دو مختلف ملکوں کی ٹیم کے درمیان ہے، اور کرکٹ کا میچ ایک کھیل ہے، لہٰذا کھیل کو کھیل کے زاویے سے دیکھنا چاہیے، اُسے زبردستی دین کے ساتھ جوڑنے کی ضرورت نہیں ہے، مانا کہ ہمارے نوجوان میچ ہونے کی حیثیت سے کسی بھی ایک ٹیم کا فیور (Favour) ضرور کر سکتے ہیں، لیکن یہ کھیل کی حد تک ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ اس

میں حد تجاوزی کرنے کی وجہ سے کسی کی دِل شکنی نہ ہو اس بات کا پورا خیال رکھنا چاہیے۔

ہاں، جب کوئی ایسی بات پیش آئے کہ جس میں ہمارا دینی نقصان ہو تو مسلمان ہونے کے ناتے بے شک ہم اپنے دین ہی کو ترجیح دیں گے، اس لیے کہ ہم مسلمان خواہ کسی بھی ملک کے باشندے ہوں، کہیں کے بھی وطنی ہوں، ہم اولاً مسلمان ہیں، یہی ہماری اوّلین پہچان ہے، دوسری تمام نسبتیں دین کے تقاضوں کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔

(۲) اسی ضمن میں دوسری ایک اہم بات یہ عرض کرنی ہے کہ ہمارے وہ برادرانِ وطن جو غیر متعصب ہیں، جن میں تشدد نہیں ہے اُن کو وطن کی نسبت سے ہم اپنا وطنی بھائی مانیں، اُن سے محبت واُخوّت کے اِظہار میں غفلت یا دریغ نہ کریں۔

عید کی نماز پڑھ کر جب ہم عیدگاہ سے باہر نکلتے ہیں تو کئی جگہوں پر یہ بات دیکھنے کو ملتی ہے کہ مسلمانوں کا بہت بڑا مجمع نماز سے فارغ ہو کر جب باہر نکلتا ہے تو ایک دوسرے سے مصافحہ ومعانقہ کرتے ہیں، خیریت دریافت کرتے ہیں، عید کی مبارک باد پیش کرتے ہیں، عید کے موقع پر حفاظتی انتظام کے پیش نظر حکومت کی جانب سے باہر پانچ چھ پولس بھی تعینات ہوتے ہیں، اس منظر کو دیکھ کر عاجز کو بڑا اَفسوس ہوتا ہے کہ دو تین ہزار اَفراد پر مشتمل اِتنا بڑا مجمع عید کی خوشی کے موقع پر آپس میں محبت سے مل کر مصافحہ ومعانقہ کر رہا ہے، لیکن اُن میں سے کوئی بھی پولس کے ان پانچ چھ آدمیوں سے مل کر انھیں عید کی مبارک باد پیش نہیں کر رہا، اُن سے اپنی محبت واُخوت کا اِظہار نہیں کر رہا، کیا ہمارے دین میں ہمیں یہ اخلاق سکھائے جاتے ہیں؟ کیا ان کو مبارک باد پیش کرنا ممنوع ہے؟ ہرگز نہیں، ایسے مواقع پر تو ہمیں برادرانِ وطن کے نام محبت کا پیغام عام کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، تب ہی ملک ترقی کی راہوں پر گامزن ہو سکے گا۔

یاد رہے کہ ہمارے بلند اسلامی اَخلاق برادرانِ وطن کو ہم سے قریب سے قریب تر کرنے میں معاون ثابت ہوں گے، اور بلند اخلاق بسا اَوقات وہ کام کرتے ہیں جو تلواریں اور بندوقیں نہیں کرسکتیں۔ ہمارا برادرانِ وطن کے ساتھ محبت اور بلند اخلاق سے پیش آنا اُن گنے چنے شر پسند اور انتہا پسند فرقہ وارانہ ذہنیت کے لوگوں کے منہ پر طمانچہ ہے جو اس ملک کو بداَمنی کا شکار بنا کر توڑنا چاہتے ہیں۔

مسلمانوں کا رہن سہن اور کردار:

مسلمان کسی بھی ملک میں رہنے والا ہو، اُسے اپنے اسلامی بلند اخلاق ہر جگہ برتنے کی ضرورت ہے، اسلامی اَقدار کو ہمہ وقت مستحضر رکھ کر اُن کے مطابق عمل پیرا ہونے کی بھی سخت ضرورت ہے۔

ایک واقعہ اس کے متعلق عرض کرتا ہوں کہ ایک مرتبہ ایک غیر مسلم بلڈر نے ایک بلڈنگ بنائی، مسلمان جب اس بلڈنگ میں مکانات، فلیٹس (Flats) خریدنے گئے تو اُس نے منع کردیا کہ ہم مسلمانوں کو نہیں بیچیں گے، اس بستی میں ایک مسلمان مُکھیا (چودھری) تھا، مسلمان اُس کے پاس اپنی بات لے کر پہنچے کہ دیکھو! ہم اس بلڈنگ میں فلیٹس خریدنا چاہتے ہیں، لیکن وہ مسلمانوں کو نہیں دے رہے ہیں، چنانچہ وہ مُکھیا اس بلڈر سے ملا اور اس سے کہا کہ صاحب! ذرا ہماری قوم کا بھی خیال رکھلو۔

اس شخص نے بڑے پتے کی بات کہی کہ ہم اپنی بلڈنگ میں مسلمانوں کو فلیٹس دینے سے اس لیے نہیں منع کرتے کہ وہ مسلمان ہیں، بات دراصل یہ ہے کہ ہم نے یہ نوٹس کیا ہے کہ جس علاقے میں مسلمان زیادہ تعداد میں بستے ہیں وہاں تین خرابیاں عام ہوتی ہیں:

(۱) یہ لوگ پڑھتے نہیں ہیں، تعلیم حاصل نہیں کرتے، دین بھی نہیں پڑھتے اور دنیا

بھی نہیں۔(یعنی پہلی خرابی اس غیر مسلم نے جہالت بیان کی)

(۲) یہ لوگ آپس میں خوب لڑتے ہیں۔(ابھی بقرعید کی تعطیل میں اس عاجز کا ایک جگہ جانا ہوا، آپ یقین کریں کہ رات کے تقریباً سوا بارہ بجے تھے، مسلمانوں کے ایک علاقے میں تقریباً پچاس سے سو مسلمان راستے پر نکل کر کسی بات پر آپس میں لڑ رہے تھے۔)

(۳) اس غیر مسلم بلڈر نے تیسری وجہ یہ بیان کی کہ یہ لوگ صفائی کا اہتمام نہیں کرتے، یہ جہاں بھی بستے ہیں وہاں گندگی عام کر دیتے ہیں۔

ذرا ٹھنڈے دِل سے سوچو اور اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھو! کیا یہ تینوں خرابیاں ہمارے معاشرے میں عام نہیں ہیں؟ اُمت مسلمہ ایک ایسے نبی کی اُمت ہے جس پر سب سے پہلے نازل ہونے والی وحی میں "اِقْرَأْ" کا حکم تھا، اُس اُمت کو آج غیروں سے تعلیم کے باب میں نصیحت سننی پڑ رہی ہے، ملک کی دیگر اَقوام کے مقابلے میں اُمت مسلمہ میں ناخواندگی کا تناسب ہمارا سر جھکا دیتا ہے۔

دوسری بات آپسی جھگڑوں کی تو اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا، آپسی اختلافات کی حدود کو توڑ کر ہم اِتنے آگے نکل چکے ہیں کہ ہم یہی بھول گئے کہ ہم اولاً مسلمان ہیں۔ کتنی شرم کی بات ہے کہ ہمیں باہمی اُخوت کا سبق بھی غیروں سے حاصل کرنا پڑ رہا ہے۔

تیسری بات صفائی ستھرائی کی، تو یہ بالکل محتاجِ بیان نہیں ہے، ہم خود ہی مسلمانوں کے چند علاقوں میں چکر لگا لیں، ہمیں ضرور اعتراف کرنا ہوگا کہ گندگی مسلمان علاقوں کی گویا پہچان بن چکی ہے۔"النَّظَافَةُ مِنَ الإيْمَانِ"[1] کے پیغام کو ہم صرف مساجد میں بیان سننے تک ہی محدود رکھتے ہیں، جب کہ عملی زندگی میں ہمارا معاملہ ٹھیک اس سے برعکس ہوتا ہے۔

(۱) صحيح معنىً، لا لفظًا.

سچ کہوں تو ہماری اس حالت زار پر آنکھیں لہو روتی ہیں اور اس ملک کے اوّل وزیر تعلیم حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ کی بات یاد آرہی ہے جو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ ماہنامہ ''الہلال'' میں تحریر فرمائی تھی کہ

''ہمارے نزدیک اسلام کے دامن تقدیس پر اِس سے بڑھ کر اور کوئی بدنما دھبّہ نہیں ہوسکتا کہ انسانی حریت اور ملکی فلاح کا سبق مسلمان دوسری قوموں سے لیں، آپ کے ہاں اگر شمع کافوری جل رہی ہے تو آپ کو کسی فقیر کے جھونپڑے سے اُس کا ٹمٹماتا ہوا دِیا چرانے کی کیا ضرورت ہے؟''(۱)

وسعتِ ظرفی پیدا کیجیے:

آخری پیغام یہ عرض کرنا ہے کہ آج دین کی خدمات مختلف نوعیتوں سے ہورہی ہیں، لیکن ہماری تنگ ظرفی، تنگ نظری اور تنگ مزاجی یہ ہے کہ اگر میرے پلیٹ فارم سے کام ہو تو وہ کام ہے، دوسرے کے پلیٹ فارم سے کام ہو تو ہم اُس کی حوصلہ اَفزائی نہیں کرتے، ہم اس کو اپریشیٹ (Appreciate) نہیں کرتے، سوچنے کی ضرورت ہے کہ میرے دل میں ایسا جذبۂ تباغض وتحاسد کیوں بھرا ہے؟ اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں کہ ہمارے باطن کی اصلاح ہوجائے۔

بچے دو ہی اَچھے:

ایک لطیفہ سنا کر یہ عاجز اپنی بات ختم کررہا ہے، چوں کہ آزادی کا دِن ہے تو تھوڑا سا ہنسنا بھی بنتا ہے! آج ملک عزیز میں یہ نعرہ عام کیا جارہا ہے کہ ''بچے دو ہی اچھے'' اور ''ہم دو، ہمارے دو'' کا رِواج بڑھتا جارہا ہے۔

---

(۱) ماہنامہ ''الہلال'' بابت ماہ: ۱۶/اکتوبر/ ۱۹۱۲ء

ایک مہمان کسی کے گھر گئے، جہاں باہر لکھا ہوا تھا: ''بچے دو ہی اچھے'' جب مہمان گھر میں داخل ہوئے تو دیکھ کر اُن کے تو طوطے ہی اُڑ گئے کہ پورے گیارہ اَفراد پر مشتمل مکمل ایک ٹیم موجود ہے! قول و فعل کے اس منتہی درجے کے تضاد کو دیکھ کر مہمان سے نہ رہا گیا، بالآخر میزبانِ مکرّم سے پوچھ ہی لیا کہ جناب! کیا ماجرا ہے؟ باہر تو آپ نے لکھا ہے کہ بچے دو ہی اچھے، اور یہاں پوری ٹیم چھپا کر رکھی ہے! میزبانِ مکرّم نے مہمان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ باہر جو لکھا گیا ہے وہ عین صداقت ہے، اِن گیارہ میں سے دو ہی اچھے ہیں، باقی سب نکمے ہیں!

آپ حضرات تو ماشاء اللہ بہت اچھے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمارے اس ادارے کو خوب قبول فرمائیں، ترقیات سے ہمکنار فرمائیں، حضرت مفتی صاحب نے راستے میں ادارے کا بہت اچھا تعارف کرایا، سن کر دل میں بہت خوشی ہوئی اور اپنی نااَہلیت پر اور ناکارہ ہونے کا رَنج بھی ہوا کہ عاجز اِتنے سال سے سورت شہر میں رہتا ہے، لیکن اِتنے عظیم اِدارے کے تعارُف سے بھی ناواقف تھا، اللہ تعالیٰ اس گستاخی کو معاف فرمائیں۔

اختتامیہ:

یہاں الحمدللہ مقتدر علمائے کرام تشریف فرما ہیں، اُن حضرات کی توجہ اور پشت پناہی میں عاجز نے کچھ سمع خراشی کی ہے، کچھ بات غلط ہوگئی ہو تو معذرت کے ساتھ یہ عاجز آپ سے رُخصت ہونا چاہتا ہے۔

اللہ عزوجل ہم سب کو کہی سنی باتوں پر توفیق عمل سے نوازیں اور ہمارے اس عظیم ادارے کو نیز ہمارے ملک میں جتنے بھی دینی ادارے ہیں اُن تمام کو شجر بار آور بنائیں، مُثمِر بنائیں اور اُن کے فوائد سارے جہاں میں پھیلتے رہیں۔ آمین یارب العالمین۔

وَأٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِين

ہماری مساجد اور صفائی کا اہتمام

BAYAN QR CODE

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، أَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ الْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِيْدِ، أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ﴿۱۲۵﴾﴾ (البقرة: ۱۲۵)

وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى:

﴿وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ﴿۲۶﴾﴾ (الحج:۲۶)

وَقَالَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى:

﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (الأعراف:۳۱)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ، وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ والشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

تمہید:

محترم ومکرّم سامعین! آج کی اس مبارک مجلس میں ہم آپ کی خدمت میں ایک انتہائی اہم عنوان لے کر حاضر ہوئے ہیں، اور وہ عنوان ہے مسجد کی صفائی سے متعلق۔ آج کل جو ہماری مسجدوں میں گندگیاں ہیں، صفائی کا کوئی اہتمام نہیں ہے، اس تعلق سے یہ عاجز آپ کی خدمت میں درد دِل پیش کرنا چاہتا ہے کہ صفائی کے اہتمام کی کتنی زیادہ ضرورت ہے۔

خلاصۂ آیات:

چنانچہ جو آیات تلاوت کی گئیں اولاً ہم ان آیات کے تھوڑے سے خلاصے کو سمجھ

لیتے ہیں کہ خلیل اللہ، امام الموحدین، حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما الصلوۃ والسلام کو اللہ عزوجل یہ عہد کروا رہے ہیں، یہ پیغام بھجوا رہے ہیں کہ آپ میرے گھر بیت اللہ میں طواف کرنے والوں کے لیے، اعتکاف کرنے والوں کے لیے، رکوع وسجدہ کرنے والوں کے لیے اور نماز پڑھنے والوں کے لیے طہارت اور صفائی کا اہتمام کریں۔ اندازہ لگائیں کہ جس ہستی نے بیت اللہ بنایا خلیل اللہ ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام، جن کی اتنی قربانیاں لگی ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو مسجد کی طہارت وصفائی کا اہتمام سکھا رہے ہیں۔

اور یہی مضمون سترہویں پارے میں قرآن مجید کی سورۂ حج میں بھی ہے، وہاں "الْعَاكِفِيْنَ" کے بجائے "الْقَآئِمِيْنَ" کا لفظ ہے۔ بہرحال! نماز پڑھنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں کے لیے مسجد کی صفائی کا اہتمام ہو۔

نیز تیسری آیت جو سورۂ اعراف کی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر نماز کے وقت زینت اختیار کرو۔ اس زینت میں اپنی ذات کی صفائی اور جہاں نماز پڑھ رہے ہیں اس جگہ کی صفائی، سب شامل ہیں۔ تو ان آیات کریمہ سے مسجد کی طہارت اور صفائی کے اہتمام کا ثبوت ملتا ہے۔

مسجد کی صفائی کرنے والے کا مقام:

سرکارِ دو جہاں ﷺ کی نظر میں مسجد کی صفائی کرنے والے کا کیا مقام تھا اُسے سمجھنے کے لیے ہم چند احادیث مبارکہ کی طرف رجوع کرتے ہیں:

بخاری شریف اور ابوداود شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا أَسْوَدَ أَوِ امْرَأَةً سَوْدَاءَ كَانَ يَقُمُّ الْمَسْجِدَ، فَمَاتَ، فَسَأَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهُ، فَقَالُوا:

مَاتَ، قَالَ: "أَفَلَا كُنْتُمْ آذَنْتُمُونِي بِهِ! دُلُّونِي عَلَى قَبْرِهِ،" أَوْ قَالَ: "قَبْرِهَا،" فَأَتَى قَبْرَهَا، فَصَلَّى عَلَيْهَا."(۱)

اس حدیث پاک کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک حبشی مرد یا عورت مسجد نبوی کی صفائی کیا کرتے تھے، جب اُن کی وفات ہوگئی اور نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو نہیں دیکھا تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے دریافت فرمایا، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ان کا انتقال ہوگیا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمھیں مجھے بتانا چاہیے تھا، مجھے اُن کی قبر دِکھاؤ! چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی قبر پر آئے اور نماز پڑھی۔

اندازہ لگائیں کہ مسجد کی صفائی کرنے والوں کا عنداللہ کیا مقام ہوگا جس کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد کی صفائی کرنے والے کی عزت افزائی فرمائی اور ان کو ایک اسپیشلی (Specially) مقام عنایت فرمایا۔

مسجد کی صفائی صدقے کی ایک شکل:

اسی طرح دوسری روایت سمجھتے ہیں، ابوداؤد شریف میں حضرت عبداللہ بن بُریدہ رضی اللہ عنہما سے یہ روایت مروی ہے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي بُرَيْدَةَ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "فِي الْإِنْسَانِ ثَلَاثُ مِائَةٍ وَسِتُّونَ مَفْصِلًا، فَعَلَيْهِ أَنْ يَتَصَدَّقَ عَنْ كُلِّ مَفْصِلٍ مِنْهُ بِصَدَقَةٍ، قَالُوا: وَمَنْ يُطِيقُ ذَلِكَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! قَالَ: "النُّخَاعَةُ فِي الْمَسْجِدِ تَدْفِنُهَا، وَالشَّيْءُ تُنَحِّيهِ عَنِ الطَّرِيقِ، فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فَرَكْعَتَا الضُّحَىٰ تُجْزِئُكَ."(۲)

---

(۱) رواه البخاري / كتاب الصلوٰة / باب كنس المسجد / الرقم : ٤٥٨، وأبوداود / الرقم : ۳۲۰۳.

(۲) رواه أبوداود / باب في إماطة الأذى عن الطريق / رقم الحديث : ٥٢٤٢. مسند أحمد : ۲۳۰۳۷

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادِ عالی کا خلاصہ یہ ہے کہ بدنِ انسانی میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں، ہر جوڑ کا صدقہ انسان پر ضروری ہے، تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حیران رہ گئے کہ اتنا سارا صدقہ ہم کیسے دے سکتے ہیں! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا کہ مسجد میں اگر تھوک ہو یا کوئی گندگی ہو، ناک کی رینٹ ہو اس کو ہٹا کر صاف کر دینا یہ بھی صدقہ ہے، راستے سے تکلیف دینے والی چیز کو ہٹا دینا یہ بھی صدقہ ہے۔

اس روایت میں بھی ہم غور کریں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد کی صفائی کو بھی صدقہ قرار دیا۔ اُس دور میں چونکہ ایسے پکے فرش نہیں ہوتے تھے، کچے زمینی فرش ہوا کرتے تھے، اس لیے کہیں پر بھی تھوک دینے کا ایک عام مزاج اور رواج تھا۔

مسجد میں موجود گندگی کو صاف کرنا نیکی ہے:

تیسری حدیث پاک ہم سمجھتے ہیں، طبرانی شریف میں روایت موجود ہے، راوی روایت حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ ہیں:

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اَلْبُزَاقُ فِي الْمَسْجِدِ سَيِّئَةٌ، وَدَفْنُهُ حَسَنَةٌ."(۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اِس ارشادِ عالی کا خلاصہ یہ ہے کہ مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس تھوک کو دفن کر دینا یہ نیکی ہے۔

اس حدیث پاک سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں موجود گندگی صاف کرنے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نیکی قرار دیا۔

---

(۱) المعجم الكبير للطبراني / رقم الحديث : ۸۰۹۱.

جنت میں گھر بنوانے کا آسان نسخہ:

اسی طرح چوتھی روایت کو سمجھتے ہیں، جو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، ابن ماجہ شریف میں یہ روایت موجود ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ أَخْرَجَ أَذًى مِنَ الْمَسْجِدِ بَنَى اللّٰهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ."(۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس مبارک ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص مسجد سے کوڑا صاف کردے، مسجد کی گندگی کو صاف کردے، مسجد کے میل کچیل کو صاف کردے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بناتے ہیں۔

آج دنیا کے گھر کے لیے لوگ کتنے پاپڑ بیلتے ہیں، سالوں محنت کرتے ہیں تب ایک گھر تیار ہوتا ہے، جنت جیسی جگہ میں ایک گھر کی تیاری کے لیے کتنا سستا اور آسان سودا ہے کہ مسجد کی صفائی کا اہتمام کیا جائے۔

مساجد کی اہمیت:

انسان کی تخلیق کا مقصد عبادتِ خداوندی ہے، اور اس مقصد کی تکمیل کے لیے مخصوص جگہیں مردوں کے لیے مساجد ہیں، اس لیے اللہ رب العزت کے نزدیک وہ روئے زمین پر سب زیادہ پسندیدہ جگہ ہے۔ مسجد کی اہمیت سمجھنے کے لیے یہی ایک بات کافی ہے کہ وہ عند اللہ سب سے زیادہ پسندیدہ مقام ہے، جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہے:

---

(۱) سنن ابن ماجه / كتاب المساجد والجماعات / باب تطهير المساجد وتطييبها / الرقم : ۷۵۷.

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "أَحَبُّ الْبِلَادِ إِلَى اللّٰهِ مَسَاجِدُهَا، وَأَبْغَضُ الْبِلَادِ إِلَى اللّٰهِ أَسْوَاقُهَا."(۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''آبادیوں میں سب سے زیادہ پسندیدہ حصہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مساجد ہیں، اور آبادیوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ حصے بازار ہیں۔''

اس حدیث پاک میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مساجد کو روئے زمین کی سب محبوب و پسندیدہ جگہ قرار دیا، اُسی سے مساجد کی اہمیت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ کلامِ الٰہی میں بار بار مساجد کا ذکر کیا گیا۔ فقیہ العصر علامہ خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ ''قرآنِ کریم میں ۲۷ ستائیس مقامات پر مساجد کا ذکر ہے، اور متعین طور پر مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور مسجد قبا کا ذکر ملتا ہے''۔

ظاہر ہے کہ کلامِ الٰہی میں بکثرت مساجد کا ذکر آنا اس کی عظمت شان اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی اہمیت پر دلالت کرتا ہے، حتیٰ کہ حدیث پاک میں مساجد کو (دنیا میں) جنت کے باغات قرار دیا گیا ہے:

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوا، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَمَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ؟ قَالَ: الْمَسَاجِدُ، قُلْتُ: وَمَا الرَّتْعُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ."(۲)

---

(۱) رواه مسلم / كتاب المساجد / باب فضل الجلوس في مصلاه بعد الصبح / الرقم : ٦٧١.

(۲) رواه الترمذي / أبواب الدعوات عن رسول الله ﷺ / رقم الحديث : ٣٥٠٩.

حدیث پاک کا خلاصہ یہ ہے کہ نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم جنت کے باغات سے گزرو تو خوب چرلیا کرو، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے تعجب سے پوچھا کہ حضور! جنت کے باغات کیا ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کے باغات دُنیا کی مساجد ہیں۔

اور جب مسجد جنت کا باغ اور اللہ رب العزت کا پسندیدہ مقام ہے تو اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کا بھی پسندیدہ مقام ہے، یہی وجہ ہے کہ انھیں مسجدوں سے خصوصی لگاؤ اور تعلق ہوتا ہے، حتیٰ کہ آیت قرآنی:

﴿اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ﴿۹۶﴾﴾ (آل عمران : ۹۶)

کے تحت مفسرین نے لکھا ہے کہ روئے زمین پر سب سے پہلا گھر جو تعمیر ہوا وہ کعبۃ اللہ ہے، حضرت آدم علیہ السلام نے زمین پر آنے کے بعد اپنے گھر سے پہلے اللہ تعالیٰ کے گھر کی تعمیر فرمائی، اس لیے حضرت عبداللہ بن عمر، مجاہد، قتادۃ، سدی وغیرہم صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم اسی کے قائل ہیں کہ کعبۃ اللہ دنیا (کی سب سے عظیم مسجد ہونے کے علاوہ دنیا) کا سب سے پہلا گھر بھی ہے"۔ (۱)

مسجدیں مسلم معاشرے کے لیے روح کی حیثیت رکھتی ہیں، مسلم معاشرے کا مسجد کے بغیر تصور ہی نہیں ہوسکتا ہے، مساجد ہمارا اسمبول (Symbol) اور علامت ہے، مسجدیں ہماری پہچان وشعار ہیں۔ ہمارے ملک میں کسی محلہ میں مسلمان بستے ہوں تو مسجدوں سے پتہ لگایا جاتا ہے کہ یہاں مسجدیں ہیں اس کا مطلب یہ مسلمانوں کا محلہ ہے۔ مسجدیں ہمارا شعار ہیں اور دین کے اکثر و بیشتر کام منبر ومحراب سے جڑے ہوتے ہیں۔

(۱) معارف القرآن: ۲/ ۱۴۴۔

دردِ دل:

اسلامی معاشرے میں مساجد کی اِس قدر اہمیت کے باوجود ہماری مسجدوں میں گندگی کس حد تک ہوتی ہے اُس پر کبھی ہم نے غور کیا؟ صفائی نہ رکھنے کی وجہ سے مساجد کی کتنی توہین ہوتی ہے؟ اور کس منہ سے یہ عاجز آپ کو دکھڑا سنائے، فرش اور چٹائیاں بوسیدہ، پھٹی ہوئیں، ٹوٹی ہوئیں، سالوں پرانی ہیں۔ دروازے، برآمدے، ستون اور اس طرح کی ہر چیز میں جالے لگے ہوتے ہیں، مکڑیاں جالے بناتی ہیں، نہ کوئی اس کی خبر گیری کرنے والا ہوتا ہے اور نہ کوئی صاف کرنے والا، مائیک (Mic) کی وائرنگ (Wiring) پر جو میل کچیل ہوتا ہے اس کو کوئی دیکھنے والا نہیں ہوتا۔ یہ ہماری مسجدوں کا حال ہے۔ کتنا میل کچیل مسجدوں میں ہوتا ہے! اور یہ حال تو مسجد کے اندرون، حرمِ مسجد، مسجد کے داخلی حصے کا ہے، مسجد کے وضو خانے اور طہارت خانے کی گندگی تو الامان والحفیظ۔

ایک سلیم الفطرت انسان کو اگر وہاں واش روم (Washroom) بیت الخلا فارغ ہونے کے لیے جانا ہو تو وہ بے چین ہو جاتا ہے، بے قرار ہو جاتا ہے، اس کو اپنے تقاضے کو دبا دینا پڑتا ہے کہ اتنا گندا ہے، ہم یہاں کیسے جائیں!

جس منبر و محراب سے "الطُّهُوْرُ شَطْرُ الإِيْمَانِ" (صفائی، Cleaning یہ ایمان کا حصہ ہے) کا پیغام دیا جا رہا ہے اسی منبر و محراب پر جالے تنے ہوتے ہیں، طرح طرح کی گندگیاں لگی ہوتی ہیں۔

قرآن مجید مسجد میں رکھے ہوتے ہیں ان پر گرد و غبار لگا ہوتا ہے، اس کو کوئی صاف کرنے والا نہیں، ان کی صفائی کا کوئی پرسانِ حال نہیں۔ ہم نے اپنے گھروں کو تو سجا لیا، گھروں میں تو کام والیاں رکھ لیں، گھروں میں تو صفائی کا اہتمام کر لیا، لیکن اللہ تعالیٰ کے

گھروں کی صفائی کون کرے گا؟ کل قیامت میں ہمارا گریبان پکڑا جائے گا کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے گھر کی صفائی کا کوئی اہتمام کیوں نہیں کیا؟

ہمیں غور کرنے کی ضرورت ہے کہ جس مسجد سے ہمیں یہ پیغام دینا چاہیے کہ صفائی اور طہارت ایمان کا حصہ ہے اسی مسجد کو ہم نے گندگی کا مرکز اور اکھاڑا بنا کر رکھ دیا۔

ایک غلط فہمی کا اِزالہ:

بعض لوگ یہاں دھوکے میں پڑ جاتے ہیں کہ حدیث شریف میں یہ بات بھی ملتی ہے کہ سادگی ایمان کا حصہ ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ أُمَامَةَ الْحَارِثِيِّ عَنْ أَبِيْهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "البَذَاذَةُ مِنَ الْإِيْمَانِ."[۱]

تو معلوم ہونا چاہیے کہ سادگی اور گندگی میں زمین آسمان کا فرق ہے، سادگی اور گندگی کو مِکسَپ (Mixup) نہ کر دیا جائے۔ سادگی کے ساتھ، کم خرچ کے ساتھ بھی صفائی کا اہتمام ہو سکتا ہے۔ اس گندگی پر بہت سارے لوگ سادگی کا لیبل چپکا دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ تو سادگی ہے، مسجدیں تو اسی طرح ہونی چاہیے، سادہ ہونی چاہیے۔ سادہ ہونے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اس کو گندا رکھا جائے، اس کی صفائی کا اہتمام نہ کیا جائے۔

مسجد کی تعمیر کے بعد اُس کی خبر گیری بھی ضروری ہے:

مسجد بنا لینے کے بعد ذمے داران پوری نگرانی رکھیں۔ بہت سی مساجد کے بارے میں سنا جاتا ہے کہ تین کروڑ میں، پانچ کروڑ میں، دس کروڑ میں مسجد تعمیر ہوئی، خوب خرچ کر دیا،

---

(۱) سنن ابن ماجه / كتاب الزهد / باب من لا يؤبه له / رقم الحديث : ٤١١٨.

تمام قسم کی سہولیات اس میں مہیا کر دی گئیں، لیکن اس کے بعد کا اہم مرحلہ اس مسجد کی صفائی کا ہے، نظافت وحفاظت کے ساتھ اس کو مینٹین (Maintain) اور دیکھ بھال کرنا زیادہ اہم ہے۔

بہت سی جگہوں پر لوگ رقم نہیں نکال پاتے، رقم نکالتے ہیں تو پھر مسجد کی خبر گیری اور اس کی صفائی کا انتظام کرنے کے لیے وقت نہیں دے پاتے کہ صفائی اہتمام کے ساتھ ہو رہی ہے یا نہیں؟ اس کو چیک (Check) کرنے کا ذمے داران کے پاس وقت نہیں ہوتا، اگر یہی عذر واقعی ہو تو اللہ کے واسطے مسجد کی صفائی وحفاظت وغیرہ کی ذمے داری کسی ایسے شخص کو سپرد کر دو جو ان کاموں کے لیے اپنا وقت برضا ورغبت فارغ کر سکتا ہو، اس لیے کہ بستی والے متولیانِ مسجد پر ہی بھروسہ کرتے ہیں کہ جب انھوں نے ذمے داری سنبھالی ہے تو وہ مسجد کی حفاظت ونظافت کا خیال رکھیں گے۔

مسجد کی ایسی چیزیں جو بار بار استعمال ہوتی ہیں، اور سالہا سال سے خراب ہو جانے کے باوجود انھیں کسی بھی طرح چلا لیا جاتا ہے، یہ مزاج بدلنے کی ضرورت ہے، جب ہم اپنے گھروں میں اس بات کا اہتمام کرتے ہیں کہ میرے گھر کی ہر چیز اچھی سے اچھی ہو، تو پھر یہ جذبہ اللہ کے گھر کے ساتھ کیوں نہیں؟ مسجد کے لیے بھی ہماری کوشش یہی ہونی چاہیے کہ اس کی ہر چیز اچھی سے اچھی ہو، کئی دفعہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ مسجد میں وعظ کے لیے کوئی بڑے بزرگ تشریف لائے ہیں، اور مائیک ٹھیک سے چل ہی نہیں رہا، پوچھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ کئی سال پہلے خریدا گیا تھا، پھر اُس کی کوئی مرمت واصلاح کی فکر نہیں کی گئی، اور نہ ہی مسجد کے لیے نیا مائیک لانے کی کسی کو فکر ہوئی۔

تولیے کی صفائی کا اہتمام:

مساجد میں وضوخانے کے قریب تولیے (Towel) رکھے جاتے ہیں، تاکہ وضو

سے فارغ ہونے کے بعد مصلی حضرات ان تولیوں سے اپنا ہاتھ منہ پونچھ سکیں، بڑے ہی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اکثر مساجد میں تولیے کے قریب جانے کی بھی ہمت نہیں ہوتی، دور ہی سے بیچارہ بد بو پھیلا کر بزبانِ حال اپنی بدحالی کا شکوہ سنا رہا ہوتا ہے کہ مجھے کسی نے نہ دھویا ہے، نہ تبدیل کیا ہے! بس کئی دِن ہو گئے لٹکا کر رکھا ہے، ظاہر سی بات ہے کہ روزانہ پانچ وقت جب وہ استعمال ہوگا تو اُس پر دھبے اور میل کچیل تو لگے گا ہی، اُسے روزانہ بدلنے اور دھونے کا مستقل نظم کیا جائے یہ ضروری ہے۔ اور اگر کسی وجہ سے اس کے دھونے اور بدلنے کا نظم نہیں کر سکتے تو خدارا اُس کو لٹکا کر نہ رکھیں، میل کچیل کے دَھبے اور بدبو کے ساتھ جب اُسے لٹکا کر رکھا جاتا ہے تو اُس سے سلیم الطبع اور حسّاس لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

مسجد میں بیڑی وسگریٹ پینا:

ہمارے لیے بہت بڑے اَلمیہ کی بات ہے کہ بہت سے حضرات مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے پہنچ رہے ہیں اور باہر بیڑی اور سگریٹ پھونک رہے ہیں یا استنجا خانے میں، دفتر قادیان میں بیٹھ کر ویٹنگ روم (Waiting Room) میں آرام سے پیتے ہیں۔

حالانکہ حدیث شریف میں تاکیدی طور پر بتایا گیا ہے کہ مسجد میں لہسن اور پیاز کھا کر یا بدبو والی چیز کھا کر نہ آئیں، اس سے فرشتوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ أَكَلَ مِنْ هَذِهِ الْبَقْلَةِ الثُّومِ، وَقَالَ مَرَّةً: "مَنْ أَكَلَ الْبَصَلَ وَالثُّومَ وَالْكُرَّاثَ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا؛ فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَتَأَذَّى مِمَّا يَتَأَذَّى مِنْهُ بَنُو آدَمَ."(۱)

(۱) رواه مسلم / كتاب المساجد / باب نهي من أكل ثوما / رقم الحديث : ٥٦٤.

اس حدیث پاک میں صاف طور پر تاکید کے ساتھ نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لہسن اور پیاز وغیرہ بدبودار چیزیں کھا کر فوراً مسجد میں آنے سے منع فرمایا، پھر اس کی وجہ بھی بیان فرمائی کہ اس کی بدبو سے فرشتوں کو تکلیف ہوتی ہے، جس طرح دوسرے انسانوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

اور آج کے ہمارے نوجوان اور بہت سے بزرگ بھی بیڑی، سگریٹ مسجد کے گیٹ (Gate) پر پہنچنے تک پیتے ہیں، پھر منہ کی صفائی کیے بغیر صفوں میں آکر کھڑے ہو جاتے ہیں، نیز بہت سے حضرات سیر ہو کر کھانا کھاتے ہیں، پھر فوراً مسجد کا رُخ کرتے ہیں اور صف میں کھڑے ہو کر ڈکار پر ڈکار لیے جا رہے ہیں، خاص کر رمضان المبارک میں یہ اَذیت ناک عمل زیادہ دیکھا جاتا ہے، کیا ہم کچھ کم کھا کر تراویح نہیں پڑھ سکتے؟ یا اگر کبھی سیر ہو کر کھانا کھا بھی لیا تو کچھ دیر چہل قدمی کر لیں، جس سے تراویح میں سب لوگوں کے درمیان ڈکارنے کی ضرورت ہی نہ پڑے، یاد رکھو کہ ایسی بدبو سے فرشتوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے اور ساتھ میں کھڑے مصلیوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے، یہ حدیث پاک کے خلاف ہے، نیز اس میں ایذائے مسلم بھی ہے۔ اس کا خوب خیال رکھنے کی ضرورت ہے۔

حرمین شریفین میں نظامِ نظافت ونفاست:

سوچنے والی بات یہ ہے کہ تمام مسجدوں کا مرکز مسجد حرام ہے۔ ہم ذرا غور کریں کہ آج بھی جب وہاں ہم صفائی کا نظام دیکھتے ہیں تو دل سے وہاں کی حکومت کے لیے اِس پہلو کی بنیاد پر دُعا نکلتی ہے کہ کس قدر یہاں صفائی کا اہتمام ہے! اللہ عزوجل حرمین شریفین کے دروازے اُمت مسلمہ کے لیے اور مسلمانانِ ہند کے لیے دوبارہ کھول دیں۔ (آمین)

رمضان المبارک میں افطار کے بعد، مغرب کی نماز کے فوراً بعد صفائی ہوتی ہے،

پانچ سات منٹ کے اندر اندر پورا حرم شریف پورا اسٹاف (Staff) اور عملہ صاف کرتا ہے، عقلیں حیران رہ جاتی ہیں کہ خدائی نظام اور اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر یہ صفائی مکمل نہیں ہو سکتی۔حرمِ پاک وہ کتنے اہتمام سے صاف اور کلین (Clean) رکھتے ہیں۔

ہماری مسجدیں بھی اسی مسجد سے جڑی ہوئی ہیں، اسی کی برانچ (Branches) اور شاخیں ہیں، پھر ہم کیوں گندگی کر رہے ہیں؟ کیوں صفائی کا اہتمام نہیں کر رہے ہیں؟

غلاظت و عفونت کا عجیب حال:

مسجد میں گندگی کے متعلق ایک واقعہ سناؤں جو اس عاجز کے ساتھ ذاتی طور پر پیش آیا ہے۔ جمعہ کے روز اس عاجز کا ایک مرتبہ جمعہ کی نماز اور وعظ کی نسبت پر ایک مسجد میں جانا ہوا، جمعہ کی نماز سے کچھ دیر پہلے محراب کے قریب اِمام صاحب کے مصلے کے پاس بیٹھا ہوا تھا، دیکھا کہ وہاں سے کچھ کیڑے نکل کر آرہے ہیں، بہت دیر تک دیکھتا رہا کہ کیا ماجرا ہے؟ پھر مسجد کے ذمے داران کو اطلاع دی کہ دیکھئے! یہ کیڑے کہاں سے نکل رہے ہیں؟ جب مصلیٰ ہٹا کر دیکھا گیا تو وہاں سے ایک مرا ہوا چوہا نکلا، جو غالباً کئی ہفتوں سے مر گیا ہوگا، پھر سڑ جانے کی وجہ سے اُس میں سے کیڑے نکل کر باہر آرہے تھے۔

اندازہ لگاؤ کہ یہ غلاظت کی کس قدر انتہا ہے کہ ایسی جگہ جہاں ہمارے اِمام صاحب پنج وقتہ نماز پڑھاتے ہوئے سجدہ ریز ہوتے ہیں، اُس جگہ کا صاف شفاف اور معطر ہونا تو درکنار، اُس جگہ گندگی کا یہ حال ہے کہ کوئی دو منٹ بیٹھ بھی نہیں سکتا۔

مساجد میں خوشبو کی دُھونی دینا:

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات لکھی ہے کہ مساجد میں خوشبو کی دُھونی دینا

مستحب ہے۔ (احکام المساجد: صفحہ: ۵۴)

حدیث پاک میں اس بات کا ذکر ہے کہ ایک عورت نے گندگی کو صاف کر کے مسجد کو خوشبو لگائی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تحسین فرمائی، اس کو اچھا قرار دیا۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: "رَأَىٰ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُخَامَةً فِي قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ، فَغَضِبَ، حَتَّى احْمَرَّ وَجْهُهُ، فَقَامَتْ امْرَأَةٌ مِنْ الْأَنْصَارِ، فَحَكَّتْهَا، وَجَعَلَتْ مَكَانَهَا خَلُوقًا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا أَحْسَنَ هٰذَا."(۱)

اس حدیث پاک میں صراحتاً اس بات کا ذکر ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد میں قبلہ کی جانب تھوک دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِتنے غضب ناک ہوئے کہ آپ کا چہرۂ انور سُرخ ہونے لگا، جسے دیکھ کر ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا کو آپ کی ناگواری کا احساس ہوا اور انھوں نے اولاً اُسے صاف کر دیا پھر اُس جگہ خوشبو بھی لگائی، اس عمل کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پسند کرتے ہوئے حوصلہ افزا کلمات ارشاد فرمائے کہ انھوں نے کتنا اچھا کام کیا۔

ہمیں چاہیے کہ صفائی کا بھی اہتمام کریں اور مسجدوں کو معطر رکھیں، مسجدوں کو دھونی دیا کریں، مسجد میں نظافت ونفاست کا اہتمام ایسا ہو کہ اگر کوئی بندہ مسجد میں آیا ہے تو بلا ارادہ بھی اُسے مسجد میں ٹھہرنے کا جی چاہے، مسجد میں بیٹھ کر اُس کا تلاوت اور نوافل میں دِل لگ جائے۔ یہ اُسی وقت ہوگا جب مسجد صاف ہو۔

مسجد کی صفائی ہر فرد کی ذمے داری ہے:

یہاں ایک بات یہ بھی ملحوظ رہے کہ مسجد کی صفائی کا خیال رکھنا صرف متولیان اور

(۱) رواه النسائي / كتاب المساجد / باب تخليق المساجد / رقم الحديث : ۷۲۸.

ذمے دارانِ مسجد ہی کا کام نہیں؛ بلکہ یہ تمام مسلمانوں کی مشترک ذمے داری ہے، اور جب تمام کو اپنی ذمے داری کا احساس ہوگا تب ہی ہماری مساجد صاف رہ سکیں گی، اس کے لیے مسجد میں داخل ہونے والے ہر شخص کو اس بات کا خیال رکھنا ہے کہ میرے کسی بھی کام سے مسجد میں ہرگز کوئی گندگی نہ ہو، پھر ہر شخص اپنی خود کی ذمے داری سمجھ کر جب بھی کوئی گندگی مسجد میں دیکھے تو فوراً اُسے خود صاف کر لے، یا اگر خود نہ کر سکے تو اپنی نظر کے سامنے ہی کسی کے پاس کروالے، اس موقع پر یہ نہ سوچے کہ یہ ذمے داری تو متولیانِ مسجد کی ہے؛ لہٰذا وہی صفائی کروائیں، نہیں؛ بلکہ مسجد کی صفائی وستھرائی کا خیال رکھنا ہر فرد کی ذمے داری ہے۔ بے شک اگر متولیانِ مسجد نے جان بوجھ کر مسجد کی صفائی وستھرائی کا دھیان نہیں رکھا تو یہ اُن کی کوتاہی ہے، لیکن اس وجہ سے دوسرے لوگ سبک دوش نہیں ہو جاتے، مسجد کی صفائی وستھرائی کا خیال رکھنا ہر ایک کا اخلاقی فریضہ بھی ہے۔ اور مسجد میں آنے والا ہر شخص یہ سوچے کہ مسجد کی صفائی وستھرائی کا خیال رکھنا میری سعادت مندی ہے، میں اگر مسجد کی صفائی کروں گا تو میرے لیے اللہ تعالیٰ جنت میں گھر بنائیں گے۔

اسی کے ساتھ یہ بات بھی ضروری سمجھی جائے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ دیا ہے اُس مال میں سے اپنی طاقت کے مطابق مسجد کا بھی ایک حصہ رکھیں، جس سے مسجد کی صفائی ستھرائی اور ضروری چیزوں کا انتظام ہو سکے۔ علاوہ ازیں مسجد کی صفائی وستھرائی کے لیے اپنا وقت بھی لگائیں، اس لیے کہ ہر کام صرف پیسوں سے پورا نہیں ہو جاتا، وقت بھی درکار ہوتا ہے، جب تمام لوگ مل کر مسجد میں اپنی طاقت کے مطابق مال اور وقت لگائیں گے تو مسجد کی صفائی ستھرائی اور نظم ونسق بہتر طور پر برقرار رہے گا۔

مجھے معاف کریں، میں معذرت کے ساتھ کہنا چاہتا ہوں کہ اکثر و بیشتر ذمے

داران تو مسجد کی حاضری سے بھی محروم ہیں، وہ مسجد میں نماز پڑھنے آنے سے محروم ہیں، تو وہ کیا اپنی ذمے داری کو ادا کریں گے! پھر یہاں فنڈ (Fund) کی بھی ضرورت ہوتی ہے، مسجد کے فنڈ کے لیے بہت سی جگہوں پر مسجد سے قریبی ٹچ (Touch) جگہوں میں مسجد کی دُکانیں ہوتی ہیں، اب وہ دوکانیں آج کے مہنگائی کے دور میں دوسو روپیہ، سو روپیہ، پچاس روپیہ کے پرانے کرایے رینٹ (Rent) پر دی ہوئی ہوتی ہیں۔

مسجد کے ٹرسٹیان اور ذمے داران سوچیں کہ میں اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا؟ اگر یہ میری پرسنل پروپرٹی (Personal Property) ہوتی تو کیا میں دوسو روپیہ کرایے میں ان کو دیتا؟ اور جو کرایہ پر رہ رہا ہے وہ بھی ذرا سوچے کہ کیا میں قانون کی آڑ میں مسجد کا حق نہیں مار رہا ہوں؟ مسجد کا حق مار رہے ہیں اور مسجد کو پیسہ نہیں مل رہا ہے تو صفائی کہاں سے ہوگی؟ یہ دُکانیں بنائی اسی لیے گئی تھیں کہ مسجد کو فنڈ ملتا رہے، اب جس جگہ کا کرایہ پندرہ سے بیس ہزار ہونا چاہیے وہ دوسو روپیہ کرایہ دے رہے ہیں، پانچ سو یا ہزار دو ہزار دے رہے ہیں، تو اس طرح جو مسجد کا حق مارتا ہے کل قیامت کے دن اس کا گریبان پکڑا جائے گا کہ اُس نے مسجد کا حق مار دیا، اور اُس کی وجہ سے مسجد میں صفائی ستھرائی اور ضروری چیزوں کا نظم نہیں ہو سکا، فنڈ کم مل پا رہا ہے، امام صاحب کی تنخواہ نہیں ہو پا رہی ہے۔ اور لوگ اس طرح مسجد کا مال دبا رہے ہیں۔

ایک مسئلہ:

مسجد میں کوئی ایسا کام جو نمازیوں کی نماز میں خلل انداز ہو، یا نماز کا خشوع وخضوع جس سے متاثر ہو مسجد میں کرنا درست نہیں ہے۔ اسی طرح اگر مسجد کو صاف رکھیں گے، خوشبو کی دُھونی دیں گے، لوگ فریش (Fresh) ہو کر اچھے مائنڈ (Mind) کے ساتھ، نشاط

کے ساتھ نماز پڑھیں گے تو ذمے داران کو بھی ثواب ملے گا۔

آخری پیغام:

دست بستہ آخری پیغام یہ ہے کہ جس طرح ہم اپنے گھروں کی صفائی کی فکر کرتے ہیں اور اہتمام کرتے ہیں، مسجد کی بھی صفائی کا بھی اہتمام ہو۔ کوئی غیر مسلم آ جائے اور وہ ہماری مسجدوں کا حال دیکھ لے تو وہ کیا تصور لے کر جائے گا کہ دین اسلام کے مراکز اور مساجد ایسے ہی ہیں! اتنے گندے ہیں کہ کوئی پوچھنے والا نہیں، کوئی صفائی کرنے والا نہیں! امت مسلمہ تک اور جہاں جہاں تک اس عاجز کی آواز پہنچ رہی ہے یہ پیغام پہنچنا چاہیے، ہم میں سے ہر ایک کی ذمے داری ہے، ہر ایک کی سعادت ہے کہ مسجد میں جو کچھ بھی گندگی نظر آ جائے فوراً اس کو صاف کرے، جنت میں اپنا گھر بنائے، ذمے دارانِ قوم اس اپیل کو دل کے کانوں سے سنیں اور اپنی مسجدوں کی صفائی کا خصوصی اہتمام کریں۔

اللہ عزوجل اس گنہگار کہنے والے کو اور ہم سب کو توفیق عمل سے نوازیں۔ آمین یا رب العالمین۔

وَأٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن

حسد کی آگ سے بچو

BAYAN QR CODE

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، أَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ الْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِيْدِ، أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ﴾ (البقرة : ۱۰۹)

وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ (النساء : ٥٤)

وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ﴾ (الفلق : ٥)

وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "إِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ، فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ." أَوْ قَالَ: "الْعُشْبَ."[1]

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ، وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ والشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

معاشرے میں سب سے زیادہ پھیلنے والا مرض:

محترم سامعین! آج کی اس مبارک مجلس میں جس عنوان پر بات کرنی ہے وہ ہے ہمارے معاشرے میں سب سے زیادہ پھیلنے والا ایک روحانی مرض یعنی حسد۔ جس کو (Jealousy) کے نام سے جانا جاتا ہے، جسے ہم گجراتی زبان میں 'ઈર્ષા' کہتے ہیں، آج ہمیں اسی کے تعلق سے بات کرنی ہے، اس لیے کہ جب ہمیں بیماری کا پتہ ہوگا تو ہم علاج

(۱) رواه أبو داود / أول كتاب الأدب / باب في الحسد / رقم الحديث : ٤٩٠٣.

تک پہنچیں گے۔ سب سے اہم بات تو یہی ہے کہ بیماری کا احساس ہونا بھی ضروری ہے، جب بیماری کا احساس ہوگا تو بندہ علاج کی طرف متوجہ ہوگا۔

حسد کی حقیقت:

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حسد کی حقیقت اور تعریف ہے:

"تَمَنِّيْ زَوَالِ نِعْمَةِ الْغَيْرِ."(۱)

کسی بندۂ خدا کو حاصل دینی، دنیوی، علمی، عملی، مالی، جسمانی اور اخلاقی وایمانی نعمت الٰہی کو دیکھ کر ناراض ہونا اور دل ہی دل میں اسے ملی ہوئی نعمت کے زوال اور خاتمے کی تمنا کرنا اصطلاحِ شریعت میں حسد کہلاتا ہے۔

پھر عجیب بات یہ ہے کہ جسے جتنی بڑی نعمت ملتی ہے اس پر اتنا ہی زیادہ حسد کیا جاتا ہے۔ اس لیے علامہ سید عبدالمجید ندیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ''جس پر حسد نہ ہو اس میں کوئی خیر نہیں، اور جو محسود نہیں وہ عظیم نہیں، اور سب سے زیادہ محسود تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تھے، جن پر آپ کے قبیلے والوں نے بھی حسد کیا۔''

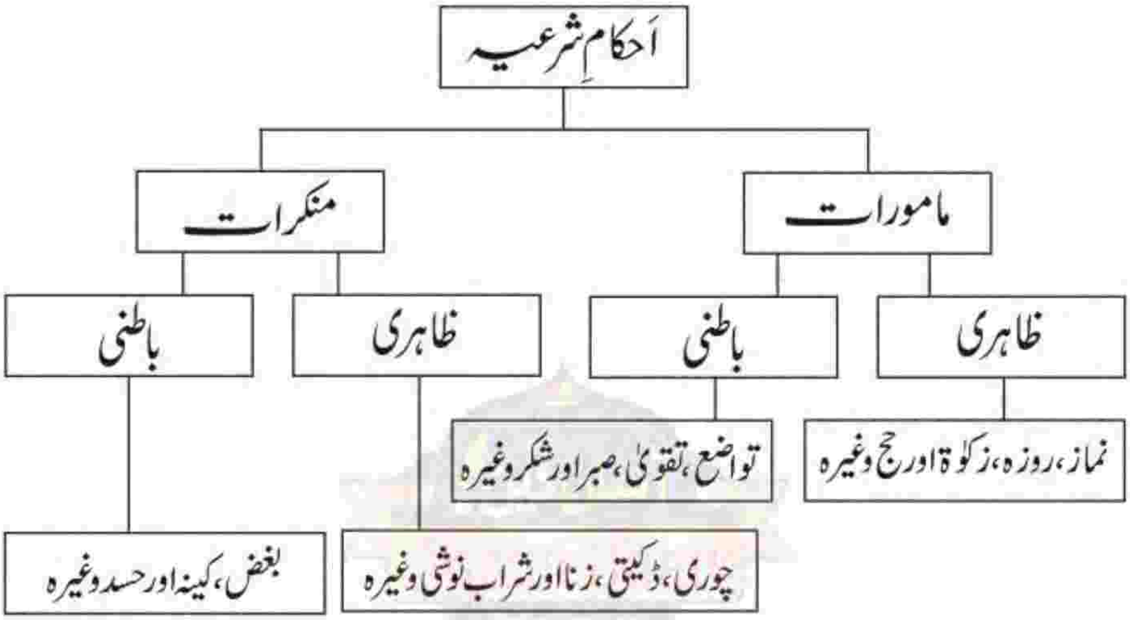
درحقیقت حسد یہ تقدیر الٰہی و تقسیم خداوندی پر ناراضی کا اظہار بلکہ اعتراض ہے، کیوں کہ حاسد کے دل میں یہ ہوتا ہے کہ فلاں شخص کو مال و دولت، جاہ و عزت، علم و حکمت اور حسن سیرت و صورت وغیرہ کی جو نعمت ملی ہے وہ نہیں ملنی چاہیے تھی، قسّامِ ازل، قادرِ مطلق، فعالٌ لما یرید اور عالم الغیب والشہادۃ نے اس کا انتخاب اور سلیکشن (Selection) غلط کیا ہے۔ (العیاذ باللہ العظیم) کبھی کبھی حاسد محسود کے بارے میں زبانِ حال کے ساتھ زبانِ قال سے بھی اس کا اظہار کرتا ہے، ظاہر ہے کہ شریعت مطہرہ میں یہ حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔

---

(۱) شرح المسلم: ۳۱۵/۲.

حسد کونسا گناہ ہے؟

شریعت مطہرہ نے ہمیں جو اَحکام دیے ہیں اور جن کا ہمیں مکلّف بنایا گیا ہے اُن کی اَقسام وامثلہ کو حسبِ ذیل نقشے کے ذریعے سمجھیں:



اس سے معلوم ہوا کہ حسد یہ باطنی منکرات میں سے ہے، یہ ایک خطرناک روحانی بیماری ہے، جس کا پتہ لگانا بھی مشکل ہوتا ہے۔

ظاہری اور باطنی بیماریاں:

جسم کو لگنے والی بعض بیماریاں ظاہری ہوتی ہیں، جن کا اندازہ کرنا اور تشخیص کرنا مشکل نہیں ہوتا، جیسے: زُکام ہوگیا ہو، کوئی زخم لگ گیا ہو، پھوڑا پھنسی وغیرہ نکل آئی ہو، یہ تمام جسمانی ظاہری بیماریاں ہیں، جن کی تشخیص آسان ہے، ان کے لیے مختلف قسم کی تفتیش اور چیک اور ٹیسٹ (Test) وغیرہ کروانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

جب کہ بعض جسمانی بیماریاں ایسی خفیہ ہوتی ہیں جن کا اندازہ لگانا اور تشخیص کرنا

آسان نہیں ہوتا، اس کے لیے چیک اَپ (Chekup) اور ٹیسٹ کروانے پڑتے ہیں، مثلاً بلڈ کینسر (Blood Cancer) ایسی بیماری ہے جو خون کے بہت سے ٹیسٹ کروانے کے بعد ہی معلوم ہوسکتی ہے، یہ خفیہ بیماری ہے جو خود مریض کو بھی جلد محسوس نہیں ہو پاتی، جب ڈاکٹر مختلف قسم کی ٹیسٹنگ کے بعد تشخیص کرتے ہیں تب کہتے ہیں کہ کینسر فلاں اسٹیج تک پہنچ چکا ہے، اب کیموتھیراپی (Chemotherapy) ہوگی، ایسی خفیہ بیماریاں زیادہ مہلک اور جان لیوا شمار ہوتی ہیں۔

اسی طرح روحانی بیماریاں بھی بعض ظاہری ہیں اور بعض مخفی اور باطنی ہیں، جیسے انسان حسد، کینہ، بغض، غصہ اور تکبر وغیرہ کا شکار ہوتا ہے، یہ بیماریاں بھی کینسر کی طرح جلد قابو میں نہیں آتیں۔

روحانی معالج کی ضرورت:

جس طرح جسمانی مخفی بیماری کینسر کے علاج کے لیے ہم ڈاکٹر سے رجوع کرتے ہیں، اسی طرح حسد، کینہ اور بغض وغیرہ باطنی اَمراض کا پتہ لگانا ہے اور اُن کا علاج کرنا ہے تو ہمیں اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھنا ہوگا، اہل اللہ سے رجوع کر کے اولاً ان امراض کو معلوم کرنا ہوگا، پھر یہ بیماریاں دور ہوں اس کے لیے اہل اللہ کے بتائے ہوئے معمولات پر عمل کرنا ہوگا۔

جس طرح ہم جسمانی بیماری ڈاکٹر کو بتاتے ہیں اور اس بیماری کی وجہ سے جو تکلیفیں ہوتی ہیں وہ بھی بتاتے ہیں، کوئی چیز ڈاکٹر سے چھپاتے نہیں، کیوں کہ ہمیں معلوم ہے کہ اگر ڈاکٹر سے بیماری کے متعلق کوئی بھی بات چھپائی تو علاج صحیح طور پر نہیں ہو پائے گا، اسی طرح اپنی روحانی بیماریوں کے متعلق بھی تمام باتوں سے اہل اللہ کو مطلع کرنا ضروری ہے، تب ہی وہ

ہمارا صحیح روحانی علاج کر پائیں گے اور ہماری روحانی بیماریاں دور ہوں گی۔

حسد کے اَسباب:

پھر یہ روحانی مرض کن کن علل اور وجوہ سے ہوتا ہے اس کا حقیقی علم تو اللہ علیم بذات الصدور ہی کو ہے، مگر ظاہری اعتبار سے حسد کے چند اسباب ہیں:

(۱) دشمنی: حسد کا پہلا سبب بغض وعداوت ہے، اکثر جذبۂ عداوت ہی حسد کی راہ ہموار کرتا ہے، اس سبب سے پیدا ہونے والا حسد عام ہوتا ہے، اس میں مساوات کی قید نہیں، ایک پڑھا لکھا اور اَن پڑھ آدمی بھی بڑے سے بڑے شخص سے حسد کر کے اس کا بدخواہ ہوسکتا ہے۔ بدقسمتی سے دورِ حاضر میں آئے دن اس کے نمونے اور مظاہر نظر آتے رہتے ہیں، سماج کے بے کار اور بے توفیق افراد عموماً ہمہ دانی کے مدعی اور جہل مرکب میں مبتلا ہو کر قوم کی قابل رشک علمی وعملی ہستیوں سے حسد کرنے لگتے ہیں اور اُن کی ترقی کی راہ میں خواہ مخواہ حائل ہونے کی بے فائدہ کوشش کرتے ہیں، جس سے ان قابل احترام شخصیتوں کا تو خاص کچھ نقصان نہیں ہوتا خود ان حاسدوں کو بلا وجہ حسد کی آگ میں جلنا پڑتا ہے اور کف افسوس ملنا پڑتا ہے۔

(۲) بڑائی: حسد کا دوسرا سبب فخر وتکبر ہے، چنانچہ اس سبب سے سب سے پہلے آسمانوں پر حسد شیطان نے کیا تھا، جب ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے اپنی خلافت کے لیے پسند فرمایا تو شیطان کے دل میں اپنی بڑائی کا احساس اور کبر کا جذبہ پیدا ہوا، جس کے سبب اس نے حضرت آدم علیہ السلام سے حسد کیا، نتیجہ کیا ہوا؟ شیطان اس کی وجہ سے راندۂ درگاہ ہوا، حکم ہوا:

﴿قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ۝ وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيٓ إِلَىٰ يَوْمِ

الدِّيْنِ﴿۷۸﴾ (صٓ : ۷۸)

''ارشاد ہوا: سوتو (اِس گستاخیٔ نبوّت کے جرم میں) یہاں سے نکل جا، بے شک تو مردود ہے، اور بے شک تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت رہے گی۔''

جس کے دل میں اپنی بڑائی کا احساس اور دوسروں کی حقارت ہوتی ہے وہ عموماً دوسروں کی اچھائی اور نیک نامی دیکھ نہیں سکتا، اس سے اس متکبر کے دل میں جلن اور حسد پیدا ہوتا ہے، جو دراصل شیطانی روِش ہے؛ لہٰذا ایک مؤمن کامل اور عقلمند کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اس ملعون کی چال چلے۔

(۳) ہم عصری: حسد کا تیسرا سبب محسود اور صاحب نعمت کا ہم عصر، ہم عمر اور ہم درجہ و ہم مرتبہ ہونا ہے، بعض اوقات معاصرین میں سے کسی کو جب دینی یا دُنیوی نعمت ملتی ہے تو اس کے سبب بھی حسد ہوتا ہے کہ یہ ہمارے لیول (Level) اور لائن کا آدمی ہے، پھر ہم پر فوقیت کیسے لے گیا؟ اپنے ہم عصر کی برتری بعض لوگ دیکھ نہیں سکتے؛ اِسی لیے کہا گیا: "اَلمعَاصَرَةُ أَصْلُ المنَافَرَةِ." یوں تو یہ بات ہر لائن کے لوگوں میں پائی جاتی ہے، لیکن افسوس صد افسوس کہ کبھی کبھی بعض خواص بھی اس میں ملوث نظر آتے ہیں۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ.

(۴) حب جاہ و حب مال: حسد کا چوتھا سبب شہرت اور دنیا کی محبت ہے۔ جب حاسد پر اس کا غلبہ ہوتا ہے تو ان چیزوں کو وہ محسود کے پاس دیکھ کر حسد کرنے لگتا ہے کہ جیسی عزت، دولت، شہرت اور حسن سیرت وصورت وغیرہ چیزیں اُسے ملی ہیں یہ سب کچھ مجھے ملنی چاہیے تھیں، پھر نہ ملنے کی صورت میں حسد ہونے لگتا ہے۔

حسد انتہائی خطرناک بیماری:

جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسد سے بچنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

"إِيَّاكُمْ وَالحَسَدَ" یعنی حسد سے بچتے رہو۔ عربی زبان میں لفظ "إِيَّاكَ" کسی خطرناک چیز سے بچنے کی تاکید کے لیے بولا جاتا ہے، کسی کو متنبہ (Attention) کرنے کے لیے بولا جاتا ہے، مثلاً کسی کو سانپ، بچھو اور شیر وغیرہ سے ہوشیار کرنا ہو تو اس وقت استعمال ہوتا ہے، اسی طرح یہاں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے؛ اس لیے کہ جب حسد کی بیماری کسی کو لگ جاتی ہے تو وہ انسان کا اندرون برباد کر دیتی ہے۔

آگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے، جل جانے کے بعد لکڑی کے وجود کا پتہ تک نہیں چلتا، اسی طرح حسد ہمارے اعمالِ صالحہ مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ کو اسی طرح برباد کر دیتا ہے، یعنی اُن اعمال کا حسن وکمال مٹ جاتا ہے۔

حدیث پاک کے اسی مضمون کو رومیِ زمانہ حضرت حکیم العصر مولانا حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مثنوی میں اس طرح بیان فرمایا ہے: ؎

مصطفیٰ فرمود: نیکی را حسد

ہمچو آتش چوب ہا را می خورد

حسد کا ایک نقصان یہ بھی ہوتا ہے کہ حاسد حسد کی وجہ سے حسرت میں مبتلا ہو کر بعض اوقات ڈیپریشن (Depression) تک کا شکار ہو جاتا ہے، حاسد محسود کے بارے میں دل ہی دل میں غلط اور برا سوچ سوچ کر جلتا رہتا ہے، کیوں کہ حسد کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حاسد اپنی تکلیف سے زیادہ محسود کی خوشی سے پریشان ہوتا ہے اور اپنی راحت سے زیادہ محسود کی تکلیف سے خوش ہوتا ہے، اپنے دُکھ سے اِتنا دُکھی نہیں ہوتا جتنا محسود کے سُکھ سے دُکھی ہوتا ہے۔

فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''حسد کے اثرات محسود تک پہنچنے سے پہلے ہی حاسد کو پانچ قسم کے نقصانات ہوتے ہیں: (۱) دائمی غم وفکر۔ (۲) بلا اجر مصیبت۔ (۳) ناقابلِ تحمل مذمت۔ (۴) اللہ پاک کا غضب۔ (۵) عمل اور نیکی سے محرومی۔''[۱]

تین گناہ جن سے اَعمال ضائع ہوجاتے ہیں:

قرآن وسنت میں تین گناہ ایسے بیان کیے گئے ہیں جن کے کرنے سے بندے کے سارے اعمال حبط ہوجاتے ہیں:

(۱) ان تین گناہوں میں سے ایک شرک ہے، جس کے متعلق ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٦٥﴾﴾ (الزمر:٦٥)

''اور فی الحقیقت آپ کی طرف (یہ) وحی کی گئی ہے اور اُن (پیغمبروں) کی طرف (بھی) جو آپ سے پہلے (مبعوث ہوئے) تھے کہ (اے انسان!) اگر تُو نے شرک کیا تو یقیناً تیرا عمل برباد ہوجائے گا اور تُو ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔''

(۲) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ اونچی آواز میں بات کرنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿٢﴾﴾ (الحجرات : ٢)

''اے ایمان والو! تم اپنی آوازوں کو نبیِ مکرّم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آواز سے زیادہ بلند مت کیا کرو اور اُن کے ساتھ اِس طرح بلند آواز سے بات (بھی) نہ کیا کرو جیسے تم ایک

(۱) تنبیہ الغافلین مترجم رصفحہ: ۱۹۵۔

دوسرے سے بلند آواز کے ساتھ کرتے ہو۔ (ایسا نہ ہو) کہ تمھارے سارے اعمال ہی (ایمان سمیت) غارت ہوجائیں اور تمھیں (ایمان اور اعمال کے برباد ہوجانے کا) شعور تک بھی نہ ہو۔''

علما نے لکھا ہے کہ یہ حکم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں بھی تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد بھی ہے۔ بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ حج وعمرہ میں جانے والے دیکھتے ہی ہوں گے کہ جب روضۂ اقدس پر حاضر ہوتے ہیں تو کس طرح شور اور ہنگامۂ محشر بپا ہوتا ہے، بہت ڈرنے کی بات ہے کہ کہیں ہماری اس گستاخی پر اللہ تعالیٰ کی پکڑ نہ آجائے، کتنے افسوس کی بات ہے کہ ابھی حج وعمرہ کیا ہی ہے، پھر فوراً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کا گناہ بھی ہو رہا ہے، یہ گناہ ایسا ہے کہ اس سے بھی اعمال ضائع اور حبط ہوجاتے ہیں۔

(۳) حسد کے بارے میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے نیکیاں برباد ہوجاتی ہیں۔ (۱)

حسد اعمال کو بھسم کردیتا ہے:

حدیث پاک میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسد کو آگ سے تشبیہ دی ہے، آگ کی خاصیت یہ ہے کہ وہ لکڑی کو جلاتی ہے، راوی کو شک ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "الْحَطَبَ" فرمایا یا "الْعُشْبَ" (گھاس) فرمایا، تو آگ گھاس کو لکڑی سے بھی زیادہ جلد جلا دیتی ہے،

---

(۱) نوٹ: یہاں ایک وضاحت ضروری ہے کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک چوں کہ گناہوں سے اعمال حبط (مکمل طور پر ضائع) نہیں ہوتے۔ (جیسا کہ معتزلہ کا خیال ہے) اس لیے اس قسم کی احادیث کی تشریح میں حضراتِ محدثین فرماتے ہیں کہ نیکیوں کو مٹانے (حبط) کا مطلب یہ ہے کہ نیکیوں کا حسن وکمال مٹ جاتا ہے۔ (مفتاح الاسرار: ۱/ ۳۲۷)

حاصل یہ کہ آگ جس طرح لکڑی یا گھاس کو جلا کر راکھ بنا دیتی ہے اسی طرح بندے کے نیک اعمال کو حسد ضائع کر دیتا ہے۔

آگ کی خاصیت ہے کہ اولاً وہ لکڑی کو جلاتی ہے، جب لکڑی مکمل جل جاتی ہے تو پھر آگ خود جلتی رہتی ہے، اسی طرح حسد کرنے والا دوسروں کی نعمتوں کو دیکھ کر حسد کرتا ہے تو اولاً اُس کی نیکیاں جلتی ہیں، پھر جب جلتے جلتے اُس کی نیکیاں ختم ہو جاتی ہیں تو وہ خود جلنا شروع ہو جاتا ہے، اور اپنے آپ کو جلاتے جلاتے قبر کے گڑھے تک پہنچ جاتا ہے۔ حسد کا علاج جلدی نہیں ہو پاتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

حسد کے سلسلے میں اقوالِ سلف:

ایک اللہ والے فرماتے ہیں کہ ''حسد ایسا زخم ہے جس کا کوئی مرہم نہیں، اس کا مکمل علاج ضروری ہے۔''

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ارشادات میں ایک بات ملتی ہے کہ ''مجھ سے جو بھی ناراض ہو جائے، قطع تعلق کر لے، میں اس کو راضی کر سکتا ہوں؛ لیکن جو مجھ پر حسد کرتا ہو اُسے میں کبھی راضی نہیں کر پاؤں گا۔''

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے: ؎

كُلُّ الْعَدَاوَةِ قَدْ تُرْجٰى مَوَدَّتُهَا إِلَّا عَدَاوَةَ مَنْ عَادَاكَ عَنْ حَسَدٍ[۱]

یعنی تمام عداوتوں کو مصالحت و مفاہمت کے ذریعے ختم کیا جا سکتا ہے، لیکن حسد کی وجہ سے پیدا ہونے والی دشمنی کبھی ختم نہیں ہوتی۔

کسی نے بڑے پتے کی بات کہی ہے کہ ''حسد ایسی بیماری ہے جس کی آنکھ نہیں

---

(۱) ديوان الإمام الشافعي / ص : ۷۰.

ہوتی، لیکن کان بہت بڑے ہوتے ہیں۔'' مطلب یہ ہے کہ حاسد کی عادت ہوتی ہے کہ محسود کی کوئی ادنیٰ سی کوتاہی یا عیب جان لیا تو فوراً اُسے بڑا بنا کر اپنی جانب سے کچھ باتیں ملا کر پیش کرے گا، سوشیل میڈیا (Social Media) میں مرچ مصالحہ لگا کر نشر کرے گا۔ اور اس کام سے حاسد کو خوشی ملتی ہے۔

امامِ تعبیر حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''میں نے الحمدللہ کبھی کسی پر حسد نہیں کیا، کیوں کہ محسود اگر جنتی ہے تو اس پر حسد کرنے کا کیا مطلب؟ اور اگر وہ جہنمی ہے تو اس پر بھی حسد کرنا بے معنیٰ اور بے فائدہ ہے۔'' یعنی حسد کرنا بہر حال فائدے سے خالی عمل ہے۔

اس لیے عاجز کا خیالِ ناقص یہ ہے کہ حسد کی آگ میں جل کر کباب ہو جانے سے محبت کی فضا میں کھِل کر گلاب ہو جانا بہتر ہے۔

حسد اِتنا بڑا گناہ کیوں ہے؟

حسد اِتنا خطرناک گناہ کیوں ہے جس کی وجہ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے بچنے کے لیے تاکیدی طور پر "اِیَّاکُمْ" فرمایا؟ علما نے لکھا ہے کہ اس کی قباحت کی دو بنیادی وجہیں ہیں:

(۱) اعتراض علی قدر اللہ۔ حاسد درحقیقت اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر سوال اُٹھا رہا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس بندے کو یہ نعمت کیوں دی؟ اس کی تقدیر میں یہ نعمت کیوں لکھی؟ حالانکہ عبدیت کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی قضا پر ہمیشہ رضامند رہے، جو کہ ایمان کا جزء بھی ہے۔

(۲) حاسد حسد کر کے گویا اپنا استحقاق جتاتا ہے، وہ زبانِ حال سے یہ کہہ رہا ہوتا ہے کہ اُس بندے کو جو نعمت ملی ہے وہ اُس کا حق نہیں تھا، حق تو میرا تھا، مجھے ہی وہ نعمت ملنی

چاہیے تھی۔ ظاہری بات ہے کہ کسی بھی بندے کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنی جانب سے یہ فیصلہ کرے کہ اُسے کون کونسی نعمت ملنی چاہیے۔

غبطہ اور حسد میں فرق:

یہاں یہ بات بھی نوٹ کرنے کی ضرورت ہے کہ عربی زبان میں ایک لفظ ہے: "غِبْطَةٌ" جس کے معنیٰ ہیں رَشک کرنا، یہ جائز ہے۔ اور دوسرا لفظ "حَسَد" ہے، جو کہ ناجائز اور حرام ہے۔

دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ رَشک کی حقیقت یہ ہے کہ کسی بندے کی کوئی نعمت دیکھ کر بندہ دل میں تمنا کرے کہ اُس بندے کے پاس جو نعمت ہے وہ مجھے بھی مل جائے، یعنی اُس بندے کے پاس بھی وہ نعمت باقی رہے اور مجھے بھی ملے، مثلاً کسی بندے کا اچھا کپڑا، اچھا مکان یا گاڑی دیکھ کر یہ تمنا کرے کہ اُس بندے کے پاس یہ نعمتیں باقی رہیں اور مجھے بھی اُس جیسی نعمتوں سے اللہ تعالیٰ نوازے۔ یہ جائز ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں۔ جب کہ حسد میں یہ ہوتا ہے کہ دوسرے کی نعمت کے زوال کی تمنا کی جاتی ہے، اس لیے وہ حرام ہے۔

دو قابلِ رَشک نعمتیں:

حدیث پاک میں رسول اللہ کا ارشادِ گرامی ہے:

عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ أَتَاهُ اللّٰهُ الْقُرْآنَ، فَهُوَ يَقُومُ بِهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالاً ، فَهُوَ يُنْفِقُهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ."(۱)

یعنی دو چیزوں کے علاوہ کسی بھی بات میں حسد جائز نہیں، علما نے لکھا ہے کہ یہاں

(۱) رواه مسلم / باب فضل من يقوم بالقرآن ويعلّمه / رقم الحديث : ۸۱۵.

حسد سے مراد غِبطہ یعنی رَشک کرنا ہے۔ ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے علم قرآن سے نوازا ہو، جو رات دِن قرآنِ پاک کی تلاوت کرتا ہو، اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے نوازا ہو، جس مال میں سے وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں رات دِن خرچ کرتا ہو۔

یہ دونوں بندے ایسے ہیں جن سے رَشک کیا جا سکتا ہے، یعنی قرآن جاننے والے اور اس پر عمل کرنے والے کو دیکھ کر ہمیں بھی رَشک ہونا چاہیے کہ میں بھی اس بندے جیسا عالم قرآن اور عامل قرآن بن جاؤں۔ نیز اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے والے سخی و رئیس کو دیکھ کر یہ رَشک کرنا بھی جائز ہے کہ میں بھی اس بندے کی طرح اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا مال لٹا دوں، میں بھی خدمت خلق میں اپنا مال خرچ کروں۔

رَشک بھی ایک حد تک ہونا چاہیے:

اس موقع پر ایک بات یہ بھی دھیان میں رکھنی چاہیے کہ رَشک اور حسد کے درمیان بہت باریک فرق ہے، اس لیے بندہ رَشک کرتے ہوئے کب حسد کی حدود میں داخل ہو جائے اُسے پتہ تک نہیں چلتا، اس لیے علما نے فرمایا ہے کہ رَشک کی بھی حدود متعین ہیں، اس میں حد تجاوزی کرنا کبھی حسد میں مبتلا کر سکتا ہے۔

حسد کے تین درجے:

علمائے محققین نے حسد کی کئی قسمیں بیان فرمائی ہیں:

(۱) پہلا درجہ: یہ ہے کہ حاسد کے دل میں یہ تمنا ہو کہ محسود کے پاس جو دینی و دُنیوی کمال اور نعمت ہے خواہ وہ مجھے ملے یا نہ ملے، لیکن اس سے بہرحال زائل اور ختم ہو جائے۔ یہ حسد کی انتہائی گھناؤنی قسم ہے۔ منافقین اسی قسم کے حسد میں مبتلا تھے، وہ مؤمنین

کے ایمان کی دولت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مٹ جانے کے متمنی تھے، اور حسد منافق کا کام ہے، مؤمن کا نہیں۔

(۲) دوسرا درجہ: یہ ہے کہ حاسد کے دل میں یہ آرزو ہو کہ محسود کے پاس جو دینی و دُنیوی کمال اور نعمت ہے وہ اس سے زائل اور ضائع ہو کر مجھے مل جائے، یہ بھی حسد کی بہت بری قسم ہے، بد باطن یہودِ بے بہبود اسی حسد میں مبتلا تھے، وہ لوگ مؤمنین سے ایمان کی دولت ختم ہو جانے کے خواہش مند تھے۔ ان کے متعلق قرآنِ کریم کی صراحت ہے:

﴿وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ﴾ (البقرۃ:۱۰۹)

''بہت سے اہلِ کتاب کی یہ خواہش ہے کہ تمھارے ایمان لے آنے کے بعد پھر تمھیں کفر کی طرف لوٹا دیں، اُس حسد کے باعث جو اُن کے دلوں میں ہے، اس کے باوجود کہ ان پر حق خوب ظاہر ہو چکا ہے۔''

اُن کی اسی عادتِ بد کو دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا:

﴿اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ﴾ (النساء:۵٤)

''کیا یہ (یہود) لوگوں (سے ان نعمتوں) پر حسد کرتے ہیں جو اللہ نے انھیں اپنے فضل سے عطا فرمائی ہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ حسد ہر نعمت پر برا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ﴾ (النساء:۳۲)

''اور تم اس چیز کی تمنا نہ کیا کرو جس میں اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔''

(۳) تیسرا درجہ: یہ ہے کہ یہ خواہش ہو کہ مجھے مل جائے، اُس کے پاس باقی رہے یا فنا ہو جائے اس سے کوئی سروکار نہیں، حاسد کے دل میں محسود کی دینی ودنیوی نعمت کو دیکھ کر صرف جلن اور تکلیف ہو، لیکن اس کا کسی طرح اپنے قول وفعل سے نہ اظہار کرے اور نہ حسد کے مقتضا پر عمل کرے؛ بلکہ محسود کو نقصان پہنچانے سے بھی مکمل اجتناب کرے۔[(۱)]

علما نے فرمایا ہے کہ حسد میں مبتلا یہ شخص ذاتی طور پر بچنے کی کوشش کے باوجود بلا ارادہ مبتلا ہو جائے تو معذور تسلیم کیا جائے گا اور گنہگار نہ ہوگا۔

دُنیا کا سب سے پہلا گناہ:

روئے زمین پر سب سے پہلا گناہ قتل کا ہوا، اس کا سبب بھی حسد ہی تھا، قابیل و ہابیل دونوں حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے تھے، اُن میں سے قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا، قابیل وہابیل دونوں بھائیوں کی جانب سے اللہ تعالیٰ کے نام پر قربانی دی گئی، اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہابیل کی قربانی قبول ہوئی اور قابیل کی قربانی رَد کر دی گئی، اس بات پر قابیل کو اپنے بھائی سے حسد ہو گیا، جس کا اَنجام یہاں تک پہنچ گیا کہ اس نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔

اس واقعے کو قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا:

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾﴾ (المائدۃ : ۲۷)

”(اے نبی مکرّم!) آپ اُن لوگوں کو آدم (علیہ السلام) کے دو بیٹوں (ہابیل و قابیل) کی خبر سنائیں جو بالکل سچی ہے۔ جب دونوں نے (اللہ کے حضور ایک ایک) قربانی

---

(۱) اصلاحی خطبات: ۵/۶۶ (قدیم نسخہ)

پیش کی، سو ان میں سے ایک (ہابیل) کی قبول کرلی گئی اور دوسرے (قابیل) سے قبول نہ کی گئی، تو اس (قابیل) نے (ہابیل سے حسداً و انتقاماً) کہا: میں تجھے ضرور قتل کردوں گا، اس (ہابیل) نے (جواباً) کہا: بیشک اللہ پرہیزگاروں سے ہی (قربانی) قبول فرماتا ہے۔''

اس واقعے سے معلوم ہوا کہ روئے زمین پر سب سے پہلا صادر ہونے والا گناہ بھی حسد ہی کی وجہ سے تھا۔

اِمام الانبیا بھی محسود بنے:

نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی حسد کیا گیا، یہودِ بے بہبود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حسد اس وجہ سے تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت بنی اسماعیل میں سے ہوئی، جب کہ یہود کا انتظار اور چاہت یہ تھی کہ آپ بنی اسرائیل اور بنی اسحاق میں مبعوث ہوں گے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہوئی تو یہود کو بالکل برداشت نہیں ہوا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حاسد بن گئے، آپ کو ستانے لگے، طرح طرح کی تکلیفیں پہنچانے لگے، حتیٰ کہ آپ کے کھانے میں زہر تک ملا دیا، جس کی تکلیف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اخیری عمر تک رہی۔ (۱) یہ تمام تکلیفیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حسد ہی کی بنا پر دی گئیں۔

جو جتنا عظیم اُس کے حاسدین بھی اتنے ہی زیادہ:

یہ بات یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ جس قدر زیادہ نعمتوں سے نوازتے ہیں اُس کے حاسدین بھی زیادہ مقدار میں ہوتے ہیں، لہٰذا کوشش اس بات کی کرنی چاہیے کہ ہم ایسے لوگوں کی نظروں سے بچنے کا اہتمام کریں، آج ہوتا یہ ہے کہ اگر ایک مکان

---

(۱) فتح الباري : ۷ / ۳۸۰.

تعمیر کیا تو نمائش کے لیے کثیر تعداد میں لوگوں کو دعوتیں دی جاتی ہیں، بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ یورپ کی تہذیب اپناتے ہوئے ہمارے یہاں بھی اب پارٹی کلچر (Party Culture) عام ہو گیا ہے، معمولی سے معمولی موقع اور تقریب پر پارٹی کو ضروری خیال کیا جاتا ہے، جس میں خوب شور و ہنگامہ، نمائش اور خرافات ہوتی ہیں، ظاہر سی بات ہے کہ ایسی خرافات میں کسی کی بھی نظر لگنے کے تمام امکانات ہیں۔

نظر بد سے بچنے کے لیے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو جو ہدایت فرمائی تھی اسے قرآنِ پاک میں بیان کیا گیا ہے، یہ ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہے، آپ نے اپنے بیٹوں سے مصر کی جانب روانگی کے وقت فرمایا تھا:

﴿وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ﴾ (يوسف : ٦٧)

''اور فرمایا: اے میرے بیٹو! (شہر میں) ایک دروازے سے داخل نہ ہونا؛ بلکہ مختلف دروازوں سے (تقسیم ہو کر) داخل ہونا۔''

حضرت یعقوب علیہ السلام نے مذکورہ ہدایت اپنے بیٹوں کو اس وقت فرمائی جب وہ مصر غلہ حاصل کرنے کے لیے جا رہے تھے، کہ جب تم مصر میں داخل ہو تو ایک دروازے سے داخل نہ ہوں؛ بلکہ متفرق ہو کر مختلف دروازں سے داخل ہوں، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھائیوں کو ایک ہی جماعت میں دیکھ کر کسی کی حاسدانہ نظرِ بد لگ جائے۔

حسد کے متعلق ایک واقعہ:

کہتے ہیں کسریٰ کے دربار میں ایک مچھیرا ایک خوبصورت مچھلی بطورِ تحفہ لے کر حاضر ہوا، جس کا وزن تقریباً چار کلو تھا، شاہ کسریٰ نے اس کو بخوشی قبول کر لیا اور چار ہزار درہم

انعام میں پیش کیے، یہ دیکھ کر اس کی ایک منہ لگی لونڈی کو حسد ا ہوا، وہ کہنے لگی: ’’حضور! میں اس مچھیرے سے ایک سوال کرنا چاہتی ہوں‘‘ اجازت ملنے پر اس نے پوچھا: ’’یہ مچھلی نر ہے یا مادہ؟‘‘ اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر جواب میں مچھیرا نر کہے گا تو میں کہوں گی کہ بادشاہ کے لیے مادہ مچھلی مفید ہے، اور اگر مادہ کہے گا تو میں نر کی خصوصیات بیان کر کے انعام واپس کرا لوں گی! لیکن مچھیرا بھی بڑا ہوشیار تھا، کہنے لگا: "لَاذَكَرٌ وَّلَا أُنْثٰى؛ بَلْ هِيَ خُنْثٰى!" کہ یہ مچھلی نہ نر ہے نہ مادہ؛ بلکہ یہ تو خنثیٰ ہے۔

بادشاہ اس جواب سے بہت محظوظ و مسرور ہوا اور مزید چار ہزار انعام کا حکم دیا، مچھیرا خوشی خوشی انعام لے کر جانے لگا تو ایک درہم اس کے ہاتھ سے گر گیا، اس نے فوراً اسے اٹھالیا، اب یہ بات دربارِ کسریٰ کے آداب کے خلاف تھی، اس لیے اس حاسد لونڈی کو پھر ایک موقع مل گیا، کہنے لگی: ’’میرے آقا! یہ شخص تو بڑا لالچی اور حریص معلوم ہوتا ہے، آپ نے اسے مالا مال کر دیا، پھر بھی محض ایک درہم زمین پر گرا وہ بھی اٹھالیا، جو دربارِ شاہی کے شایانِ شان نہیں ہے۔‘‘ بادشاہ نے اس کی وجہ پوچھی، تو اس مچھیرے نے کہا: ’’عالی جاہ! بات یہ ہے کہ درہم پر آپ کی تصویر اور نام ہے، اسے زمین پر کیسے پڑا رہنے دوں؟‘‘ جواب سن کر بادشاہ اور زیادہ خوش ہوا اور مزید چار ہزار درہم انعام میں پیش کیے، یہ دیکھ کر مارے حسد کے لونڈی کی حالت اور خراب ہوگئی اور وہ دانت پیس کر رہ گئی۔ حاسد کا انجام یہی ہوتا ہے۔ (از: ماہنامہ حرم/ص:۲۱/بابت: جنوری/ ۲۰۱۲ء)

حسد کے متعلق ایک لطیفہ:

بندہ حسد کے متعلق ایک لطیفہ سنانا چاہتا ہے، اس لطیفے کا تعلق حسد سے ہے کہ حسد کی آگ ہمیشہ بڑھتی ہے، کبھی کم نہیں ہوتی۔

ایک مرتبہ ایک شاعر ایک بادشاہ کے پاس آیا اور بادشاہ کی شان میں تعریفی اَشعار کہے، بادشاہ بہت خوش ہو گیا اور اُسے ایک ہزار روپۓ دیے، اب وزیر کو حسد ہوا کہ اس کو ایک ہزار مل گئے، وہ بادشاہ کا خاص وزیر تھا، اس نے بادشاہ کے پاس جا کر کہا کہ بادشاہ سلامت! ہم برسوں سے آپ کے یہاں کام کر رہے ہیں، لیکن ہماری پوری زندگی میں کبھی ایسا دِن نہیں آیا کہ آپ نے ہمیں ایک دِن میں ایک ہزار روپۓ دیے ہوں، اس نے صرف پانچ منٹ آپ کی تعریف کیا کر دی آپ نے اسے ایک ہزار روپۓ دے دیے؟ بادشاہ نے کہا کہ میں اُس سے وہ روپۓ واپس تو نہیں لے سکتا، البتہ تمھیں اختیار ہے کہ کوئی تدبیر کر کے واپس لے سکتے ہو تو لے لو، اب اس وزیر میں حسد کی آگ بھڑک اُٹھی، مجھے کیوں نہیں ملا اور اُسے کیوں ملا؟ چنانچہ وزیر اُس شاعر کے پاس گیا اور کہا کہ کہاں جا رہا ہے؟ رُک! بادشاہ نے تمھیں جو ایک ہزار روپۓ دیے ہیں وہ ایسے ہی نہیں دیے، اس کے لیے تمھیں کچھ سوالات کے جواب دینے ہوں گے، پہلے ان سوالات کے جواب دو، پھر یہ پیسے تمھارے ہوں گے۔

وزیر نے سوال کیا کہ یہ بتاؤ کہ بادشاہ کی ہتھیلی پر بال کیوں نہیں ہیں؟ بادشاہ بھی سوالات سن رہا تھا! شاعر بہت ہوشیار تھا، اس نے بادشاہ کے سامنے کہا: کیا کہوں؟ بادشاہ سلامت اِتنے سخی ہیں کہ ان کی سخاوت کا دریا ٹھاٹھیں مارتا ہے، وہ اِتنے پیسے لٹاتے ہیں اور اِتنا دیتے ہیں کہ دیتے دیتے ان کی ہتھیلیوں کے بال جھڑ گئے! بادشاہ کو یہ جواب اِتنا پسند آیا کہ اس نے مزید ایک ہزار روپۓ شاعر کو دے دیے، وزیر میں حسد کی آگ اور تیز ہوگئی، اس نے دوسرا سوال پوچھا کہ اب یہ بتا کہ تیری ہتھیلی پر بال کیوں نہیں ہیں؟ شاعر نے اور پیارا جواب دیا کہ کیا کہوں؟ بادشاہ سلامت اس قدر عطیات کی نوازش کرتے ہیں کہ اُن کی

ہتھیلی کے بال دیتے دیتے جھڑ گئے اور ہمارے لیتے لیتے جھڑ گئے! اس جواب پر بادشاہ نے پھر ایک ہزار روپے شاعر کو دیے، وزیر میں حسد کی آگ اور بھڑکی، اس نے آخری سوال کرتے ہوئے کہا کہ بتا! میری ہتھیلی پر بال کیوں نہیں ہیں؟ شاعر نے اور پیارا جواب دیا کہ بادشاہ سلامت کے دیتے دیتے بال جھڑ گئے، ہمارے لیتے لیتے بال جھڑ گئے اور تم جیسوں کے بال کفِ اَفسوس ملتے ملتے جھڑ گئے! بادشاہ نے پھر ایک ہزار روپے شاعر کو دے دیے، اور یوں شاعر کے پاس ایک ہزار کے چار ہزار روپے ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ حسد اور عصبیت کی بیماری سے ہم سب کی حفاظت فرمائے اور جتنی روحانی اور جسمانی بیماریاں ہیں اُن سب سے اللہ تعالیٰ ہم تمام کی حفاظت فرمائے۔

حسد کا علاج:

اس مجلس میں ہم نے حسد کی بیماری سمجھ لی، اُس کے نقصانات بھی ہمارے سامنے آ گئے، اب اس کے علاج کو بھی جان لیجیے!

(۱) حسد سے بچنے کے لیے مؤمن بندے کو سب سے پہلے یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیے کہ میرے حسد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ میں نعوذ باللہ تقدیرِ خداوندی پر اعتراض کر رہا ہوں، اور ظاہر ہے کہ میرے اعتراض سے تقدیر تو بدلے گی نہیں، البتہ میرا اس گناہ سے نقصان ضرور ہوگا؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے کیا جانے والا ہر فیصلہ تقدیر میں لکھا جا چکا ہے، جس کو نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا:

" رُفِعَتِ الأَقْلَامُ، وَجَفَّتِ الصُّحُفُ."(۱)

''تقدیر لکھنے والے قلم اُٹھا لیے گئے ہیں اور نوشتۂ تقدیر سے صحیفے خشک ہو چکے۔''

(۱) رواه الترمذي / أبواب صفة القيامة / رقم الحديث : ۲۵۱٦.

لہٰذا اب حسد کی وجہ سے تقدیر تو بدلنے سے رہی، تقدیر پر راضی رہنا یہی مؤمن بندے کے ایمان کا تقاضا ہے، جو بندہ تقدیر پر راضی رہے گا وہ حسد سے بچ جائے گا۔ ؎

نہ تو ہجر ہی اَچھا، نہ وِصال اچھا
یار جس حال میں رکھے وہی حال اچھا

(۲) حسد سے بچنے کے لیے یہ بات ہمیشہ مستحضر رکھیں کہ دُنیا کی تمام نعمتیں فانی ہیں، تھوڑے ہی دِن کے استعمال کے لیے ہیں۔ ﴿وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى﴾ دارِ آخرت ہی بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے، لہٰذا اگر میں حسد کے بجائے اعمالِ صالحہ میں مشغول رہوں تو مجھے آخرت کی ابدی نعمتیں نصیب ہوں گی۔

قارون کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار دُنیوی مال و دولت دی تھی، اس پر بہت سے لوگوں کی رال ٹپکتی تھی، ﴿يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ﴾ یہ تمنا ظاہر کی، آگے تبصرہ کرتے ہیں: ﴿اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝﴾ (القصص:۷۹) اور قارون سب کے سامنے اپنی قابلیت جھاڑتا تھا کہ یہ تمام دولت مجھے اپنی صلاحیت کے بلبوتے پر ملی ہے، اس پر نیک لوگوں کی جانب سے یہی تنبیہ کی گئی کہ ﴿وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ﴾ ارے لوگو! اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کیا جانے والا ثواب ہی بہتر ہے، کہ وہ ہمیشہ کے لیے باقی رہنے والا ہے، اور یہ مال و دولت تو بس ''چار دِن کی چاندنی، پھر اندھیری رات'' ہے۔

دُنیا کے سریع الزوال ہونے کی مثال یوں سمجھ لیجیے کہ ہم بس (Bus) میں سفر کر رہے ہیں، ایک سیٹ (Seat) خالی تھی جس پر کوئی بندہ ہم سے پہلے آ کر بیٹھ گیا، اب ہمیں کھڑا رہنا پڑا، اس موقع پر ہم اپنے دِل کو سمجھاتے ہیں کہ ابھی کچھ ہی دیر میں ہمارا اسٹیشن آنے والا ہے، تھوڑی دیر کھڑے بھی رہیں گے تو کیا حرج ہے؟ منزل تو قریب ہی ہے۔ اسی

طرح دُنیا بھی چندروزہ ہے، اس میں اگر کچھ نعمتیں نہیں بھی مل سکیں تو کیا نقصان ہوجائے گا؟

(۳) حسد سے بچنے کی ایک تدبیر یہ ہے کہ ہمیشہ دُنیوی اُمور میں نظر خود سے نیچے والوں پر رکھیں، تا کہ جذبۂ شکر پیدا ہو اور حسد سے حفاظت ہو، خود سے اونچے اور دولت مند لوگوں کی حالت کو نہ دیکھیں۔ مثلاً کسی کا مکان کچا ہے اور خود کا پکا مکان ہے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے سوچیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بہتر حال میں رکھا ہے، اگر ہاتھ پاؤں سے معذور شخص کو دیکھیں تو فوراً اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے صحیح وسالم اَعضا والا اور تندرست رکھا ہے۔ ایسے موقع پر بڑے بنگلے اور کوٹھی والوں کو نہ دیکھیں، ورنہ ملال ہوگا کہ میرے پاس یہ نعمت نہیں ہے۔

(۴) ایک مجرب علاج یہ بھی ہے کہ غائبانہ طور پر محسود کے حق میں دعائیں کریں اور لوگوں کے سامنے اس کی تعریفیں کریں، خواہ بہ تکلّف ہی کیوں نہ ہو۔ نیز محسود کے ساتھ محبت واحسان کا معاملہ کریں، اس کے ساتھ سلام میں پہل کریں۔ یہ عمل ہمارے اَسلاف و اکابر کا آزمایا ہوا ہے۔ ان شاء اللہ حسد اس سے ختم ہوجائے گا۔

(۵) معوِّذتین یعنی سورۃ الفلق اور سورۃ الناس پڑھنے کا اہتمام کریں۔ سورۂ فلق میں حاسد کے حسد سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کی حسد سے حفاظت فرمائیں، حاسد بننے سے بھی حفاظت فرمائیں اور محسود بننے سے بھی۔ جتنی باتیں کہی گئیں اُن تمام پر عمل کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں۔ آمین یارب العالمین۔

وَأٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

* * *

سوشل میڈیا کا مُثبت استعمال
اور
ماہِ صفر کے کچھ توہمات

BAYAN QR CODE

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، أَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِيْ الْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ، أَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ۝۶﴾ (الحجرات : ٦)

وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی :

﴿قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ۝۲۷﴾ (النمل : ٢٧)

وَقَالَ اللّٰہُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی :

﴿وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰۤى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّیْطٰنَ اِلَّا قَلِیْلًا۝۸۳﴾ (النساء : ٨٣)

وَعَنْ أَبِيْ هُرَیْرَةَ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : "کَفٰی بِالمرْءِ کَذِبًا أَنْ یُحَدِّثَ بِکُلِّ مَا سَمِعَ."(۱)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ، وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِيُّ الْکَرِیْمُ، وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاهِدِیْنَ والشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

تمہید:

محترم دوستو، بزرگو اور عزیزو! آپ حضرات کے سامنے قرآنِ پاک کی تین آیات

(۱) رواه مسلم / المقدمة / باب النهي عن الحديث بكل ما سمع / رقم الحديث : ٥.

اور ایک حدیث پاک پڑھی گئی، دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس عاجز کو ان آیات و احادیث کی روشنی میں صحیح اور حق بات کہنے کی توفیق عطا فرمائیں اور اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کے جذبے سے کہنا اور سننا نصیب فرمائیں۔ آمین۔

پہلی آیت کریمہ جو سورۂ حجرات کی ہے، اُس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اے ایمان والو! اگر تمھارے پاس کوئی فاسق (شخص) کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کر لیا کرو (ایسا نہ ہو) کہ تم کسی قوم کو لاعلمی میں (ناحق) تکلیف پہنچا بیٹھو، پھر تم اپنے کیے پر پچھتاتے رہ جاؤ۔''

آیت کریمہ کا شانِ نزول:

یہ آیت کریمہ کیوں نازل ہوئی؟ اس کے شانِ نزول کو مختصراً سمجھ لیجیے! ہمارے نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک خسر محترم، اُم المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد گرامی حضرت حارث بن ابی ضرار رضی اللہ عنہ[1] نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اَقدس میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے سامنے ایمان کی دعوت پیش فرمائی، جو انھوں نے بخوشی قبول فرمائی اور ایمان لے آئے، یہ قبیلۂ بنی المصطلق کے سردار اور چودھریوں میں سے تھے، انھوں نے عرض کیا کہ حضور! میں اپنے قبیلے میں جا کر لوگوں کو دعوتِ ایمان دوں گا، اسلام کی طرف بلاؤں گا، اور لوگ ان شاء اللہ میری بات مانیں گے، میں اُن سے نماز اور زکوٰۃ کا اہتمام کرواؤں گا اور جتنے لوگ زکوٰۃ ادا کریں گے اُن سب کی زکوٰۃ جمع کر کے آپ تک پہنچاؤں گا، آپ فلاں دِن کسی ایک شخص کو بھیج دیں، ہم زکوٰۃ کا مال اُن کے سپرد کر دیں گے۔

پھر آپ نے اپنے قبیلے میں جا کر دعوتِ ایمان شروع فرمائی، ایک بڑی تعداد

(١) الإصابة في تمييز الصحابة : ١ / ٦٧٣.

ایمان لے آئی، جب وقت مقرر آ گیا تو نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی جن کا نام ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ تھا اُن کو بھیجا اور فرمایا کہ اُن سے زکوٰۃ کا مال وصول کر کے لے آؤ۔

چنانچہ یہ صحابی زکوٰۃ کا مال لینے کے لیے وہاں پہنچے، بنی المصطلق کے لوگوں نے سوچا کہ اب مقرر دِن آ گیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاصد آتے ہی ہوں گے، ہمیں باہر نکل کر اُن کا استقبال کرنا چاہیے، اس لیے یہ لوگ قبیلے سے باہر استقبال کے لیے نکلے تھے، حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کی اس قبیلے کے ساتھ کچھ پرانی رَنجش تھی، جب یہ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ لوگ قبیلے سے باہر بڑی تعداد میں نکل کر آ رہے ہیں، تو اُن کو خیال ہوا کہ شاید یہ لوگ مجھے قتل کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں، اس لیے وہ واپس لوٹ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہنے لگے کہ انھوں نے زکوٰۃ دینے سے منع کر دیا اور مجھے قتل کرنے پر آمادہ تھے، میں کسی طرح جان بچا کر نکل آیا ہوں۔

پھر نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اَمیر بنا کر ایک دستے کے ساتھ روانہ فرمایا کہ اب اُن سے جنگ ہوگی، پہلے اُن لوگوں نے اپنا اسلام ظاہر کیا اور اب قاصد کو قتل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، یہ تو منافقت ہے، جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنے دستے کے ساتھ وہاں پہنچے اور اُن لوگوں سے ملاقات ہوئی تو حضرت حارث رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ فرمایئے! کیسے آنا ہوا؟ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے تمھارے بارے میں یہ سنا کہ تم لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے منع کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھیجے ہوئے قاصد کو قتل کرنے کی کوشش کی، یہ سن کر حضرت حارث رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہمارے پاس تو کوئی پہنچا ہی نہیں ہے، ہم تو روزانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاصد کا انتظار کرتے ہیں اور ان کے استقبال کے لیے باہر تک نکل کر آتے ہیں۔ جب یہ خلاصہ ہوا تو حضرت خالد بن

ولید رضی اللہ عنہ واپس آئے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حقیقت حال سے مطلع فرمایا۔
(معارف القرآن:۸/ ۱۰۴)

اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی، جس میں اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی کہ اے ایمان والو! جب بھی تمھارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو خوب گہرائی کے ساتھ بات کی تحقیق کرلیا کرو، بات کی حقیقت تک پہنچو! ایسا نہ ہو کہ ناواقفیت کی وجہ سے تم کسی قوم پر حملہ کر دو، پھر حقیقت حال معلوم ہونے پر تمھیں شرمندگی اُٹھانی پڑے۔

خدانخواستہ اسی واقعے میں اگر مکمل تحقیق نہ کی گئی ہوتی اور حملہ کر دیا جاتا تو انجام کیا ہوتا؟ مسلمانوں ہی کی دو جماعتوں کے درمیان خون کا بازار گرم ہو جاتا۔ تو اللہ رب العزت نے اس آیت کریمہ سے ہر مؤمن کو تنبیہ فرمائی ہے کہ جب بھی کوئی خبر تم تک پہنچے تو فوراً اس کے مقتضا پر عمل شروع مت کر دو، اولاً خوب تحقیق و تفتیش کر لیا کرو، صرف کسی کے اِتنا کہہ دینے پر بھروسہ نہ کرو کہ فلاں نے یہ کہا، یا میں نے یہ سنا ہے۔

ہُدہُد ہم سے آگے نکل گیا:

دوسری آیت کریمہ سورۂ نمل کی ہے، جس میں اللہ رب العزت نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک واقعہ بیان فرمایا ہے، اس وقت پورا تفصیلی واقعہ سنانا مقصود نہیں؛ البتہ موضوع، ٹاپک (Topic) کی مناسبت سے کچھ جزئیات کو اجمالاً سن لیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بہت وسیع سلطنت عطا فرمائی تھی، جنات، انسان، چرند و پرند آپ کے تابع کر دیے گئے تھے، ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام ان کی حاضری لے رہے تھے، آپ نے دیکھا کہ پرندوں میں سے ہُدہُد غائب ہے، آپ نے اولاً غیر حاضری کی وجہ دریافت فرمائی: ﴿مَا لِيَ لَآ أَرَى الْهُدْهُدَ﴾ کہ ہُدہُد

دِکھائی نہیں دے رہا؟ کیا بات ہے؟ ﴿لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا﴾ جب وہ واپس آئے گا اور غیر حاضری کا کوئی معقول عذر نہیں بتائے گا تو اُسے سخت سزا دی جائے گی، یا میں اُسے ذبح کر دوں گا، جب ہُدہُد واپس آیا تو اُس نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے عرض کیا: ﴿جِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ﴾ کہ میں آپ کے پاس قومِ سبا کے بارے میں ایک یقینی خبر لے کر آیا ہوں۔

ہُدہُد ایک پرندہ ہونے کے باوجود آج کے سوشیل میڈیائی دور میں جینے والوں سے اچھا تھا، ہم بہت سی غلط خبریں بغیر تحقیق کیے شیئر (Share) کر دیتے ہیں، پھر پوچھنے پر بڑی بے فکری کے ساتھ کہہ دیتے ہیں کہ میرے فون میں فلاں گروپ میں آیا تھا، تو میں نے فورورڈ (Forward) کر دیا، لیکن ہُدہُد بڑا محتاط تھا، اُس نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے عرض کیا کہ میں یقینی خبر لے کر آیا ہوں کہ قومِ سبا کی ایک ملکہ جس کا نام بلقیس ہے، وہ سورج کی پرستش کرتی ہے، اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا:

﴿قَالَ سَنَنْظُرُ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ﴾ (النمل: ۲۷)

’’ہم ابھی دیکھتے ہیں کہ کیا تو سچ کہہ رہا ہے یا تو جھوٹ بولنے والوں سے ہے؟‘‘

ہُدہُد کی جھوٹ بولنے کی مجال نہیں تھی، پھر بھی وہ یقین دِلا رہا ہے کہ میں یقینی خبر لایا ہوں، سنی سنائی، یا گروپ میں آئی تھی ایسا نہیں، پھر بھی حضرت سلیمان علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ ہم چیک اور رِی چیک کریں گے کہ تو سچ بول رہا ہے یا جھوٹ؟ اس سے ثابت ہوا کہ تحقیق ضروری ہے۔

منافقین کی حالت:

تیسری آیت جو سورۂ نساء کی ہے، اس میں اللہ رب العزت نے منافقین کی بزدلانہ حالت بیان فرمائی ہے کہ یہ ایسی قوم ہے کہ جب بھی اُن پر حالات آتے ہیں خواہ وہ اَمن سے متعلق ہوں یا خوف سے، بہر حال وہ ان حالات کے متعلق خوب خبریں شائع کرتے رہتے ہیں، خبروں کی تحقیق نہیں کرتے، صرف پھیلانے میں لگے رہتے ہیں۔

جذبۂ فارورڈ (Forward) کو لگام دو:

اس وقت اِنٹرنیٹ اپنی عالم گیر، وسیع اور بہت سی مفید خدمات کی وجہ سے غیر معمولی اہمیت کا حامل بن گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ اِنٹرنیٹ استعمال کرنے والوں کی تعداد میں آئے دِن غیر معمولی اِضافہ ہوتا جارہا ہے، سرکاری اور غیر سرکاری اِدارے، دفاتر، اسکول، گھروں اورعوامی جگہوں میں اِنٹرنیٹ کے اسیروں کو جابجا دیکھا جاسکتا ہے، کیا عوام اور کیا خواص، کیا بڑے اور کیا چھوٹے، کیا مرد اور کیا عورتیں، کیا بچے اور کیا بوڑھے، تقریباً ہر کوئی اس جال میں پھنسا ہوا نظر آتا ہے، کیوں کہ اِنٹرنیٹ نے کمپیوٹرز اور موبائلز کو الہ دین کا چراغ بنا رکھا ہے؛ اس لیے کہ اِنٹرنیٹ کا استعمال کرنے والا جو بھی اچھی یا بری، کام کی یا بے کار معلومات اس سے طلب کرے تو وہ فوراً حاضر پائے گا، جس کی وجہ سے اِنٹرنیٹ نے دوسری بہت سی چیزوں سے لوگوں کو مستغنی بلکہ غفلت میں مبتلا کر کے اپنا گرویدہ بنالیا ہے۔

آج کے سوشیل میڈیائی دور میں خطبے میں پڑھی گئی آیات کا انطباق کیجیے! ہماری حالت یہی ہے کہ کوئی بھی میسیج آیا نہیں کہ اس کو بغیر تحقیق کے آگے بھیجنا اور سب کے ساتھ شیئر (Share) کرنا لازم کر لیتے ہیں، اس طرح بغیر تحقیق کے کسی بات کو ارسال کرنے پر

بہت زیادہ کنٹرول کرنے کی ضرورت ہے، ہماری اس حرکت سے بسا اَوقات ایسے بڑے نقصانات ہوتے ہیں جن کا ہمیں اندازہ تک نہیں ہوتا۔

پھر چیٹنگ (Chatting) اور شیئر نگ (Sharing) کی یہ داستان یہیں ختم نہیں ہوجاتی؛ بلکہ اِنٹرنیٹ کا ناجائز استعمال کرنے والے اپنے فیس بک، واٹس ایپ، شیئرَ ایٹ، ژینڈر، ژاپیا اوروائی فائی جیسی ایپلیکیشنز (Applications) کے ذریعے اپنے حلقوں اور گروپس (Groups) میں گندی تصاویر اور فلموں کو منتقل کر کے برائیوں کی ترویج واشاعت اور نہ ختم ہونے والے گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں اور اس طرح مذکورہ حدیث کا مصداق بنتے ہیں، جس میں ارشاد فرمایا گیا:

"مَنْ دَعَا إِلىٰ هُدًى كَانَ لَهٗ مِنَ الأَجْرِ مِثْلُ أُجُوْرِ مَنْ تَبِعَهٗ، لاَ يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَيْئًا، وَمَنْ دَعَا إِلىٰ ضَلاَلَةٍ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الإِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ تَبِعَهٗ، لاَ يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ آثَامِهِمْ شَيْئًا."(۱)

جس نے اپنے قول وعمل یا انٹرنیٹ پر چیٹنگ اور شیئرنگ کے ذریعے خیر وبھلائی کی ترویج واشاعت کی، یا اس کا ذریعہ بنا، تو اس خیر کے داعی اور مبلغ کو خود اپنے عمل کا بھی ثواب ملے گا اور اس کی دعوتِ خیر سے جتنے لوگ عمل کریں گے ان سب کا اجر وثواب بھی ملے گا، مثلاً کسی کی فکر، دعوت وتبلیغ یا بیان سن کر یا کتاب پڑھ سن کر ایک لاکھ لوگ نیک اور نمازی بن گئے، تو اس داعی اور مبلغ یا مقرر اور مصنف کو ہر وقت ایک لاکھ لوگوں کی نیکی اور نماز کا ثواب ان نیک نمازیوں کے اجر وثواب میں کمی کیے بغیر ملتا رہے گا۔

لیکن اس کے برخلاف جو شخص "وَمَنْ دَعَا إِلىٰ ضَلاَلَةٍ" کا مصداق بن کر

(۱) رواه مسلم / كتاب العلم / باب من سنّ سنة حسنة أو سيئة / رقم الحديث : ٢٦٧٤.

اپنے قول وعمل یا چیٹنگ اور شیئرنگ کے ذریعے برائیوں اور گمراہیوں کی ترویج واشاعت کرے گا تو اس برائی اور گمراہی کو پھیلانے کا وبال اور عذاب تو اس پر ہوگا ہی، ساتھ ساتھ جن لوگوں نے اس کی پھیلائی ہوئی برائی کا ارتکاب کیا ہوگا ان کے عذاب میں کچھ کمی کیے بغیر ان سب کے برابر عذاب اس برائی کی ترویج واشاعت کرنے والے کو بھی ہوگا۔

اس میں گمراہیوں اور برائیوں کو ایجاد کرنے والوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر تم شر اور برائی کے پھیلنے کا ذریعہ بن گئے (العیاذ باللہ العظیم) تو تا قیامت جتنے لوگ اس برائی کے مرتکب ہوں گے ان سب کا گناہ اور اس کا عذاب تم کو بھی زندگی میں اور موت کے بعد ملے گا، اور یہ تمھارے اس شر اور برائی کو پھیلانے کی سزا ہے جو تم نے اپنے قول وعمل یا اِنٹرنیٹ کی چیٹنگ وشیئرنگ کے ذریعے پھیلائی ہے۔

اب تو یہ شائع کرنے کا شوق اس قدر پروان چڑھ گیا ہے کہ اگر کسی بزرگ سے فون پر کوئی بات ہوئی ہو تو اُسے بھی یوٹیوب (Youtube) پر اَپلوڈ (Upload) کرنا ضروری سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ بغیر اجازت کے بالکل جائز نہیں ہے۔ پہلے اس بزرگ کی اِجازت لینا شرعاً ضروری ہے کہ میں اس بات کو ریکارڈ کر کے یوٹیوب، فیس بک، واٹسیپ وغیرہ پر رکھوں گا۔

سوشل میڈیا کے اس دور میں جب بھی کوئی خبر ہم تک پہنچے، خواہ دین سے متعلق ہو یا دنیا سے، جب تک اس کے مستند اور سچا ہونے کی تحقیق نہ ہو جائے اُسے آگے مت پھیلاؤ، آج اُمت مسلمہ اپنے اسی جذبۂ ارسال کی وجہ سے بہت سے فتنوں میں مبتلا ہو گئی ہے۔ گانے فارورڈ کیے جاتے ہیں، فحش اور بے حیائی والی تصاویر اور باتیں شیئر کی جاتی ہیں، یاد رہے کہ جس طرح گناہ کرنے والے کو گناہ کی سزا ہوگی اسی طرح اس گناہ کی جانب رہنمائی

کرنے والے کو بھی مستقل اس کی سزا ہوگی، قرآنِ پاک میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۫ وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴾ (العنکبوت : ۱۳)

''وہ یقیناً اپنے (گناہوں کے) بوجھ اُٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ کئی (دوسرے) بوجھ (بھی اپنے اوپر لادے ہوں گے) اور اُن سے روزِ قیامت اُن (بہتانوں) کی ضرور پرسش کی جائے گی جو وہ گھڑا کرتے تھے۔''

قیامت کے دِن کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو اپنے گناہوں کا بوجھ اپنے کندھوں پر اُٹھا رہے ہوں گے، اور اسی کے ساتھ دوسروں کے گناہوں کا بوجھ بھی اُن پر رکھ دیا جائے گا، یہ اس وجہ سے ہوگا کہ وہ لوگ دوسروں کے گناہوں کا ذریعہ بنے تھے، خود تو گمراہ تھے ہی، ساتھ میں دوسروں کو بھی گمراہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

اللہ تعالیٰ کے دربار میں جس طرح نیکی کی جانب رہنمائی کرنے والے کو بھی نیکی کرنے والے کی طرح اَجر ملتا ہے، اسی طرح گناہ کی جانب رہنمائی کرنے والے کو بھی اس کی سزا بھگتنی ہوگی۔

ذرا سوچو کہ صرف ایک کلک (Click) کر کے کسی گناہ کی بات کو شیئر کر دیا، موبائل فون پر صرف ایک ٹیپ (Tap) کے ذریعے کسی گانے کو، یا بے حیائی والی تصاویر اور ویڈیوز وغیرہ کو شیئر کر دیا، یہ بہت ہی آسان ہو گیا ہے، لیکن یہ بھی غور کرو کہ ان سب کا گناہ شیئر کرنے والے کے اکاؤنٹ میں جمع ہو رہا ہے، جب نامۂ اعمال کی شکل میں پورے اکاؤنٹ کی ہسٹری (History) یوم الحساب کو کھلے گی تو آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔

ایک واقعہ:

اس مناسبت سے مجھے ایک واقعہ یاد آرہا ہے، جو بندے نے حضرت مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی صاحب دامت برکاتہم سے سنا تھا کہ لکھنؤ میں ایک بچہ چونی لے کر کسی دُکان پر پتنگ خریدنے گیا، وہ چوَنی نقلی تھی، بچے نے وہ چوَنی دُکان والے کو دی اور کہا کہ مجھے پتنگ دے دو، زیادہ بھیڑ ہونے کی وجہ سے دُکان والے نے اُس نقلی چوَنی کی طرف دھیان نہیں دیا اور بچے کو پتنگ دے دی، اب پتنگ ہاتھ میں آتے ہی بچہ مارے خوشی کے چلاتے ہوئے دوڑنے لگا کہ ''چوَنی چل گئی، چوَنی چل گئی'' اس بچے کو کچھ لوگوں نے سن لیا تو انھوں نے یہ کہنا شروع کردیا کہ ''چل گئی، چل گئی''، پھر ایک تیسرا مجمع بھی جڑ گیا، جس نے حاشیہ لگا کر شروع کر دیا کہ ''گولی چل گئی، گولی چل گئی''، اب پورے شہر میں کہرام مچ گیا کہ بھاگو! گولی چل گئی ہے۔ یہی حال آج سوشیل میڈیا کا ہے کہ چلتا کچھ اور ہے اور چلا کچھ اور دیا جاتا ہے۔

ایک لطیفہ:

ایک شخص نے ایک مرتبہ سوچا کہ آج میں اپنی بیگم صاحبہ کی قوتِ ضبط کا امتحان لوں گا کہ اُن کے پیٹ میں بات کتنی دیر تک ٹکتی ہے، لہٰذا اُس نے ایک بکرے کو ذبح کر کے اُس کا سر گھر کے سامنے ایک درخت کے نیچے دفن کر دیا، رات کو گھر واپس ہوا تو منہ لٹکا کر گھر میں داخل ہوا، بیگم صاحبہ سمجھ گئی کہ ہو نہ ہو، کوئی بہت بڑے ٹینشن میں معلوم ہوتے ہیں، پوچھنے لگیں: سرتاج! بتاؤ تو سہی! کیا ہوا؟ بہت اِصرار کے بعد شوہر نے کہا کہ دیکھو! یہ راز میں صرف تمھیں بتاتا ہوں، تم کسی اور کو ہرگز مت بتانا، دراصل مجھ سے ایک قتل ہو گیا ہے، اور زیادہ فکر کی بات یہ ہے کہ مقتول کا سر میں نے اِسی درخت کے نیچے دفن کیا ہے، اب بیگم

صاحبہ بھی ٹینشن میں آ گئیں، اُن کے پیٹ میں درد شروع ہو گیا، اور یہ درد اس وقت تک برقرار رہنے والا تھا جب تک وہ کسی کو یہ راز بتا نہیں دیتیں! موقع پاتے ہی بیگم صاحبہ پڑوسن کے گھر منہ لٹکا کر پہنچ گئیں، پڑوسن ٹینشن میں دیکھ کر پوچھنے لگی: بہن کیا بات ہے؟ بہت ٹینشن میں معلوم ہوتی ہو، بیگم صاحبہ نے اُس کے کان کے پاس جا کر اولاً اسی طرح تنبیہ کی جیسی شوہر صاحب نے کی تھی کہ یہ راز میں صرف تمھیں بتاتی ہوں، تم کسی کو مت بتانا، دراصل میرے شوہر سے ایک قتل ہوا ہے اور مقتول کا سر اسی درخت کے نیچے دفن کیا ہے۔ اب کیا تھا! اب تو راز جاننے والے ایک سے بھلے دو نہیں، تین ہو گئے! عربی زبان میں مثل مشہور ہے:

" السِّرُّ إِذَا جَاوَزَ الاثْنَيْنِ شَاعَ."

یعنی راز اُسی وقت راز رہتا ہے جب اُسے رازدار کے علاوہ کوئی نہ جانتا ہو، اگر وہ کسی بھی ایک کو بتا دے تو پھر وہ کبھی نہ کبھی اِفشا ہو ہی جاتا ہے۔

ہوا یہی کہ پڑوسن نے فوراً پولس میں خبر کر دی، اب پولس محکمے کے لوگ آ دھمکے اور شوہر سے پرسش اور تفتیش شروع کر دی، تو درخت کے نیچے سے بکرے کا سر برآمد ہوا، پولس نے کہا کہ یہ کیا مذاق ہے؟ شوہر نے کہا کہ میں امتحان لے رہا تھا کہ عورت کے پیٹ میں بات کتنی دیر تک ٹکتی ہے!

ہمیں ہر بات کی تحقیق کرنی چاہیے:

ضرورت اس بات کی ہے کہ جو بھی بات ہم تک پہنچے اُس کی تحقیق کریں، بغیر تحقیق کے اُسے یوں ہی آگے نہ چلا دیں، آج بہت سے لوگوں سے اور بہت سے رشتے داروں سے ہم کٹے ہوئے ہیں، اُن میں آدھے سے زیادہ معاملات بدگمانی یا غلط فہمی کی وجہ سے بگڑے ہیں۔ ضرورت ہے کہ ہم پیٹ کے ہلکے نہ بنیں، پہلے کہا جاتا تھا کہ عورتیں پیٹ کی ہلکی ہوتی

ہیں، لیکن اِنٹرنیٹ کی دُنیا نے مردوں کو بھی عورتوں کی صف میں کھڑا کر دیا ہے، ہمارا حال یہ ہے کہ جب بھی کوئی میسیج آیا تو خود پڑھنے سے پہلے ہی اُس کو آگے بھیج دیتے ہیں، کچھ باؤلے تو ایسے میسیج بھیجتے ہیں کہ اس کو دَس لوگوں تک پہنچاؤ تو شام تک تمھیں خوش خبری ملے گی، یا جنت واجب ہو جائے گی! ایسے لوگوں کو کیا کہا جائے؟ کیا تم جبرئیل ہو؟ کیا تمھارے پاس جنت کا سرٹیفکیٹ ہے؟ بہت سے لوگ کسی میسیج کے عنوان میں دیکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے، اُسے فوراً آگے بھیج دیتے ہیں، اولاً یہ تحقیق نہیں کرتے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے بھی یا نہیں؟ اس کام پر حدیث پاک میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے سخت وعید بیان فرمائی گئی ہے:

عَنِ الْمُغِيرَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "إِنَّ كَذِبًا عَلَيَّ لَيْسَ كَكَذِبٍ عَلَى أَحَدٍ، مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ."(۱)

اس حدیث پاک میں صاف طور پر اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب کسی بھی جھوٹی بات کی نسبت کرنا یہ دوسرے تمام جھوٹ کی بہ نسبت زیادہ خطرناک گناہ ہے۔

ماہِ صفر کے بارے میں غلط عقیدہ:

آج یہ موضوع بھی اس لیے اختیار کیا گیا کہ ایک ساتھی کی جانب سے میسیج آیا کہ اس بات کی تحقیق کی جائے کہ ماہِ صفر میں کوئی نحوست ہے یا نہیں؟ پہلی بات تو یہی ہے کہ دین کی جتنی باتیں معلوم ہیں اُن پر عمل پیرا ہو جائیں، اور اگر کچھ پوچھنے کی ضرورت ہو تو جس سے

(۱) رواه البخاري / باب ما يكره من النياحة على الميت / رقم الحديث: ۱۲۹۱.

پوچھا جارہا ہے اُس کے وقت کی بھی رِعایت کریں، رات کو ایک بجے مفتی صاحب کو جگا کر پوچھا جارہا ہے کہ بتایئے! حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام کیا تھا؟ ارے بھائی! اس پر کونسا عمل رُکا ہوا ہے؟ عشا کی نماز نہیں پڑھنی ہے؛ لیکن آدھی رات کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے نام کی تحقیق ضروری لگتی ہے۔

میسیج یہ آیا تھا کہ اس مہینے میں (یعنی ماہِ صفر میں) جو اسلامی سال کا دوسرا مہینہ ہے، بلائیں، آفتیں اور مصیبتیں اُترتی ہیں، اگر اِن بلاؤں سے بچنا ہے تو ''یا سلامُ، یا باسطُ'' اور ''یا حفیظ'' پڑھا کرو۔ یہاں یہ یاد رکھو کہ کوئی وظیفہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن یہ عقیدہ کیسے گڑھ لیا کہ اس مہینے میں بلائیں اُترتی ہیں؟ ایسا لگتا ہے کہ پورا دین گوگل اور واٹس ایپ ہی سے حاصل کیا جارہا ہے، لوگ گوگل ہی کو اصولِ دین میں داخل سمجھتے ہیں، اُسی پر تمام دینی معلومات کو سرچ کرتے رہتے ہیں، اُن کو صحیح و غلط سے کوئی سروکار نہیں، حالانکہ یہ بات یاد رکھیں کہ سوشیل میڈیا پر بہت مخلوط قسم کی بے بنیاد باتیں بھی گردش کرتی رہتی ہیں، گوگل سے حاصل کی جانے والی دینی معلومات ہمیشہ صحیح ہوں یہ ضروری نہیں، مختلف قسم کے فرقوں اور جماعتوں کے لوگ اپنی رَطب و یابس اِنٹرنیٹ پر شائع کرتے رہتے ہیں، اور وہی تمام چیزیں ہمیں گوگل کا سرچ اِنجن (Search Engine) بطورِ رِزلٹ دِکھاتا ہے، عام آدمی کے لیے ایسی معلومات کے بارے میں صحیح یا غلط کا فیصلہ کرنا بہت مشکل ہوتا ہے، اس لیے براہِ کرم دینی معلومات کے لیے ہمیشہ مستند علمائے دین ہی سے رابطہ قائم کریں۔

ماہِ صفر منحوس نہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں بھی یہ عقیدہ تھا کہ یہ مہینہ

منحوس ہے، اُس میں بلائیں، مصیبتیں اور آفتیں اُترتی ہیں۔ اور ''صفر'' کے ایک معنی ہوتے ہیں خالی، اِس لیے اُن کی سوچ یہ تھی کہ یہ مہینہ ہر خیر و برکت سے خالی ہوتا ہے، اور یہی سوچ آج کے گمراہ لوگ بھی رکھتے ہیں کہ اس مہینے میں کوئی خیر و برکت نہیں ہے، اس لیے وہ لوگ اپنی اولاد کی شادی بھی اس مہینے میں نہیں کرواتے، گھر کا افتتاح بھی اس مہینے میں روک دیتے ہیں، غرض کوئی اچھا کام اس مہینے میں نہیں کرتے۔ حالانکہ یہ نری جہالت کے سوا کچھ نہیں۔

بخاری شریف کی ایک روایت ہے:

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ مِيْنَاءَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا عَدْوَى وَلَا طِيَرَةَ، وَلَا هَامَةَ، وَلَا صَفَرَ، وَفِرَّ مِنَ المجْذُوْمِ كَمَا تَفِرُّ مِنَ الْأَسَدِ."(۱)

اس حدیث پاک میں اس بات کی صراحت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ صفر کے مہینے میں کوئی نحوست نہیں ہے۔

اسلام نحوستوں کا قائل نہیں:

یاد رکھنا چاہیے کہ دنیا کے مذاہب باطلہ اور اسلام میں ایک بنیادی فرق یہ بھی ہے کہ اسلام میں نحوست کی کوئی جگہ نہیں۔ افسوس صد افسوس! ایمان و عقیدے کی کمزوری، جہالت اور غیروں کی صحبت کی وجہ سے جہاں بہت سے مسلمانوں نے برادرانِ وطن سے زندگی کے دوسرے شعبوں اور سماجی رسومات و خرافات میں ہندوانہ معاشرت کا اثر قبول کیا وہیں فکر و نظر اور عقیدے کے باب میں بھی بہت سے مسلمان ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے، آج بہت سے مسلمان جہالت کی وجہ سے مختلف قسم کی بدعقیدگی میں مبتلا ہیں، مثلاً کچھ لوگ

(۱) رواه البخاري / كتاب الطب / باب الجذام / رقم الحديث : ٥٧٠٧.

کہتے ہیں کہ گھر پر اُلو بیٹھ جائے تو وہ گھر ویران ہو جاتا ہے، یا بلّی راستے میں سامنے سے گزر جائے تو پورا دِن خراب ہوگا، یا کوّا جس گھر پر بیٹھ کر بولے وہاں مہمان آتے ہیں، وغیرہ۔ ایسی تو نہ جانے کتنی بدعقیدگیاں آج ہمارے مسلمانوں کے معاشرے میں پائی جاتی ہیں جن کا حقیقت سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں۔

اسلامی تعلیم یہ ہے کہ بلائیں، مصیبتیں اور آفتیں آتی ضرور ہیں، لیکن اُن کا کسی خاص وقت، دِن یا مہینے سے کوئی تعلق نہیں، مصیبتیں اور آفتیں آتی ہیں تو وہ ہماری بداَعمالیوں کے سبب آتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآنِ پاک میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ﴿۳۰﴾﴾ (الشورٰی : ۳۰)

''اور جو مصیبت بھی تم کو پہنچتی ہے تو اُس (بداعمالی) کے سبب سے ہی (پہنچتی ہے) جو تمھارے ہاتھوں نے کمائی ہوتی ہے، حالانکہ بہت سی (کوتاہیوں) سے تو وہ درگزر بھی فرما دیتا ہے۔''

اگلی اُمتوں کو بھی جب اُن کے انبیائے کرام علیہم السلام کی جانب سے دعوتِ ایمان دی گئی، اور قوموں نے انکار کر دیا، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی جانب سے نقد عذاب کی شکل میں اُن پر مختلف قسم کی آفتیں آنے لگیں، تو وہ لوگ بھی اُن آفتوں کو اپنے انبیا کی نحوست قرار دیتے تھے۔

جیسا کہ حضرت صالح علیہ السلام سے اُن کی قوم نے یہی کہا تھا:

﴿قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۭ قَالَ طٰۗىِٕرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ﴿۴۷﴾﴾ (النمل : ۴۷)

’’وہ کہنے لگے: ہمیں تم سے (بھی) نحوست پہنچی ہے اور ان لوگوں سے (بھی) جو تمھارے ساتھ ہیں۔ (صالح علیہ السلام نے) فرمایا: تمھاری نحوست (کا سبب) اللہ کے پاس (لکھا ہوا) ہے بلکہ تم لوگ فتنے میں مبتلا کیے گئے ہو۔‘‘

حضرت صالح علیہ السلام کی جانب سے انھیں جواب دیا گیا کہ تمھاری نحوست تمھارے اعمالِ بد ہیں جو اللہ تعالیٰ کے پاس محفوظ ہیں۔

نیز سورۂ یٰسٓ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قاصدین کا جو واقعہ بیان فرمایا ہے، اُس میں بھی اس بات کا ذکر ہے کہ کافر قوم نے اُن قاصدین کو یہی کہا تھا کہ تمھاری وجہ سے ہمیں نحوست محسوس ہو رہی ہے:

﴿قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱۸ قَالُوْا طَاىِٕرُكُمْ مَّعَكُمْ ۭ اَىِٕنْ ذُكِّرْتُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝۱۹﴾ (یٰسٓ: ۱۸، ۱۹)

’’(بستی والوں نے) کہا: ہمیں تم سے نحوست پہنچی ہے اگر تم واقعی باز نہ آئے تو ہم تمھیں یقیناً سنگ سار کر دیں گے اور ہماری طرف سے تمھیں ضرور دردناک عذاب پہنچے گا، (پیغمبروں نے) کہا: تمھاری نحوست تمھارے ساتھ ہے، کیا یہ نحوست ہے کہ تمھیں نصیحت کی گئی؛ بلکہ تم لوگ حد سے گزر جانے والے ہو۔‘‘

میرے بھائیو! حقیقت یہ ہے کہ اگر ایمان قوی ہو، توحید کا عقیدہ مضبوط ہو، اللہ تعالیٰ ہی سے نفع ونقصان اور سب کچھ ہونے اور اس کے غیر سے کچھ نہ ہونے کا پختہ یقین ہو تو ایک مسلمان کبھی ایسے خرافات اور توہمات میں مبتلا ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لیے کہ قرآنِ پاک کے اس فرمان پر ہر مسلمان کا ایمان ہے جس میں ارشاد فرمایا گیا:

﴿قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ (التوبة : ۵۱)

’’کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے مقدر میں جو کچھ لکھ دیا ہمیں اس کے سوا کچھ نہیں پہنچ سکتا، وہی ہمارا رکھوالا ہے، اور اللہ ہی پر ایمان والوں کو بھروسہ کرنا چاہیے۔‘‘

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صفر میں بھی اعمالِ خیر کیے ہیں:

یہ عقیدہ رکھنا کہ ماہِ صفر میں کوئی بھلائی کا کام نہیں ہوتا، یہ نری جہالت ہے، یہ بات یاد رکھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو سفرِ ہجرت کا آغاز بھی اسی مہینے میں فرمایا۔[۱] نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لختِ جگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی مہینے کی دو تاریخ کو ہوا۔[۲] اسی طرح خود جناب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اسی مبارک مہینے میں ہوا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنا بھی اسی مہینے میں ثابت ہے۔[۳] اگر یہ مہینہ خیر و برکت سے خالی ہوتا جیسا کہ جہلا کا عقیدہ ہے تو ایسے اچھے اچھے کام اس مبارک مہینے میں کیوں ہوتے؟

لٰہذا اگر وظائف معمول کے مطابق پڑھتے ہیں تو اچھی بات ہے، لیکن اس نیت سے پڑھنا کہ اُن وظائف سے ماہِ صفر کی نحوست دور ہوگی، یہ بالکل غلط بات ہے۔

میرے عزیزو! بس آج کی اس مبارک مجلس میں یہی دو پیغام بنیادی طور پر دینے ہیں کہ ہم ہلکے پیٹ کے نہ بنیں، فتنوں کی گرم بازاری ہے، سوشل میڈیا کے ذریعے کوئی بھی

---

(۱) سیرتِ مصطفیٰ: ۱/ ۳۸۵۔
(۲) سیرتِ مصطفیٰ: ۲/ ۱۶۶۔
(۳) سیرتِ مصطفیٰ: ۲/ ۴۳۵۔ (کتب خانہ مظہری)

خبر جب ہم تک پہنچے تو سب سے پہلے اُسے خود غور سے پڑھیں، سوچیں، پھر اس کی تحقیق کریں، اور صحیح اور یقینی بات ہو تب ہی اُس کو نشر کریں، کسی بھی بات پر آنکھیں بند کر کے بھروسہ ہرگز نہ کریں۔

اخیر میں اللہ تعالیٰ سے دست بہ دُعا ہوں کہ اللہ رب العزت ہمیں صحیح اور مفید باتیں دوسروں تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائیں، ہمارے عقائد صحیح فرمائیں، ہماری جہالت دور فرمائیں اور تمام کہی سنی باتوں پر عمل کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین یارب العالمین۔

وَأٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

موبائل فون پر بات چیت کے
چودہ (۱۴) آداب

BAYAN QR CODE

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، أَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِيْ الْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ، أَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

﴿وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا﴾ (البقرة : ۸۳)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ، وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِيُّ الْکَرِیْمُ، وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ والشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

تمہید:

محترم ومکرّم سامعین! آج کی ہماری اس مجلس کا عنوان یہ رہے گا کہ موبائل فون، سیل فون کے استعمال اور اس پر بات چیت کے آداب کیا ہیں؟ ظاہر ہے کہ موبائل اور سوشیل میڈیا آج کل ہر ایک کی ضرورت اور زندگی کا جزوِ لاینفک بن چکا ہے۔ ہر انسان کے پاس یہ آلہ موجود ہے، حتیٰ کہ انتہائی غریب اور مانگنے والوں کے ہاتھ میں بھی آج موبائل فون نظر آتا ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے تو اس کو نعمت سمجھ کر استعمال کریں، نعمت کا غلط استعمال اس کو زحمت بنا دیتا ہے، دنیا اور آخرت کی بربادی کا ذریعہ بنا دیتا ہے۔

موبائل فون بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، ہم ذرا تصور کریں کہ پہلے زمانے میں فون کرنے کے لیے کتنے مسائل ہوتے تھے، اگر کسی کا انتقال ہو جاتا تو خبریں پہنچانا کتنا مشکل ہوتا تھا! آج دنیا کے کسی بھی ملک میں کسی کا انتقال ہو تو چند منٹوں میں پوری دنیا میں آگ کی طرح وہ خبر پھیل جاتی ہے۔

موبائل اور سیل فون کے تعلق سے جو ہدایات ہیں ان کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں، لیکن آج کی جو ہماری مجلس ہے اور ہمارا جو آج کا مضمون ٹاپک (Topic) ہے وہ صرف یہ ہے کہ بات چیت کرنے اور کالنگ (Calling) کے آداب کیا ہیں۔ ورنہ موبائل فون کے ایپلیکیشنز (Applications) کے بھی آداب ہیں، اُن کے متعلق بھی کچھ مسائل ہیں، پھر موبائل فون کے استعمال میں جو بے احتیاطیاں عموماً ہوتی ہیں اُن کے بارے میں بھی شرعی ہدایات ہیں۔ آج کا اصل عنوان کالنگ اور بات چیت کے آداب ہے۔

شریعت مطہرہ نے ہمیں ہر چیز کے آداب بتائے ہیں، خطبے میں قرآن مجید کی آیت تلاوت کی گئی اُس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ لوگوں سے بھلی بات کرو۔

اسی طرح حدیث پاک میں نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ اپنے بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملا کرو تو یہ بھی صدقے کا ثواب رکھتا ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ، وَإِنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ: أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ، وَأَنْ تُفْرِغَ مِنْ دَلْوِكَ فِي إِنَاءِ أَخِيكَ."(۱)

موبائل کا ایک سبق آموز نظام:

موبائل فون کے تعلق سے ایک بات اور عرض کر دی جائے جو بندے نے موبائل کے مسیج (Message) غالباً واٹس ایپ (WhatsApp) کے مسیج ہی سے پڑھی تھی، اور بڑی اچھی لگی تھی۔ ایک مرتبہ کسی عالم صاحب نے اپنے وعظ میں واٹس ایپ پر آنے والے کسی مسیج کے تعلق سے پیغام دیا تو لوگ کہنے لگے کہ بھائی! مولانا تو واٹس ایپ کی بات

(۱) روا الترمذي / باب ما جاء في طلاقة الوجه وحسن البشر / رقم الحديث : ۱۹۷۰.

کرتے ہیں۔ تو بھئی! واٹس ایپ کوئی شجرۂ ممنوعہ تھوڑی ہے، کوئی حرام چیز تھوڑی ہے کہ اُس کی بات ہی نہ کی جائے، مان لیجیے واٹس ایپ کے میسج میں اگر قرآن مجید کی کوئی آیت آگئی یا اس کی تشریح وتفسیر آگئی تو کیا اس کو ختم کر دیں گے؟ نعوذ باللہ۔ تو واٹس ایپ کوئی شجرۂ ممنوعہ نہیں ہے کہ اس میں آنے والی بات کو بیان میں کہہ بھی نہ سکیں، اگر اچھی بات ہے، اچھا پیغام ہے تو جہاں سے بھی مل جائے اس کو حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔

اس سلسلے میں بہت کوتاہی ہو رہی ہے، جب کہ اس بارے میں ارشادِ نبوی ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْكَلِمَةُ الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ، فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا."(۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”حکمت کی بات مؤمن بندے کا گم شدہ سرمایہ ہے، جہاں کہیں وہ اس کو پالے تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔“ یعنی علم وحکمت کی بات جہاں سے بھی حاصل ہو جائے اُسے اخذ کر لینی چاہیے، اُس سے متنفر نہیں ہونا چاہیے۔

اس وضاحت کے بعد میں یہ کہنا چاہوں گا کہ ہمیں کبھی اپنا مقصدِ اصلی نہیں بھولنا چاہیے، ایک بات جو اس عاجز نے واٹس ایپ پر غالباً پڑھی تھی کہ ہمارا جو مقصد ہو، ٹارگیٹ (Target) ہو اس کو کبھی نہیں بھولنا چاہیے۔

اور ہم تمام کی تخلیق کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿٥٦﴾﴾ (الذّٰريٰت:٥٦)

---

(١) رواه الترمذي / باب ما جاء في فضل الفقه على العبادة / رقم الحديث : ٢٦٨٧.

''اور میں نے جنّات اور انسانوں کو صرف اسی لیے پیدا کیا کہ وہ میری بندگی کریں۔''

انسانوں اور جنات کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا۔ تو یہی ہمارا اس دنیا میں پیدا ہونے کا مقصد اصلی ہوا، یہ بات یہاں اس لیے عرض کی جا رہی ہے کہ موبائل کو جس نے بنایا ہے، اس کا اصل مقصد وٹارگیٹ کالنگ یعنی بات چیت تھی، تو یہ موبائل فون بے جان ہونے کے باوجود اپنے مقصد اصلی کو ہمیشہ مقدم رکھتا ہے، اُس کو دیگر تمام ایپلیکیشنز پر ترجیح پرایورِٹی (Priority) دیتا ہے، آپ کوئی بھی ایپلیکیشن کھول کر بیٹھو، آپ واٹس ایپ کھول کر استعمال کرو، فیس بک کھول کر استعمال کرو، کوئی کام فون پر چل رہا ہو اور اُس درمیان اگر کال (Call) آ گئی تو مقصد اصلی موبائل فراموش نہیں کرے گا، پہلے نمبر پر کال آ جائے گی، تو یہاں سے ہمیں مورال (Moral) عبرت اور سبق یہ ملتا ہے کہ اے بندۂ مومن! تجھے بھی اپنے مقصد اصلی کو کبھی فراموش نہیں کرنا ہے، بھولنا نہیں ہے۔ تو دنیا کے جس کام میں، جس جھمیلے میں، جس کاروبار میں، زراعت میں ہو، تجارت میں ہو، جہاں بھی ہو، لیکن حکم رب کو نہیں بھولنا چاہیے۔ یہ پیغام یہاں سے ملتا ہے۔ کتنی اچھی بات ہے، اب کوئی کہے کہ یہ بات تو واٹس ایپ پر آئی تھی، اس لیے اس کو چھوڑ دو، اس کی کیا ضرورت ہے! تو ظاہر سی بات ہے کہ یہ حماقت ہے۔

علم وحکمت کی بات جہاں سے لی جا رہی ہے وہ ماخذ اور ذریعہ خواہ برا ہو، لیکن اگر اس سے کوئی اچھی بات مل رہی ہے تو ہمیں اُسے حاصل کر لینے میں دریغ نہیں کرنا چاہیے۔ اس بارے میں ایک عربی مثل مشہور ہے: ''خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا كَدِرَ'' یعنی جو بات اچھی ہو، اُسے حاصل کرلو، اور جو بری لگے اُسے چھوڑ دو۔

ہم نے چودہ باتیں جمع کی ہیں جو موبائل پر بات کرنے کے چودہ آداب ہیں۔

اکثر لوگ جس میں بڑی بے احتیاطیاں کرتے ہیں اور کبھی کبھار تو بدتمیزی ہوتی ہے، مینرس (Manners) اور آداب واخلاق کے خلاف طریقے ہوتے ہیں۔ اس لیے چند آداب ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں:

پہلا ادب:(مقصد خرید)

جب ہم موبائل فون خریدیں تو سب سے پہلے یہ بات سوچیں کہ میں موبائل کیوں خرید رہا ہوں؟ میری اس سے کیا ضرورت وابستہ ہے؟ پرپَس (Purpose) کیا ہے؟ خریدنے کا مقصد کیا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ میں اِسراف اور فضول خرچی کر رہا ہوں؟ اور ایسا موبائل فون تو نہیں خرید رہا ہوں جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا حق اور بندوں کا حق ضائع ہوگا؟ کیوں کہ ایسے لہو ولعب کے لیے خریدی جانے والی اَشیا کے بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝﴾ (لقمٰن: ٦)

’’اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو بیہودہ کلام خریدتے ہیں، تاکہ بغیر سوجھ بوجھ کے لوگوں کو اللہ کی راہ سے بھٹکا دیں اور اس (راہ) کا مذاق اڑائیں، ان ہی لوگوں کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔‘‘

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لیے آخرت میں رُسوا کن عذاب کی وعید بیان فرمائی ہے جو لہو ولعب کی بات اس وجہ سے خریدتے ہوں تاکہ اُس کے ذریعے لوگوں کو گمراہ کیا جاسکے۔

تو موبائل فون خریدنے سے پہلے اچھی طرح سوچ لیں کہ میں کہیں لہو الحدیث تو

نہیں خرید رہا ہوں جو اللہ تعالیٰ اور اُس کی شریعت وسنت سے مجھے دور کردے؟

دوسرا ادب:(کال کے لیے مناسب وقت کا انتخاب)

اب ہم کالنگ کے آداب کو شروع کرتے ہیں۔ موبائل خرید لیا تو اب کالنگ میں سب سے پہلے اس بات کا لحاظ رکھیں کہ اگر ہم کسی کو کال کر رہے ہیں تو مناسب وقت کا انتخاب کریں کہ کس وقت مجھے کال کرنا ہے؟ اس میں یہ بھی خیال رکھیں کہ ایریا وائز (Area Wise) علاقائی اور ملکی اعتبار سے، کنٹری وائز (Country Wise) بھی اَوقات مختلف ہوتے ہیں، ابھی انڈیا (India) میں رات چل رہی ہے، تو امریکہ (America) میں دن چل رہا ہے، دن رات کا بھی فرق ہوتا ہے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ علاقے کے اعتبار سے فرق ہوتا ہے، بعض علاقے کے لوگ چھے بجے، سات بجے عشا پڑھ کے سو جاتے ہیں، تین چار بجے اٹھ جاتے ہیں اور ہمارے یہاں شہروں میں دو بجے تک بھی لوگ جاگتے ہیں۔

تو جس کو کال کیا جارہا ہے اس کے بارے میں ایک اندازہ لگالیں کہ اس وقت وہ کسی کام میں مشغول تو نہیں ہوگا۔ لوگ نماز کے وقت کال کرتے ہیں، اب وہ بندہ جسے کال کی جارہی ہے وہ رنگ ٹون (Ringtone) بند کرنا سوئچ آف (Switch off) کرنا یا فلائٹ موڈ (Flight Mode) پر کرنا بھول گیا تو سب کی نماز خراب ہوگی، جس کا ذریعہ بے وقت کال کرنے والا شخص بنا، یا کسی کو مغرب کے وقت کال کیا، سب کو پتہ ہے کہ مغرب کی نماز ایک ساتھ سب جگہ ہوتی ہے، بہت سی مسجدوں میں دیکھا گیا کہ مغرب کی نماز میں لوگوں کو کال آرہی ہے، کون کال کر رہا ہے بھئی! اب تو نماز کا وقت ہے، سب کو پتہ ہے۔

تو بہر حال دوسرا ادب صحیح وقت کا تعین کہ کس وقت مجھے کس کو کال کرنا ہے؟ اس

میں اُس بندے کے نظام الاوقات کالحاظ بھی ضروری ہے جسے کال کی جارہی ہے۔

تیسرا ادب:(نمبرری چیک Recheck کرنا)

جب ہم کسی کا نمبر (Number) اس کو کال کرنے کے لیے کلک (Click) کریں تو نمبرایک مرتبہ ری چیک کرلیں کہ رونگ نمبر (Wrong Number) تونہیں ہے۔ کبھی ایک نام کے دس نمبرسیو (Save) ہوتے ہیں، مثلاً کونٹیکٹ لسٹ (Contact List) میں دس زبیر بھائی ہیں، اب کون سے زبیر بھائی کولگانا ہے؟ وہ چیک کرلیں۔ایک مرتبہ آخری کلک کرنے سے پہلے ری چیک (Re check) ضرور کرلیا کریں۔ورنہ یہ ہوگا کہ غلط نمبر ڈایل ہوگا، اب سامنے جو بندہ فون اُٹھائے گا وہ اپنے کام میں مشغول ہوسکتا ہے، اُسے خواہ مخواہ خلل ہوگا۔

چوتھا ادب:(تین مرتبہ کے بعد کال نہ کریں)

کال کرنے کے بعد اگر کال ریسیو (Recive) نہیں ہوا توصرف تین مرتبہ ری ڈایل کریں۔بعض لوگ بیس-تیس کال کرتے ہیں، دیکھتے نہیں کہ وہ کس کام میں ہوگا؟ یہ سمجھ لینا چاہیے کہ فون نہیں اٹھا رہا ہے تو وہ مشغول (Busy) ہوگا، یہ بالکل کامن سینس (Common Sense) کی بات ہے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ شخص فون سے دور ہو، نماز میں ہو، یا استنجاوغیرہ میں مشغول ہو۔

شریعت کی روشنی میں ادب یہ ہے کہ دروازہ اگر کوئی تین مرتبہ نوک (Knock) کرے، کھٹکھٹائے اوراندر سے کوئی جواب نہ ملے تو چلا جائے پھر نہ کھٹکھٹائے۔

حدیث پاک میں اس اَدب کو بیان کیا گیاہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: "كُنْتُ فِي مَجْلِسٍ مِنْ مَجَالِسِ الْأَنْصَارِ، إِذْ جَاءَ أَبُو مُوسَى كَأَنَّهُ مَذْعُورٌ، فَقَالَ: "اسْتَأْذَنْتُ عَلَى عُمَرَ ثَلَاثًا، فَلَمْ يُؤْذَنْ لِي، فَرَجَعْتُ، فَقَالَ: "مَا مَنَعَكَ؟ قُلْتُ: "اسْتَأْذَنْتُ ثَلَاثًا، فَلَمْ يُؤْذَنْ لِي، فَرَجَعْتُ، وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا اسْتَأْذَنَ أَحَدُكُمْ ثَلَاثًا، فَلَمْ يُؤْذَنْ لَهُ فَلْيَرْجِعْ، فَقَالَ: "وَاللّٰهِ لَتُقِيمَنَّ عَلَيْهِ بِبَيِّنَةٍ، أَمِنْكُمْ أَحَدٌ سَمِعَهُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟" فَقَالَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ: "وَاللّٰهِ لَا يَقُومُ مَعَكَ إِلَّا أَصْغَرُ الْقَوْمِ، فَكُنْتُ أَصْغَرَ الْقَوْمِ، فَقُمْتُ مَعَهُ، فَأَخْبَرْتُ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ذٰلِكَ."(۱)

اس حدیث پاک سے یہ ادب معلوم ہوا کہ جس طرح کسی کے گھر جائیں تو تین مرتبہ دستک دینے کی اجازت ہے، پھر اگر دروازہ نہ کھلے تو واپس لوٹ جانا چاہیے۔ اسی طرح زیادہ سے زیادہ تین مرتبہ کال کریں، اگر ریسیو (Receive) نہ ہو تو پھر کال نہ کریں، سمجھ جائیں کہ وہ نماز میں ہوگا، مشغول و بیزی (Busy) ہوگا۔ مسلسل کال لگانا یہ ایک قسم کی بے جا ضد اور ہٹ دھرمی ہے، جو ادب کے خلاف ہے۔

پانچواں ادب: (اِبتدا بالسلام)

سلام کا جو حکم آپسی ملاقات کے وقت ہے وہی فون کرتے اور اٹھاتے وقت کا بھی ہے؛ لہٰذا ''ہائے!، ہیلو'' (Hello) کے بجائے ''السلام علیکم'' کہنا مسنون ہوگا۔

اور جہاں تک انجانے میں غیر مسلم کو فون پر سلام کرنے کی بات ہے تو بقولِ مفتی

---

(۱) رواه البخاري / كتاب الاستئذان / باب التسليم والاستئذان ثلاثا / رقم الحديث : ٦٢٤٥.

شبیر احمد صاحب قاسمی مرادآبادی مدظلہٗ: ''اس میں کوئی گناہ نہیں، اور نہ یہ خلافِ احتیاط ہے؛ بلکہ اس میں بھی ہمیں سلام کرنے کا ثواب مل جائے گا۔ البتہ اگر پہلے سے معلوم ہو کہ غیر مسلم کا فون ہے، یا خود آپ کسی غیر مسلم کو فون کر رہے ہیں، تو سلام سے ابتدا نہ کریں۔''(۱)

اگر پتہ ہو کہ وہ شخص غیر مسلم ہے تو اس کے نمشکار یا نمستے بولنے کے بجائے ہم پہلے ''آداب'' بول کر گفتگو کا آغاز کریں، تو وہ بھی سامنے سے آداب کہہ دے گا۔ سلام نہ کریں۔

چھٹا ادب:(کال سے پہلے اجازت)

ہم جس کو کال کر رہے ہیں اگر وہ بیزی (Busy) آدمی ہے، بہت مشغول آدمی ہے، پڑھنے پڑھانے والے ہیں، یا کسی اور فیلڈ (Field) میں مشغول رہتے ہیں تو ایک ادب بڑوں نے یہ بتایا کہ پہلے ان کو میسج کرلیں کہ کیا میں آپ کو کال کرسکتا ہوں؟ مجھے ایمرجنسی (Emergency) ہے، یا فلاں کام ہے، اولاً میسج سے کال کی اجازت لے لیں اور اسی کے ساتھ ساتھ بہت مشغول آدمی کو اگر ضرورت کے موقع پر کال لگالیا تو لگاتے ہی پوری کہانی، پوری اسٹوری (Story) شروع نہ کردیں؛ بلکہ پوچھ لیں کہ حضرت! میں آپ سے پانچ منٹ بات کرسکتا ہوں؟ دو منٹ بات کرسکتا ہوں؟ پھر جتنے منٹ کی اِجازت لی ہے اُتنے ہی وقت میں بات مکمل کرلیں، بلاضرورت لمبی بات کر کے اُن کا وقت خراب نہ کریں، وقت بہت قیمتی چیز ہے، یہ نہ ہو کہ ہم بات کو خواہ مخواہ طویل کیے جا رہے ہوں اور وہ پریشان ہو رہے ہوں۔

ساتواں ادب:(گفتگو سے پہلے تعارُف (Introduction))

ساتویں بات بڑی اہم ہے کہ اگر ہم نے کال کیا ہے تو سلام کے بعد سب سے پہلے

(۱) انوارِ نبوت رصفحہ:۳۱۶۔

ہم اپنا تعارُف اِنٹروڈوکشن (Introduction) کرادیں کہ میں کون ہوں؟

تعارُف میں اس بات کا خیال رکھیں جس کی حدیث پاک میں تاکید ہے:

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: "أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي دَيْنٍ كَانَ عَلٰى أَبِي، فَدَقَقْتُ الْبَابَ، فَقَالَ: "مَنْ ذَا؟" فَقُلْتُ: "أَنَا، فَقَالَ: "أَنَا؟ أَنَا؟" كَأَنَّهُ كَرِهَهَا."(۱)

اس حدیث پاک کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ اپنے والد کے قرض کے سلسلے میں نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس پہنچا، میں نے دروازے پر دستک دی، تو نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دریافت فرمایا: کون؟ میں نے جواباً عرض کیا کہ ''میں'' ہوں، (مجھ سے یہ غلطی ہوئی کہ صراحتاً نام ذکر کرنے کے بجائے ''میں'' کہا) اُس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تنبیہاً فرمایا: ''میں؟ میں؟''، جس سے مجھے احساس ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس جواب کو ناپسند فرمایا۔

اپنا ایسا تعارف (Introduction) کرائیں جس سے سامنے والا متعارَف ہو جائے، پورا نام بتائیں جس سے پہچان ہو جائے، صرف یہ نہ کہیں کہ میں زبیر بھائی بول رہا ہوں، کیوں کہ زبیر بھائی دنیا میں ہزاروں ہیں، کونسے زبیر بھائی بول رہے ہیں؟ یہ کیسے پتہ چلے گا؟ ایسا تعارف کرادیں جس سے سامنے والے کو پہچاننے میں آسانی ہو۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی دھیان میں رکھیں کہ اگر ہم خود کسی کو کال کررہے ہوں تو اولاً ہماری ذمے داری بنتی ہے کہ ہم اپنا تعارُف پیش کریں، نہ کہ سامنے والے سے اُس کا

---

(۱) رواه البخاري / كتاب الاستئذان / باب إذا قال: من ذا؟ فقال: أنا / رقم الحديث : ٦٢٥٠.

تعارُف مانگیں، ہاں، اگر اجنبی شخص جس کو ہم پہچانتے نہیں ہیں، صرف اس کا فون نمبر ہمارے پاس ہے، جب اُسے کال کریں تو اپنا تعارُف پیش کرنے کے بعد اُس سے تعارُف پوچھ سکتے ہیں۔ کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کال کسی نے کسی کو لگایا اور سامنے والے کو پوچھ رہا ہے آپ کون بول رہے ہو؟ تو اس کو یہی جواب دینا پڑے گا کہ آپ نے جس کو کال کیا ہے وہ بول رہا ہے۔ کال کرنے والا نہیں پوچھے گا کہ آپ کون بول رہے ہیں، جس کو کال کیا گیا ہے وہ پوچھ سکتا ہے کہ آپ کون؟ ہوسکتا ہے اس کے پاس وہ نمبر سیو (Save) نہ ہو، محفوظ نہ ہو، تو وہ پوچھے گا۔

اور جب وہ پوچھے تو ایسا تعارف کرائیں اِن شارٹ (In Short) اور مختصر کہ وہ سمجھ جائے کہ کون بات کر رہا ہے، اگر پورے نام سے نہ پہچان سکے تو اپنا پتہ بھی بتائیں، مثلاً زبیر بھائی کاٹھیاواڑ سے بات کر رہا ہوں۔ اس طرح پوری پہچان بتا دیں، تاکہ سمجھ میں آجائے کونسے زبیر بھائی ہیں۔

بعض لوگ کال کرنے کے بعد اپنا تعارُف پیش نہیں کرتے؛ بلکہ اگر سامنے والا پوچھ بھی لے کہ کون بات کر رہا ہے؟ تو اب تعارُف کے بجائے اس کے سامنے پہیلیاں ڈالتے ہیں کہ کیوں بھائی! نہیں پہچانا؟ ارے کوشش کرو! (Guess) کرو، پہچانو! ایسے لوگ سامنے والے کا ذرا خیال نہیں کرتے کہ معلوم نہیں وہ کس مشغولی میں ہوگا، اگر بے تکلف دوست ہو تب بھی اس بات کا خیال ضروری ہے کہ اس کا موڈ (Mood) ٹھیک ہوگا یا نہیں؟

آٹھواں ادب: (بات مختصر ہو)

یہ بھی بڑی اَہم بات ہے کہ ضرورت سے زائد لمبی بات نہ کریں، اس میں سامنے والے کا خیال رکھیں کہ ہوسکتا ہے وہ مشغول ہو، اگر آپ فرصت میں ہیں تو ضروری نہیں کہ سامنے والا بھی فرصت میں ہو، بعض لوگ اس سلسلے میں ایک عجیب مضحکہ خیز منطق لا جک

(Logic) پیش کرتے ہیں کہ میں نے آپ کو فون کیا ہے، اور اِن کمنگ تو فری ہے، پھر آپ کو لمبی بات کرنے میں حرج کیا ہے؟ مانا کہ اِن کمنگ فری ہے، لیکن سامنے جو آدمی بات کر رہا ہے اس کا وقت بھی تو فری ہونا چاہیے! آخر پوری دنیا کو خود پر قیاس کرنا کہاں کی عقلمندی ہے؟ فون پر بات کرتے وقت خواہ خود کال کی ہو، یا کسی کا کال آیا ہو، یہ ضابطہ ہمیشہ مدنظر رکھیں کہ "الوَقْتُ هُوَ الْحَيَاةُ، وَالْوَقْتُ أَثْمَنُ مِنَ الذَّهَبِ." وقت سونے سے بھی زیادہ قیمتی ہے، زندگی کی ایک ایک گھڑی قیمتی ہے۔

کبھی کبھار تمہیدی بات، ابتدائی بات اور خیر خیریت معلوم کرنے میں اتنی لمبی بات کرتے ہیں کہ اس میں کال کا مقصد ہی چھپ جاتا ہے کہ (Purpose of Call) کیا ہے؟ کیوں کال کی گئی ہے؟ خیریت دریافت کرنا "کیسے ہو؟ اچھے ہو؟" یہاں تک تو ٹھیک ہے۔ پھر "کھانا کھالیا؟ کیا پکایا تھا؟ کس نے پکایا تھا؟ موسم کیسا ہے؟ گاؤں والوں کی کیا خبر؟ بھائی کیا کر رہے ہیں؟" یہ سب باتیں وقت کا ضیاع ہے، یہ حرکت دونوں کے لیے نقصان دہ ہے، اوّل تو جس مقصد کے لیے کال کی گئی ہے وہ کلیئر (Clear) نہیں ہو پاتا۔

سلام اور خیریت دریافت کرنے کے بعد جلدی سے مقصد کی طرف آ جاؤ کہ آپ نے کال کیوں کیا ہے؟ اصل بات جلدی سے پیش کر دو، تمہید کو زیادہ لمبا مت کرو۔

اگر کسی مجبوری کی بنا پر غیر محرم سے بات کرنی پڑے تو وہاں اس بات کا لحاظ از حد ضروری ہے کہ جس قدر ہو سکے گفتگو مختصر ہو، یہ خیریت دریافت کرنے کا موقع نہیں ہے؛ بلکہ سیدھے مقصد کی بات کر کے فون کٹ کر دینا چاہیے۔

خصوصاً جب خواتین فون اُٹھائیں اور سامنے کوئی اجنبی غیر محرم مرد بات کر رہا ہو تو اس میں ایک ادب یہ بھی ایڈ (Add) کر لیا جائے کہ مختصر شارٹ (Short) بات کریں،

زیادہ لمبی بات نہ کریں۔ نیز خواتین کو چاہیے کہ بہ وقت ضرورت اگر کسی غیر محرم سے بات ہو رہی ہو تو اپنی آواز میں لچک اور لہجہ نرم نہ رکھیں؛ بلکہ بالکل سیدھی آواز میں بات کریں۔

اس کے متعلق قرآنِ پاک میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۳۲﴾ (الأحزاب:۳۲)

''اے ازواجِ پیغمبر! تم عورتوں میں سے کسی ایک کی بھی مِثل نہیں ہو، اگر تم پرہیزگار رہنا چاہتی ہو تو (مَردوں سے حسبِ ضرورت) بات کرنے میں نرم لہجہ اختیار نہ کرنا کہ جس کے دل میں (نفاق کی) بیماری ہے (کہیں) وہ لالچ کرنے لگے اور (ہمیشہ) شک اور لچک سے محفوظ بات کرو۔''

اس آیت کریمہ میں سیدھا خطاب اگرچہ ازواجِ مطہرات کو کیا گیا ہے، لیکن حکم یہاں تمام مسلمان خواتین کے لیے عام ہے کہ جب بھی انھیں کسی مجبوری سے غیر محرم مردوں سے بات کرنے کی ضرورت ہو تو اپنا لہجہ نرم نہ رکھیں، جیسا کہ خواتین کی آپسی بات چیت ہوتی ہے؛ بلکہ لہجہ سخت ہو اور آواز بالکل سیدھی ہو، البتہ ایسا بھی نہ ہو جسے بدتمیزی یا بداخلاقی سے تعبیر کیا جائے، لہٰذا جو بات کہیں وہ خیر و بھلائی والی ہو۔

اس کے بعد کا مرحلہ یہ ہے کہ کال ختم ڈِسکنیکٹ (Disconnect) کون کرے گا؟ اس سلسلے میں یہ ملحوظ رہے کہ جس نے کال کی تھی اُسی کو چاہیے کہ وہ بات مکمل ہونے پر کال ختم کر دے، سامنے والے کا انتظار نہ کرے کہ وہ کال ختم کرے۔

عموماً ہوتا یہ ہے کہ طرفین میں سے ہر ایک کش مکش اور کنفیوژن (Cofusion) میں دوسرے کا منتظر رہتا ہے اور اس وجہ سے بات بلا ضرورت طویل ہوتی جاتی ہے، جس

میں دونوں کا وقت ضائع ہوتا ہے۔

کئی بار یہ بھی ہوتا ہے کہ کال ختم کرنے کے لیے اشارۃً کہا بھی جاتا ہے کہ ''ٹھیک ہے، دُعا میں یاد رکھیں''، لیکن پھر بھی سامنے والا سمجھنے کو تیار نہیں ہوتا، ایسے موقع پر صراحتًا یہ کہہ کر بات مکمل کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ ''ٹھیک ہے، اب میں کال ختم کر رہا ہوں، دُعا میں یاد رکھیں۔'' یہ کوئی بداَخلاقی نہیں ہے۔

نواں ادب:(معتدل آواز میں گفتگو کرنا)

اس موقع پر آواز (Volume) کتنی پست یا بلند ہو اُس کا معیار بھی جان لینا چاہیے، سب سے بہتر یہی ہے کہ آواز درمیانی ہو، بہت زیادہ بلند بھی نہ ہو اور اِتنی پست بھی نہ ہو کہ سامنے والے کو سنائی نہ دے۔ بعض لوگ فون پر اِس قدر بلند آواز سے بات کرتے ہیں کہ کئی مرتبہ شبہ ہو جاتا ہے کہ وہ پوری بلڈنگ (Building) کو، پورے محلے کو، یا پوری بستی کو خطاب فرما رہے ہیں!

بہت سے لوگوں تو یہ غلط فہمی رہتی ہے کہ یہ کال تو بیرونِ ملک سے آیا ہے؛ لہٰذا وہاں تک آواز پہنچانے کے لیے بلند آواز ہی سے گفتگو کرنی ہوگی، یا فون میں نیٹ وَرک ٹھیک سے نہیں آرہا ہے، سگنل (Signal) کی دِقت ہے، اس لیے بلند آواز سے ہی گفتگو ہو سکے گی، جب کہ ایسا نہیں ہے، بلند آواز سے بولنا بیرون ملک تک آپ کی آواز پہنچانے میں ہرگز کوئی مدد نہیں کر سکتا اور نہ ہی سگنل کی دِقت کو دور کر سکتا ہے! لہٰذا سامنے والے کو آواز پہنچ جائے اتنا کافی ہے۔

اسی طرح اگر ہمارے فون میں نیٹ وَرک کی کوئی دِقت نہیں ہے، پھر بھی ہمیں سامنے والے کی آواز ٹھیک سے نہ سُنائی دے تب بھی چلانے کی ضرورت بالکل نہیں ہے،

کیوں کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سامنے والے کے فون میں نیٹ وَرک کی دِقت ہو، چلاّنے سے نہ تو ہماری آواز پہنچنے میں کوئی فرق ہوگا، نہ ہی سامنے والے کے نیٹ وَرک میں۔

دسواں ادب: (پہلا جملہ انتہائی مہذب ہو)

اسی طرح بات کرنے کی تمیز اور آداب کا لحاظ بھی نہایت ضروری ہے، بطورِ خاص پہلا جملہ انتہائی تہذیب اور شائستگی والا، ادب والا ہونا چاہیے، بعض لوگ سلام کے بعد فوراً کہنے لگتے ہیں: ''ہاں، بول!''۔ اتنا سر چڑھ کر بولتے ہیں گویا یہ کہنا چاہتے ہوں کہ فون رکھ دے۔ یہ ادب کے خلاف ہے۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ فرسٹ امپریشن ایز لاسٹ امپریشن (First Impression is Last Impression) پہلا جملہ انتہائی مہذب اور ڈی سی پلین (Discipline) والا ہونا چاہیے کہ ''جی فرمایئے! اور کیسے ہیں آپ؟ خیریت سے ہیں؟ وغیرہ۔

گیارھواں ادب: (رِنگ ٹون Rington سادہ ہو)

رنگ ٹون بھی سادہ ہونی چاہیے، بعض لوگ گانے والی رِنگ ٹون سیٹ کرتے ہیں، گناہ تو ہے ہی، مزید برآں اگر فون سائیلنٹ (Silent) کرنا بھول گئے اور مسجد میں نماز کے وقت یہ رِنگ ٹون بجنے لگی تو کتنی قباحت والا گناہ ہوگا اس کا تصور کرو، نیز اس کے بجنے سے سب کی نماز بھی خراب ہوتی ہے۔

اوّلاً تو اسی بات کا اہتمام کریں اور اپنی عادت بنالیں کہ جیسے ہی مسجد میں داخل ہوں فوراً فون سائیلنٹ کر دیا جائے، پھر بھی اگر کسی وقت سائیلنٹ کرنا بھول جائیں اور نماز میں رِنگ ٹون بجنے لگے تو کیا کرنا چاہیے؟ اس کی مستقل وضاحت ہے، مختصر یہ کہ اگر بند کرنے

کی ضرورت پیش آئے تو ایک ہاتھ سے بند کر سکتے ہیں۔

بارھواں ادب:(بلا اجازت کال ریکارڈ Record نہ کریں)

بات چیت کے آداب میں سے ایک اہم بات یہ ہے کہ اس بات کو ریکارڈ کرنا خیانت ہے۔ اگر ریکارڈ کرنا ہے تو سامنے والے کی اِجازت پرمیشن (Permission) لیں کہ میں آپ کی بات ریکارڈ کروں گا۔ یہ اجازت ضروری ہے، ورنہ یہ "المجالسُ بالأمانة" کے خلاف ہوگا۔ جس کی حدیث پاک میں صریح ممانعت وارد ہے:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْمَجَالِسُ بِالْأَمَانَةِ، إِلَّا ثَـلَاثَةَ مَجَالِسَ، سَفْكُ دَمٍ حَرَامٍ، أَوْ فَرْجٌ حَرَامٌ، أَوْ اقْتِطَاعُ مَالٍ بِغَيْرِ حَقٍّ."(۱)

اس حدیث پاک کا خلاصہ یہ ہے کہ مجالس میں امانت کا لحاظ ضروری ہے، یعنی مجلس کی آپسی بات چیت کسی ایسے شخص کو بتانا جو مجلس میں شریک نہیں ہے یہ خیانت ہے۔ اس سے تین مجلسیں جو گناہ کی ہیں وہ مستثنیٰ ہیں:

ایک وہ مجلس جس میں کسی کے ناحق قتل کی سازش ہوئی ہو، تو اُسے اِفشاء کر دینا خیانت میں شمار نہیں ہوگا؛ بلکہ ناحق قتل کو روکنے کے لیے یہ ضروری ہے۔

دوسری وہ مجلس جس میں زنا کی سازش ہو، ایسی گناہ کی مجلس سے بھی حاکم کو مطلع کرنا خیانت میں داخل نہیں ہوگا، تا کہ گناہ سے روکا جا سکے۔

تیسری وہ مجلس جس میں ڈاکہ زنی وغیرہ کی سازش ہوئی ہو، اس سے بھی لوگوں کو مطلع کرنا ضروری ہے، تا کہ لوگوں کا مال ناحق برباد ہونے سے بچایا جا سکے۔

---

(۱) رواه أبو داود / أول كتاب الأدب / باب في نقل الحديث / رقم الحديث : ٤٨٦٩.

لٰہذا کسی فون کال میں بھی اگر ایسی گناہوں کی سازش ریکارڈ ہوئی ہو تو اُسے گنہگاروں کو سزا دلوانے کے لیے اگر ریکارڈ کیا جائے یا وہ ریکارڈ نگ حاکم کو سنائی جائے تو اس کی اِجازت ہے۔

تیرہواں ادب:(گھریلو ضرورتوں کے لیے مرد کال کریں)

گھر کی روزمرّہ کی ضرورتوں میں جہاں تک ممکن ہو گھر کے مرد ہی کال کریں یہ بہتر ہے، مثلاً دھوبی، پریس والے، الیکٹریشن (Electrician) یا کارپینٹر (Carpenter) وغیرہ کو بلانا ہے تو گھر کے مردوں کو چاہیے کہ وہ کال کریں۔ بلا کسی ضرورتِ شدیدہ خواتین کو غیر محرموں سے فون پر بات کرنے کا حکم نہ دیں۔

ہمارے معاشرے میں یہ بے حیائی اتنی عام ہے کہ گھر کے مرد فرصت میں ہوں، کوئی مشغولی نہ ہو، پھر بھی اپنی بیویوں سے بلا جھجھک کہہ دیتے ہیں کہ فلاں کاریگر کو فون کر کے بلالو، پلمبر کو بلالو، وغیرہ۔ اس پر طرّہ یہ کہ اسے بے حیائی نہیں سمجھا جاتا۔

چودھواں ادب:(نجی Private گفتگو سے پہلے پہچاننا)

آخری ضروری بات یہ ہے کہ جب ہم کسی کے ساتھ نجی، راز کی اور پرائیویٹ (Private) گفتگو کریں تو پہلے خوب اطمینان کرلیں کہ جس کو میں نے کال کیا ہے، جس سے میں بات کرنا چاہ رہا ہوں وہی فون پر ہے یا کوئی اور؟ مثلاً اگر کوئی اپنی بیوی سے بات کرنا چاہتا ہے، جس کے ساتھ کچھ نجی گفتگو بھی کرنی ہے، تو پہلے نام پوچھ کر یا آواز وغیرہ سے خوب پہچان کر اطمینان کرلیں، پھر نجی گفتگو شروع کریں، ورنہ بسا اوقات شرمندگی اُٹھانی پڑتی ہے۔

جیسے کسی نے اپنی بیوی وائف (Wife) کو فون کیا، اتفاق سے فون اُس کی ماں یا

بہن یا کسی چھوٹی بچی نے اُٹھایا، اب یہ شخص بغیر آواز پہچانے سیدھے ہی شروع ہو گیا کہ ''ہائے جانو! ہائے ڈارلنگ! آئی لَو یُو (I Love You) وغیرہ، حالانکہ بیگم صاحبہ کسی اور کام میں مشغول ہیں، تو سوچ لو کہ دونوں کو کتنی شرمندگی ہوگی؟ لہٰذا اولاً اچھی طرح معلوم کر لیں کہ سامنے ''جانو'' ہی ہے یا کوئی بانو ہے۔

فون پر بات چیت کے یہ چودہ آداب آپ حضرات کی خدمت میں پیش کیے گئے ہیں، جو بہت اہم ہیں، چوں کہ آج موبائل ہر ایک کی ضرورت ہے، کالنگ کا عام رواج ہے تو ان آداب کی رعایت ضروری ہے۔

اسلامی معاشرت میں اخلاق و آداب کا لحاظ کرنا نہایت ضروری ہے۔ ادب ہی سے انسان حقیقی معنیٰ میں انسان بن سکتا ہے، ادب جو نہ سیکھے وہ حیوان ہے۔ عربی زبان میں ایک مثل مشہور ہے:

"الدِّيْنُ كُلُّهُ خُلُقٌ، فَمَنْ فَاقَكَ فِيْ الْخُلُقِ فَقَدْ فَاقَكَ فِيْ الدِّيْن."

یعنی دین اخلاق و آداب اور مینرس (Manners) کا نام ہے، کہ اسلامی معاشرت میں اخلاق و آداب کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، لہٰذا جو شخص بھی اخلاق و آداب میں فوقیت رکھتا ہو، جس کے اخلاق بلند ہوں، وہ دینی اعتبار سے بھی بلند شمار ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کہنے والے گنہگار کو بھی توفیق عمل سے نوازیں اور ہم سب کو بھی توفیق عمل سے نوازیں۔ (آمین یارب العالمین)

وَأٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِين

* * *

قیلولہ سنت بھی، آرام بھی

BAYAN QR CODE

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، أَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ الْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِيْدِ، أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ۝۲۳﴾ (الروم : ۲۳)

وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "قِيْلُوْا؛ فَإِنَّ الشَّيَاطِيْنَ لَا تَقِيْلُ."(۱)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ، وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

تمہید:

محترم ومحتشم سامعین! آج ہم آپ کی خدمت میں ایک اہم عنوان لے کر حاضر ہوئے ہیں۔ قیلولہ یعنی دوپہر کا آرام یہ بڑی پیاری سنت ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی مبارک سنت ہے، لیکن آج یہ سنت امت مسلمہ میں عمل کے اعتبار سے ختم ہوتی جارہی ہے، بطورِ خاص شہری زندگی میں شہری لوگوں میں یہ سنت تیزی سے ختم ہوتی جارہی ہے۔ تو آج کی اس مبارک مجلس میں ہم اسی عنوان پر بات کریں گے۔

لفظ ''قیلولہ'' کا صحیح تلفظ اور اس کے معنیٰ:

سب سے پہلے جان لیں کہ یہ لفظ عربی زبان کا ہے: "قَيْلُوْلَةٌ". اس کے تلفظ

(۱) أخبار أصبهان لأبي نعيم / باب من اسمه عمر / رقم الحديث : ۱۳۵۷.

پرونانسیشن (Pronunciation) میں عامۃً لوگ غلطی کرتے ہیں، اس کی طرف پہلے توجہ کرتے ہیں، لوگ اس کو بولتے ہیں ''قَیِّلُ اللّٰہ'' عبدُ اللہ کی طرح تلفظ کرتے ہیں کہ ''قَیِّلُ اللّٰہ'' کرلو دوپہر کے کھانے کے بعد۔ تو یہ ''قَیِّلُ اللّٰہ'' عبداللہ کی طرح (لام کی تشدید کے ساتھ) نہیں؛ بلکہ یہ "قَیْلُوْلَۃٌ" ہے، جس کے معنیٰ ہیں دوپہر کے وقت تھوڑی دیر لیٹ جانا۔ یہ اس کا ڈیفینیشن (Definition) ہے، جس کو بعض لوگ لمبا ہوجانا کہتے ہیں، لیٹ جانا، سُستانا وغیرہ، خواہ نیند آئے یا نہ آئے۔ نیند آنا یہ ضروری نہیں ہے۔

بہت سے لوگوں کو جب اس سنت کی ترغیب دی جاتی ہے تو وہ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں تو نیند آتی ہی نہیں، ہم کیسے اس سنت کو ادا کریں؟ تو قیلولہ کے معنیٰ سے اس کا حل ہوگیا کہ اس سنت کی ادائیگی کے لیے صرف لیٹ جانا کافی ہے، خواہ نیند آئے یا نہ آئے، اس سنت کی ادائیگی کے لیے نیند کا آنا ضروری نہیں۔

طرزِ زندگی میں اِصلاح کی ضرورت:

اس مناسبت سے دوسری قابلِ غور بات یہ بھی ہے کہ نیند کیوں نہیں آتی؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ جب ہماری صبح، خاص طور پر شہری لائف (Life) میں دس بجے اور گیارہ بجے ہوگی اور قیلولہ کے وقت ہمارا ناشتہ ہوتا ہے تو پھر قیلولہ کی سنت کیسے ادا ہو پائے گی! اس وجہ سے ہم اس سنت پر عمل نہیں کر پارہے ہیں کہ ہمارا لائف سسٹم (Life System) اور نظام الاوقات، شیڈیول (Schedule) اِتنا فاسد ہوگیا ہے کہ ہم نے رات کو دن اور دن کو رات بنادیا ہے، جس کی وجہ سے اس سنت پر عمل کرنا آج کی لائف میں لوگوں کے لیے دشوار ہوگیا ہے۔

بہرحال! نیند آنا قیلولہ کے لیے شرط نہیں ہے، بس ایک جھپکی مار لے، تھوڑی دیر آنکھ بند کرکے سستالے اور آرام کرلے تو بھی قیلولہ کی سنت ادا ہوجائے گی۔

قیلولہ کی اہمیت:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت انسان کو پیدا فرمانے کے بعد اس کائنات میں اُس کی زندگی کی تمام ضروریات، مصالح اور منافع کو بھی مہیا فرما دیا، اسی طرح انسانی بدن کے مصالح ومنافع کے پیشِ نظر انسان کے لیے ایک فطری نظام الاوقات بنایا، جس پر عمل پیرا ہو کر انسان اپنی تمام ضرورتوں کو بآسانی پورا کر سکے، اور اس چیز کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ مطلقہ کی آیات یعنی نشانیاں اور دلیل قرار دی اور اُسے مقامِ امتنان میں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾﴾ (الروم : ۲۳)

"اور اسی کی نشانیوں میں سے رات اور دن میں تمھارا سونا اور اس کے فضل (یعنی رزق) کو تمھارا تلاش کرنا (بھی) ہے۔ بیشک اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو (غور سے) سنتے ہیں۔"

اس آیت کریمہ میں رات اور دِن کے سونے کو اللہ تعالیٰ کا فضل شمار کیا گیا۔ لیل اور نہار دونوں کا ذکر کیا گیا، اس پر مفسرین نے یہ نکتہ بیان فرمایا ہے کہ ایسے علاقے جہاں سال کا اکثر حصہ گرمی کا ہوتا ہے اور جن ممالک میں گرمی زیادہ ہوتی ہے وہاں کے باشندگان کے لیے قیلولہ اللہ تعالیٰ کی مستقل نعمت ورحمت ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اس سنت پر بطورِ خاص اہتمام کے ساتھ عمل تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر میں ہوں یا حضر میں، سردی ہو یا گرمی، کوئی سا موسم ہو، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس کا اہتمام فرماتے تھے۔

بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے:

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: "مَا كُنَّا نَقِيْلُ وَلَا نَتَغَدّٰى إِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَةِ فِيْ عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ."(۱)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں جمعہ کی نماز کے بعد ہی کھانا کھاتے اور قیلولہ کرتے تھے۔ اس حدیث پاک میں حضرت سہل رضی اللہ عنہ نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول ذکر فرما رہے ہیں کہ تمام جمعہ کے بعد ہی کھانا تناول کرتے اور قیلولہ کرتے تھے۔ اور جمعہ کے دِن کھانا اور قیلولہ مؤخر کرنے کی وجہ بھی ظاہر ہے کہ جمعہ کے دِن نمازِ جمعہ کے لیے سعی الی الجمعہ ضروری ہے، جس کا خصوصی اہتمام ہوتا تھا۔ ورنہ دوسرے دِنوں میں ظہر سے پہلے کھانے اور قیلولہ کا معمول تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت جو خطبے میں پڑھی گئی اس میں بھی قیلولہ کا حکم ہے:

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "قِيْلُوْا؛ فَإِنَّ الشَّيَاطِيْنَ لَا تَقِيْلُ."(۲)

اس حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ شیاطین کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ وہ دوپہر کے وقت قیلولہ نہیں کرتے، لہٰذا تم قیلولہ کرلیا کرو۔ یعنی قیلولہ کی سنت پر عمل کر کے ہم شیاطین کی مخالفت کر سکتے ہیں۔

قیلولہ سنت ہے، نہ کہ دال چاول:

بہت سے لوگ کچھ سنتیں اپنی طرف سے بنا لیتے ہیں، لیکن جو اصل سنت ہے اس کا

(۱) رواه البخاري / كتاب الجمعة / باب قوله تعالىٰ: فإذا قضيت الصلوٰة...الخ / الرقم: ۹۳۹.

(۲) أخبار أصبهان لأبي نعيم / باب من اسمه عمر / رقم الحديث: ۱۳۵۷.

اہتمام نہیں کرتے۔ بطورِ خاص ہمارے علاقوں میں جمعہ کے دِن اب رواج ہو گیا ہے کہ دال اور چاول پکتے ہیں، کچھ لوگوں نے یہ مشہور کر دیا ہے کہ جمعہ کے دن دال چاول بنانا سنت ہے۔ کھانے پینے کی سنت تو اپنی طرف سے گھڑ لی جاتی ہے۔ تو بہر حال! اس طرح کی کوئی سنت نہیں ہے۔ جمعہ کے دِن کا معمول صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ تھا کہ وہ جمعہ کے بعد کھانا تناول کرتے، پھر قیلولہ کرتے۔ خصوصیت کے ساتھ دال اور چاول پکانے کا ذکر اس روایت میں کہیں نہیں ہے۔

مدارسِ اسلامیہ میں قیلولہ کی سنت پر عمل:

الحمدللہ مدارس میں اس سنت پر بہت اہتمام کے ساتھ عمل ہوتا ہے۔ خاص طور پر جو حضرات پڑھنے پڑھانے والے ہیں اُن کے لیے تو یہ نیند بہت ہی اُہمیت کی حامل ہوتی ہے، جس کی وجہ سے دوپہر میں پڑھانے میں، پڑھنے میں بڑا سکون، بڑا اطمینان اور بہت نَشاط پیدا ہو جاتا ہے، موڈ فریش ہو جاتا ہے، اور تازہ دَم ہو کر وہ زیادہ اچھی طرح پڑھ سکتے ہیں اور پڑھا سکتے ہیں۔

برصغیر کے مدارسِ اسلامیہ کا نظام الاقات ہی اس طرح بنا ہوا ہے کہ تقریباً تمام مدارس میں علما وطلبہ قیلولہ کی سنت پر بآسانی عمل کر لیتے ہیں اور اس سنت پر عمل پیرا ہو کر اپنے تعلیمی مشاغل میں تعاون حاصل کرتے ہیں۔

ظہر کے بعد قیلولہ:

اصل سنت یہ ہے کہ پہلے دوپہر کا کھانا ہو، اُس کے بعد قیلولہ، پھر ظہر کی نماز ہو، لیکن آج کل شہری ماحول میں زیادہ تر یہ ہوتا ہے کہ ظہر کے بعد کھانا کھایا جاتا ہے، تو اگر کوئی ظہر

کے بعد بھی اس پر عمل کر لے اور تھوڑی دیر قیلولہ کی نیت سے لیٹ جائے تو بھی اس کی سنت ان شاء اللہ ادا ہو جائے گی، وہ سنت پر عمل کرنے والا قرار دیا جائے گا۔

اس موقع پر یہ بھی ملحوظ رہے کہ قیلولہ کی سنت میں تھوڑی دیر ہی کے لیے سونا یا آرام کرنا ہے، یہ نہیں کہ تین چار گھنٹے کی لمبی نیند کھینچ لی، دِن میں ایسی لمبی نیند سو جانے سے مزید سستی پیدا ہوگی اور رات کی نیند میں بھی خلل ہوگا، اور اِتنی لمبی نیند کو پھر ''لیلولہ'' ہی کہنا چاہیے! قیلولہ نہیں۔

قیلولہ کے فوائد:

قیلولہ کے بہت سے فائدے ہیں: ایک تو اس سے دِماغی تازگی بحال ہو جاتی ہے اور دِماغ کو ٹونِک (Tonic) مل جاتی ہے۔ صبح سے کچھ گھنٹے تک مسلسل کام کر کے دِماغ تھک جاتا ہے، قیلولہ سے یہ تھکن دور ہو جاتی ہے، نشاط پیدا ہو جاتا ہے، بندہ ایکٹیو (Active) ہو جاتا ہے، چست اور چاق و چوبند ہو جاتا ہے۔

بعض لوگ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اس کا ایک فائدہ یہ ہے کہ دِماغی کام کرنے والوں کے لیے گویا ایک دن دو دِنوں میں بدل جاتا ہے، تھوڑی دیر کی نیند کے بعد دِماغ کو اِتنی تازگی مل جاتی ہے کہ محسوس ہوتا ہے گویا نیا دِن شروع ہوا ہو۔ جو حضرات پڑھنے پڑھانے کے کام میں لگے ہوئے ہیں وہ جب اس سنت پر عمل کرتے ہیں تو محسوس کرتے ہیں کہ دوپہر کو اٹھنے کے بعد ایک نیا فریشنس (Freshness) اور ایک نئی تازگی اور ایک نئی توانائی اور طاقت حاصل ہوئی ہے، گویا ایک نئی صبح ہوتی ہے۔

اسی طرح بعض حضرات نے اس کا فائدہ یہ بھی لکھا ہے کہ اس سے دماغ کی قوتِ حافظہ تیز ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ پڑھنے پڑھانے والوں کو اس کی بہت ضرورت ہے۔

بعض لوگ جو رات کو دو بجے۔ تین بجے دیر سے سوتے ہیں، پھر ان کی صبح نو، دس، گیارہ بجے تک نہیں ہو پاتی، اس وجہ سے اُن کی تھکن دور نہیں ہوتی، صبح اٹھنے کے بعد بھی وہ پژمردہ اور مردہ کی طرح اپنے آپ کو تھکا ماندہ محسوس کرتے ہیں، اس کی ایک وجہ دوپہر کا نہ سونا بھی ہے۔

اگر قیلولہ کی سنت پر عمل ہو جائے تو ان شاء اللہ رات کی تھوڑی نیند بھی کافی ہو جائے گی۔ اور سب سے اہم فائدہ وہ ہے جو حدیث پاک میں بیان کیا گیا ہے کہ جو بندہ قیلولہ کا اہتمام کرتا ہے اس کو رات کی عبادت اور تہجد کی عبادت کی بھی توفیق نصیب ہو جاتی ہے۔ سنن ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "اسْتَعِيْنُوْا بِطَعَامِ السَّحَرِ عَلٰى صِيَامِ النَّهَارِ، وَبِالْقَيْلُوْلَةِ عَلٰى قِيَامِ اللَّيْلِ."(۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم سحری کے ذریعے روزے کا تعاون حاصل کرو اور قیلولہ کے ذریعے قیامِ لیل کی مدد حاصل کرو۔

یعنی سحری کھانے کی وجہ سے بدن کو قوت حاصل ہوگی، جس کی وجہ سے روزہ رکھنے کے باوجود ضعف محسوس نہیں ہوگا، اور قیلولہ کی وجہ سے دو اوقات میں نیند مکمل ہو جائے گی، جس کا فائدہ یہ ہوگا کہ رات کو عبادت کے لیے بیدار رہنا آسان ہو جائے گا۔

قیلولہ چوں کہ قیامِ لیل میں معاون ہوتا ہے، اس لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور صلحائے اُمت اس کا خاص اہتمام کرتے تھے۔

(۱) رواه ابن ماجه / كتاب الصيام / باب ما جاء في السحور / رقم الحديث : ۱۶۹۳.

جلیل القدر تابعی حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ ان کا ایک عامل دِن میں قیلولہ نہیں کرتا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس کو ایک خط لکھا، جس کا مضمون اس طرح تھا:

"أَمَّا بَعْدُ، فَقِلْ! فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَقِيْلُ."(۱)

یعنی قیلولہ کرو! کیوں کہ شیطان قیلولہ نہیں کرتا۔

تو بہر حال یہ قیلولہ کے چند فوائد ہیں۔ اَغیار تو اس سنت سے استفادہ کر رہے ہیں، جب کہ ہماری اکثریت اس سے بے خبر ہے۔

چند دنوں پہلے سوشیل میڈیا (Social Media) پر چائنا کی ایک بڑی کمپنی (Company) کی ایک نیوز (News) آئی تھی، ایک امیج (Image) آیا تھا۔ اس امیج میں یہ بتایا گیا تھا کہ چائنا کی ایک بڑی کمپنی نے اپنی کمپنی میں کام کرنے والے جتنے ورکرز (Workers) ہیں ان کے لیے کمپلسری (Compulsory) اور لازم کر دیا تھا کہ دوپہر میں سب کو تیس منٹ یعنی آدھا گھنٹہ آرام کرنا ہے۔ قیلولہ کا انھوں نے یہ وقت بتایا تھا، اور آدھا گھنٹہ فکس (Fix) کر دیا تھا۔ پھر اس کے بعد رپورٹ (Report) یہ آئی تھی کہ اس کا فائدہ اتنا محسوس ہوا کہ کمپنی نے اس سے پہلے اور اس کے بعد کے منافع و پرافٹ کا (Profit) جب کمپیر (compare) تقابل کیا تو اس عمل کے رواج دینے کے بعد کمپنی کو تیس فی صد (Percent) پرافٹ نفع زیادہ ہو گیا۔

اختتامیہ:

قیلولہ سنت بھی ہے اور آرام بھی ہے۔ یہی ہمارا آج کا پیغام ہے کہ ہم سنتوں کو

(۱) مختصر قيام الليل للمروذي / باب الاستعانة بقائلة النهار على قيام الليل.

زیادہ سے زیادہ زندہ کریں۔اس سنت پر بھی عمل کریں، فائدہ ہمارا ہے۔یہ سنت ایسی ہے کہ اُسے ''ہم خرما و ہم ثواب'' سے تعبیر کر سکتے ہیں، یعنی سنت بھی ادا ہو رہی ہے اور اس کے ساتھ دُنیوی اور ظاہری فائدہ بھی ہو رہا ہے۔

اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچی اور پکی محبت نصیب فرمائیں اور اس محبت کے نتیجے میں اتباعِ سنت کی توفیق سے مالا مال فرمائیں اور توفیقِ عمل سے نوازیں۔آمین یارب العالمین۔

وَأٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن

مراجع ومصادر

اس تالیف میں درجِ ذیل کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔

شمار	اسمائے کتب	اسمائے مصنّفین
۱	قرآن مجید	
	کتبِ تفسیر	
۲	تفسیر روح المعانی	علامہ محمود آلوسی بغدادیؒ
۳	تفسیر روح البیان	شیخ اسماعیل حقی بروسویؒ
۴	تفسیر بیان القرآن	مولانا اشرف علی تھانویؒ
۵	معارف القرآن	مفتی محمد شفیع عثمانیؒ
۶	انوار البیان فی کشف اسرار القرآن	مولانا عاشق الٰہی مدنیؒ
	کتبِ حدیث، فقہ، سیر، تاریخ وغیرہ	
۷	صحیح البخاری	محمد بن اسماعیل بخاریؒ
۸	صحیح مسلم	مسلم بن حجاج قشیریؒ
۹	سنن الترمذی	محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ
۱۰	سنن ابی داود	سلیمان بن اشعث سجستانیؒ
۱۱	سنن النسائی	احمد بن شعیب النسائیؒ
۱۲	سنن ابن ماجہ	محمد بن یزید القزوینیؒ

۱۳	المستدرک علی الصحیحین	محمد بن عبد اللہ نیساپوریؒ
۱۴	المؤطا	اِمام مالک بن انس مدنیؒ
۱۵	مسند احمد	اِمام احمد بن محمد شیبانیؒ
۱۶	شرح مشکل الآثار	احمد بن محمد الطحاویؒ
۱۷	شعب الایمان	احمد بن حسین البیہقیؒ
۱۸	المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد الطبرانیؒ
۱۹	المعجم الاوسط	//
۲۰	صحیح ابن خزیمہ	محمد بن اسحاق نیساپوریؒ
۲۱	مصنف ابن ابی شیبہ	عبد اللہ بن محمد عبسیؒ
۲۲	سنن سعید بن منصور	سعید بن منصور خراسانیؒ
۲۳	مشکٰوۃ المصابیح	محمد بن عبد اللہ تبریزیؒ
۲۴	کنز العمال	علی بن حسام الدین متقیؒ
۲۵	اخبار اصبہان	احمد بن عبد اللہ اصفہانیؒ
۲۶	مختصر قیام اللیل	محمد بن نصر مروَزِیؒ
۲۷	عمل الیوم واللیلۃ	احمد بن محمد معروف بہ ابن سنیؒ
۲۸	اصلاح المال	عبد اللہ بن محمد معروف بہ ابن ابی الدنیاؒ
۲۹	فتح الباری	احمد بن علی عسقلانیؒ
۳۰	عمدۃ القاری	محمود بن احمد بدر الدین عینیؒ
۳۱	شرح صحیح مسلم	محی الدین یحیٰی بن شرف نوویؒ
۳۲	مفتاح الاسرار	محمد بن ادریس الدباغؒ

۳۳	ردالمحتار (فتاویٰ شامی)	علاء الدین محمد ابن عابدین شامیؒ
۳۴	تکملۃ البحرالرائق	عبدالقادر بن عثمان طوریؒ
۳۵	کتاب التوابین	عبداللہ بن احمد بن قدامہ المقدسیؒ
۳۶	مدارج السالکین	محمد بن ابی بکر معروف بہ ابن القیم الجوزیہؒ
۳۷	البدایۃ والنہایۃ	اسماعیل بن عمر معروف بہ ابن کثیر دمشقیؒ
۳۸	الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ	احمد بن علی عسقلانیؒ
۳۹	نزہۃ المجالس ومنتخب النفائس	عبدالرحمٰن بن عبدالسلام صفوریؒ
۴۰	دیوان الامام الشافعی	محمد بن ادریس الشافعیؒ
۴۱	تنبیہ الغافلین (اردو ترجمہ)	محمد شریف عارف نوریؒ
۴۲	مظاہر حق	محمد قطب الدین خان دہلویؒ
۴۳	معارف الحدیث	مولانا محمد منظور نعمانیؒ
۴۴	اصلاحی خطبات	مفتی محمد تقی عثمانی صاحب
۴۵	سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ
۴۶	انوارِ نبوت	مفتی شبیر احمد قاسمی
۴۷	کتابوں کی درسگاہ میں	مولانا ابن الحسن عباسیؒ
۴۸	حکایتوں کا گلدستہ	مولانا اسلم صاحب شیخوپوریؒ
۴۹	حضرت تھانویؒ کے پسندیدہ واقعات	مولانا ابوالحسن اعظمی
۵۰	احکام المساجد	مفتی احمد بیمات کرمالیؒ
۵۱	ماہنامہ "حرم"	(بابت ماہ: جنوری ر ۲۰۱۲ء)
۵۲	ماہنامہ "الہلال"	(بابت ماہ: ۱۶را اکتوبر ر ۱۹۱۲ء)

”آسان دین“ چینل کا مختصر تعارف

اِس یوٹیوب چینل پر وقت کے اَہم اور ضروری عنوانات پر علمی و تحقیقی مضامین جامع و عام فہم انداز میں پیش کیے جاتے ہیں، نوجوان نسل کے بہت سے ضروری مسائل نہایت متوازن اُسلوب میں بیان ہوتے ہیں، نیز مختلف مواقع سے متعلق مسائل، فضائل، وظائف اور اصلاحی بیانات نشر کیے جاتے ہیں۔

نوٹ: اس کیوآر کوڈ کے ذریعے آپ چینل کو ملاحظہ فرما سکتے ہیں:

نوٹ: اس کیوآر کوڈ کے ذریعے آپ تمام پندرہ تقاریر چینل پر سن سکتے ہیں:

یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر

آسان دین

Aasan Deen

Media Services

ADMS

اس جلد کے مضامین